سلسلۂ نصابات علمیہ مجلس جامعۂ عثمانیہ

تاریخ اہل انگلستان

جلد سوم

یعنی

جان رچرڈ گرین کی "اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل" کا اردو ترجمہ

انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمۂ

قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ

جامعہ عثمانیہ

۱۳۳۹ھ — ۱۳۳۰ف — ۱۹۲۱ء

مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب میکملن کمپنی کی اجازت سے
جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں
طبع کی گئی ہے

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 456879
Date 28-5-03
SRINAGAR

942
ت 476 ل

فہرست مضامین

باب ہشتم

باب ہشتم

پیورٹینی انگلستان

جزو اوّل

فرقہ پیورٹین

۱۵۸۳ — ۱۶۰۳

{اس زمانہ کی کلیسائی تاریخ کے اہم واقعات کے متعلق اسٹرائپ کے "اخبار" (Annals) اور اسکی تصنیفات سوانح گرنڈل وہٹگفٹ دیکھنا چاہئے۔ نیل کی تاریخ پیورٹین (History of Puritans) قطع نظر اس سے کہ غلطیوں سے بھری ہوئی ہے اسمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے جسے اسٹرائپ نے صاف اور سادے طور پر بیان کردیا ہے۔ پرسبٹیرین تحریک کے آغاز کار کی بابت "مکالمہ در بارۂ مشکلات فرنیکفرٹ ۱۵۷۶ء (Discourse of the Troubles at Frank fort) کار آمد ہے۔ یہ کتاب بارہا شائع ہوچکی ہے۔ زمانۂ مابعد میں اس تحریک کے متعلق الیزبیتھ کی جانب سے جو مزاحمت پیش آئی اسکے نسبت مسٹر ماسکل کی "مارٹن مار پریلیٹ

(Martin Marprelate) کا مطالعہ کرنا چاہئے - اس کتاب میں ان نایاب رسالوں کے اقتباسات کثرت سے ہیں جو اس نام سے شائع ہوئے تھے - اس تمام جدو جہد کے متعلق "تاریخ دستوری" کے باب چہارم و ہفتم (Constitutional History) میں مسٹر ہیلم کی تحریرات اپنی وضاحت وسلاست و ناطرفداری کے لحاظ سے نہایت قابل قدر ہیں - فرقہ پیوریٹن کے روز مرہ کے زندگی کے حالات ویلنگٹن کے روزنامچے سے معلوم ہو سکتے ہیں اور اسکی اعلیٰ جانب کی کیفیت کرنل ہچین کی "یادگار" (مرتبہ مسٹر ہچین) اور ملٹن کی ابتدائی زندگی کے حالات (مصنفہ مسٹر میسن) سے واضح ہوتے ہیں -}

کتاب مقدس

الیزبیتھ کے وسط حکومت اور لانگ پارلیمنٹ (طویل العہد پارلیمنٹ) کے اجتماع کے درمیانی زمانے میں انگلستان میں جیسا وسیع اخلاقی تغیر واقع ہوا ایسا تغیر کبھی کسی قوم کے اخلاق میں واقع نہیں ہوا تھا - باشندگانِ انگلستان ایک کتاب پرست قوم بنگئے اور جس کتاب کی وہ پرستش کرتے تھے وہ کتاب "کتابِ مقدس" تھی - اسوقت تک انگریزی زبان میں یہی ایک کتاب تھی جس سے ہر انگریز مانوس تھا - گرجا ہو یا مکان دونوں جگہ یہی ایک کتاب پڑھی جاتی تھی - اور جن لوگوں کو پابندئی مراسم نے بےحس نہیں کردیا تھا ان کے دلوں میں اسکے الفاظ سے حیرت انگیز جوش پیدا ہو جاتا تھا - اسقف بانر نے جب پہلی مرتبہ کتب مقدس کی چھ جلدیں سنٹ پال کے گرجا میں رکھیں " تو بہت سے خوش مذاق لوگ کثرت کے ساتھ اسکے سننے کے لئے آنے لگے خاصکر جب کوئی خوش الحان پڑھنے والا ملجاتا" - ایک شخص جان پورٹر نامی اکثر اس نیک

کام کو کیا کرتا تھا جس سے خود اسے اور دوسروں کو حظ حاصل ہوتا تھا۔ پورٹر ایک نوجوان اور عظیم الجثہ شخص تھا اور اسکے سننے کیلئے بہت بڑا اژدحام ہو جاتا تھا۔ اسکی طرز قراءت بہت پسندیدہ اور اسکی آواز بہت صاف تھی۔ مگر اس نیک کام کیلئے زیادہ مدّت تک جان پورٹر کے سے لوگوں کی ضرورت نہیں رہی۔ عہد نامۂ قدیم و جدید کے اقتباسات خود گرجا کی معمولی عبادت میں سنائے جانے لگے اور جنیوا کی چھپی ہوئی چھوٹی چھوٹی جلدوں نے انجیل کو ہر گھر میں پہنچا دیا۔ کتاب مقدّس کی اس ہر دلعزیزی کے لئے مذہب کے علاوہ اور اسباب بھی تھے۔ وکلف کے از یاد رفتہ رسائل کے سوا انگلستان کے علم ادب میں نثر کا تمام حصّہ ٹنڈیل اور کورڈیل کے ترجمۂ اناجیل کے بعد پیدا ہوا ہے جہانتک عام قوم کا تعلق تھا جس زمانہ میں کتب مقدس کے گرجوں میں رکھے جانے کا حکم ہوا ہے اس زمانے میں نثر میں کوئی تاریخ یا کوئی قصّہ موجود نہ تھا اور نظم میں بھی چاسر کی غیر معروف نظموں کے سوا شاید ہی کوئی نظم انگریزی زبان میں موجود ہو۔ سنٹ پال کے گوشے میں ہر اتوار کو بلکہ ہر روز جو لوگ بانر کی کتب مقدس سننے کیلئے جمع ہوتے تھے یا جو لوگ گھروں کے اندر بہ نظر عبادت جنیوا کی چھپی ہوئی کتب مقدّس سننے کیلئے یکجا ہوتے تھے انمیں ایک نئے علم ادب سے ایک طرح کا تغیر رونما ہوتا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا بیشتر حصّہ ہر قسم کے علمی اثرات سے بالکل خالی الذہن تھا۔ اور ان کے دلوں پر جب کتب مقدّس کے قصص و اخبار، رجز و مزامیر، احکام سلطنت و سیر انبیا، رسولوں کے محکم فرامین، انجیل نویسوں کی

امثال و تشبیہات، ان کے تبلیغی سفروں کے قصّے، سمندر پر اور کفار کے درمیان ان کے مناظرات، فلسفیانہ استدلال، الہامی خواب وغیرہ کے بیانات کا پرتو پڑتا تھا تو اس اثر کو روکنے والی کوئی اور شئے نہیں ہوتی تھی۔ جسطرح یونانی علم ادب کے ذخائر کے شائع ہونے سے "نشاۃ جدیدہ" کا انقلاب واقع ہوا، اسی طرح اس عبرانی علم ادب کے قدیم تر مجموعے کی اشاعت سے "اصلاح" کا انقلاب رونما ہوا مگر اس انقلاب کا اثر سابق انقلاب سے زیادہ عمیق و وسیع تھا۔ یونان و روما کے مصنّفین کی قدر و منزلت لطف زبان کی وجہ سے بھی مگر اس مخصوص لطف زبان کو ترجمے کے ذریعہ سے کسی اور زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں تھا اسلئے قدما کا علم ادب صرف معدودے چند ذی علم افراد کے اندر محدود رہا اور ان پر بھی اسکا صرف ذہنی اثر پڑا۔ کالٹ، مور، یا وہ چند پر تصنّع اشخاص جنہوں نے فلورنس کی اکیڈمی..... (مجمع العلماء) کے باغات میں غیر عیسوی عبادت کا سامان مہیا کیا تھا، اس کلیّے سے مستثنیٰ تھے مگر الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتے تھے۔ بر خلاف ازیں عبرانی زبان اور یونانی محاورات کے ترجمے میں حیرت انگیز آسانیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ کتب مقدس کے انگریزی ترجمے کو اگر محض علمی نظر سے دیکھا جائے تو بھی وہ اس زمانے کی علمی یادگار کا بہترین نمونہ ہے، اور ہنگام اشاعت سے اسوقت تک اسکے مستقل استعمال نے اسے انگریزی زبان کا معیار بنادیا ہے مگر جس زمانے کا یہ ذکر ہے اس زمانے میں اسکا علمی اثر اسکے معاشرتی اثر سے گھٹا ہوا تھا۔ عام انگریزوں پر

اس کتاب کا اثر ہزارہا معمولی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا اور سب سے زیادہ اثر عام بولچال میں نمایاں تھا۔ ہمیں بالتکرار یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس علم ادب تک عام انگریزوں کا دسترس تھا وہ یہی ترجمہ تھا۔ اور جب ہم اس امر کا خیال کریں کہ شیکسپیر، ملٹن، ڈکنز، تھیکرے وغیرہ کے سے مصنّفین کے کلام کے کسقدر فقرے اور جملے بلا ارادہ اس زمانے کی عام بول چال میں ملگئے ہیں تو ہم اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ دو سو برس قبل کتاب مقدّس کے لفظوں اور فقروں نے انگریزی زبان میں کیسی گلکاریاں کی ہونگی۔ اسوقت جو استعارات وتشبیہات ہزاروں کتابوں سے لئے جاتے ہیں اس زمانے میں صرف ایک کتاب سے لئے جاتے تھے۔ ان کے اخذ کرنے میں بھی آسانی تھی کیونکہ عبرانی علم ادب نے ہر انداز خیال کے اظہار کا سامان مہیا کردیا تھا۔ اسپنسر نے ایپی تھالے میون (Epithalamion) میں جس موقع پر اظہار محبت کیلئے نہایت گرما گرم فقروں کا دریا بہا دیا ہے وہاں دلہن کے داخلے کیلئے دروازہ کھولنے کا حکم دیتے ہوئے اسنے وہی الفاظ استعمال کئے ہیں جو حضرت داؤدؑ نے استعمال کئے تھے۔ کرامول نے ڈنبار کی پہاڑیوں پر جب کُہر کو چھٹے ہوئے دیکھا تو شعاع آفتاب کا خیر مقدم حضرت داؤد ہی کے الفاظ میں کیا اور کہا کہ "خدا کو بلندی اور برتری حاصل ہو اور اسکے دشمن پریشان ہوں جسطرح دھواں فنا ہو جاتا ہے اسیطرح تو انہیں فنا کردیگا"۔ نبیوں اور رسولوں کے اس پر عظمت شاعرانہ تخئیل سے مانوس ہونیکی وجہ سے عام لوگوں کی طبیعتوں میں بھی

ایک طرح کی رفعت و زندہ دلی پیدا ہونے لگی تھی اور باوجود مبالغہ اور تصنّع کے اس زمانے کی طرز بیان آجکل کے رکیک سوقیانہ انداز کے بہ نسبت قابل ترجیح تھی۔

پیوریٹن لوگ

مگر کتاب مقدس کا اثر علم ادب اور معاشرت سے بدرجہا زیادہ عوام کے اخلاق پر پڑا۔ الیزبیتھ کیلئے یہ ممکن تھا کہ منبروں پر وعظ کا کہنا بند کردے یا ان مواعظ کیلئے خاص طریقہ مقرر کردے مگر یہ غیر ممکن تھا کہ وہ انصاف، رحم اور سچائی کے ان بلند رتبہ واعظین کو خاموش کردے یا انہیں اپنا ہمنوا بنالے جنکے بیانات اس کتاب میں موجود تھے جنکے اوراق خود اس نے اپنی قوم کیلئے کھول دئے تھے اس زمانے میں جسقدر اخلاقی اثر تمام مذہبی اخبارات، رسائل، مضامین، خطبات، واعظوں کے بیانات اور مواعظ سے پیدا ہوتا ہے اس زمانے میں اتناہی اثر صرف ایک کتاب مقدس سے پیدا ہوتا تھا۔ ہم جسقدر بیغرضانہ طور پر چاہیں اسپر نظر کریں، یہ اثر ہر حالت میں نہایت حیرت انگیز معلوم ہوگا۔ تمام انسانی افعال پر ایک ہی اثر غالب وحاوی تھا۔ اور زمانہ ماضی میں جسقدر مستعدی پیدا ہوی تھی وہ سب ایک معین جوشِ مذہبی کیلئے ایک مرکز پر مجتمع ومستحکم کردیگئی تھی۔ قوم کی ہر ایک طرز وادا سے یہ تغیر محسوس ہوتا تھا۔ انسان اور انسانی زندگی کا جو مقصد ابتک سمجھا جاتا تھا ان سب پر ایک نیا مقصد غالب آگیا تھا۔ ایک نئی اخلاقی ومذہبی تحریک ہر طبقے میں پھیل گئی تھی۔ علم ادب اسوقت کے عام میلان کا آئینہ تھا اور وعظ ومناظرے کی

چھوٹی چھوٹی کتابوں نے (جو ابتک پرانے کتبخانوں میں بھری ہوی ہیں) ادب القدما کے ترجموں اور "نشاۃ جدیدہ" کے اطالوی ناولوں کو نسیاً منسیا کردیا تھا۔ الیزبیتھ کے مرنے کے دوہی برس کے بعد گرِوڈیس نے لکھا تھا کہ "انگلستان میں دینیات کی حکومت ہے" سولھویں صدی کے علمائے عظام کے آخری شخص کاسؔوبونؔ کو جب شاہ جیمزؔ نے بلایا تو اسنے معاً یہ رائے قائم کردی کہ "بادشاہ و رعایا دونوں ادبیات کیطرف سے بے پروا ہیں"۔ وہ کہتا ہے کہ "انگلستان میں علمائے دینیات کی بڑی کثرت ہے اور سب اہل علم اسی جانب جھکے ہوئے ہیں"۔ دیہاتی کرنل ہچینس سے شخص کو بھی دینیات کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔ "تحصیل علم سے اپنی فطری قوت فہم کو ترقی دینے کے بعد ہی اسنے پہلا کام یہ کیا کہ مذہبی اصول کے مطالعے میں مشغول ہوگیا" اصل یہ ہے کہ تمام قوم ایک عام کلیسا بن گئی تھی، حیات و ممات کے مسائل جنکے شکوک شیکسپیر کے زمانے میں اعلیٰ دماغوں سے بھی حل نہو سکتے تھے، اب نہ صرف امرا و علما کی طرف سے پیش کئے جانے لگے بلکہ کسان و دوکاندار بھی انکے جوابات کیلئے زور دینے لگے۔ حق یہ ہے کہ ابتدائی پیوریٹنوں کو مردہ دل مذہبی مجنون سمجھنا کسی طرح روا نہیں۔ ابھی تک مذہبی تحریک کا تصادم عام تعلیم و تعلم سے نہیں ہوا تھا۔ در حقیقت الیزبیتھ کے دور حکومت کے ساتھ ساتھ اسکے زمانے کی مخصوص علمی آزادی بھی بتدریج ختم ہوگئی۔ وہ پر حیرت فلسفیانہ خیالات جنہیں سڈنی نے برونو سے

حاصل کیا تھا اور جنکی وجہ سے مارلو اور رالے پر دہریت کا
الزام لگایا تھا ملکہ کی مذہبی سہل انگاری کیطرح اسکے ساتھ ہی
ساتھ فنا ہو گئے مگر دور الیزبیتھ کی تعلیم کا نسبتہً آسان ولطیف حصہ
پیوریٹن معززین کی طبیعتوں کے بالکل موافق تھا۔ کرنل ہچینسن
شاہ کشوں میں شامل تھا مگر اسکا جو مرقع اسکی بیوی نے کھینچاہے
وہ نرمی اور رحمدلی میں وان ڈائک کی تصویر کی برابری کرتا ہے
اس مرقع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "زمانۂ شباب میں وہ اپنے
حسن و جمال میں ممتاز تھا اسکے دانت ہموار اور موتی کے مانند
آب دار تھے'۔ بال بھورے اور ایام جوانی میں بہت گھنے.... تھے
اور شانوں کے دونو جانب بڑے بڑے حلقوں میں چکر کھائے
ہوئے پڑے رہتے تھے۔ اہم معاملات میں اسکی طبیعت میں
نہایت سنجیدگی تھی مگر اوتھارپ کا یہ نوجوان اسکوائر' باز کے
شکار کا شایق اور رقص و سرود اور فنِ شمشیر بازی کا ماہر تھا،
اسکی طبیعت کے صنعتی مذاق کے ظاہر کرنے کیلئے یہ کافی ہے
کہ اسے مصوّری' سنگتراشی اور جملہ فنون لطیفہ سے ناقدانہ
محبت تھی" علاوہ بریں اسے اپنے باغوں کی زمین کو ترقی دینے
چمن لگانے' روشیں بنانے اور جنگلی درختوں کے نصب کرنے میں
خاص مسرت ہوتی تھی۔ جسطرح وہ انجیلوں کی تحقیق وتدقیق
میں جودت طبع دکھاتا تھا اسیطرح موسیقی سے بھی اسے بہت
الفت تھی اسمیں اسے بڑی مہارت تھی اور اکثر خیال بٹانے
کیلئے وہ ستار بجانے لگتا"۔ اس میں شک نہیں کہ الیزبیتھ کے

پیوریٹنیت اور خصائل انسانی

وقت کا سا جوش، اسوقت کی سی حرص وطمع، وسیع احساس و ہمدردی، مسرت کی زود اثری، باقی نہیں رہی تھی مگر اخلاقی عظمت، مردانگی کی وقعت اور انضباط و قوت مسادات کو ترقی حاصل ہوگئی تھی پیوریٹنوں کی طبیعتیں انصاف پسند، معزز وضابط ہوتی تھیں، اس زمانے میں زندگی کا عام انبساط جاتا رہا تھا مگر اسکے بجائے گھروں کے محدود حلقے میں زیادہ فرحت انگیزی پیدا ہوگئی تھی مسز ہچین اپنے شوہر کے متعلق لکھتی ہے کہ "دنیا میں ایک باپ جسقدر شفیق، ایک بھائی جسقدر محبتی، ایک آقا جسقدر مہربان، ایک دوست جسقدر وفا شعار ہوسکتا ہے، یہ سب خوبیاں اسمیں بدرجہ اتم موجود تھیں" "نشاۃ جدیدہ" کے جوش خود سری و بے پروای کے بجائے ایک طرح کی مردانہ وار پاکیزگی پیدا ہوگئی تھی" نو جوانی و سن رسیدگی کے کسی زمانے میں بھی خوبصورت سے خوبصورت اور دلفریب سے دلفریب عورت بھی مسز ہچین کو غیر ضروری اختلاط اور ناز ونیاز کیطرف مائل نہیں کرسکتی تھی۔ عقلمند اور نیک کردار عورتوں سے اسے محبت تھی اور انکے ساتھ ہر قسم کی پاک وصاف وبیغش گفتگو میں اسے لطف آتا تھا مگر یہ گفتگو اس قسم کی ہوتی تھی جسکی نسبت کسیطرح کا نازیبا گمان بھی نہ ہوسکے، مردوں کے درمیان میں بھی وہ فحش گفتگو سے احتراز کرتا تھا اور اگرچہ بعض وقت وہ دلگی ومذاق سے خوش ہوتا تھا مگر اس میں بھی وہ لغویات کی آلائش کا متحمل نہیں ہوتا تھا" ایک پیوریٹن کی نظر میں زندگی کا وہ لاابالی پن جسمیں "نشاۃ جدیدہ" کے لوگ سرمست رہتے تھے، اخلاق ومقصد حیات کے منافی معلوم ہوتا تھا۔

مطمح

انکا مطمح نظریہ تھا کہ وہ ضبط نفس پر قادر ہوں، اور اپنی ذات، اپنے خیال، اپنی گفتگو اور اپنے افعال پر قابو حاصل کرسکیں۔ وہ اپنے گرد وپیش کے لوگوں سے خفیف ترین جزئیات پر بھی جو گفتگو کرتے تھے اس سے بھی ایک طرح کے وقار وغور وفکر کا اظہار ہوتا تھا۔ انکے مزاج میں اگرچہ بالطبع تیزی ہوتی تھی مگر وہ اپنی طبیعت کو سختی کے ساتھ قابو میں رکھتے تھے۔ بات چیت میں وہ خاص طور پر یہ نگاہ رکھتے تھے کہ اس سے فضولی و یاوہ گوئی نہ ظاہر ہو۔ وہ سمجھ بوجھ کر بات کرتے اور اپنے الفاظ کو پہلے سے جانچ لینے کی کوشش کرتے۔ انکی زندگی معین ومنتظم تھی۔ وہ زیادہ خوری ولذات نفسانی سے محترز رہتے تھے۔ سویرے اٹھتے اور کبھی بیکار نہیں رہتے تھے اور نہ کسی اور کو بیکار دیکھنا پسند کرتے تھے۔ تبدیل وضع سے بھی ان کے اس نئے وقار وضبط نفس کا پتہ چلتا تھا۔ نشأۃِ جدیدہ کے زرق برق اور شوخ رنگ لباس اور زیورات متروک ہوگئے تھے۔ کرنل ہچیسن نے "بہت ہی ابتدائی زمانے میں ہر طرح کا قیمتی لباس پہننا ترک کردیا تھا۔ بایں ہمہ وہ اپنے نہایت ہی سادے اور لاابالی انداز میں بھی بہت ہی معزز معلوم ہوتا تھا" اسمیں شک نہیں کہ لباس کی رنگینی وتنوّع کے ترک کردینے کا اثر زندگی کے رنگینی وتنوّعات پر بھی پڑا مگر یہ نقصان ایسا تھا جسکی تلافی حقیقی فوائد سے ہوگئی۔ شاید ان فوائد میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ معاشرتی مساوات کا ایک نیا خیال پیدا ہوگیا پیوریٹنوں کے اشغال کی یکسانگی اور عیسائی مذہب کے بھائی چارے کی وجہ سے انکے

دلوں سے الزبتھ کے عہد کے معاشرتی امتیازات کی ہیئت زائل ہو گئی۔ ادنیٰ ترین کسان بھی یہ سمجھتا تھا کہ اسے خدا کی مخلوق ہونے کی عزت حاصل ہے، مغرور ترین امیر بھی ایک غریب ترین "ولی" کی روحانی مساوات کو تسلیم کرتا تھا۔ خانہ جنگی اور عہد "محافظت" کے دوران میں جو عظیم معاشرتی انقلاب رونما ہوا وہ ہچیسن کے سے معززین کے انداز میں پہلے ہی محسوس ہونے لگا تھا۔ ہچیسن غریب سے غریب شخص سے بھی نہایت خوش خلقی و محبت سے پیش آتا تھا اور اکثر اپنی فرصت کے اوقات عام سپاہیوں اور غریب مزدوروں کے درمیان بسر کرتا تھا۔ وہ کبھی ایک ادنیٰ شخص کو بھی حقیر نہیں سمجھتا تھا اور نہ بڑے سے بڑے شخص کی خوشامد کرتا تھا۔" امرا سے نیچے کے طبقے کو جو کام سپرد ہوا تھا خود اس کام کے احساس نے ان میں ایک نئی وقعت و خود داری پیدا کر دی تھی۔ ایسٹ چیپ کے ایک دباغ نیہے مایا ونگٹن کی ماں لندن میں رہتی تھی اس دباغ نے اپنی ماں کے متعلق لکھا...... ہے کہ" میری ماں اپنے باپ سے بہت محبت کرتی اور انکی نہایت فرمانبردار تھی۔ اپنے شوہر سے بھی الفت و شفقت سے پیش آتی۔ اپنے بچوں سے نہایت نرمدلی کا برتاؤ کرتی، اسے خدا پرستوں سے محبت اور بدکار اور مہمل آدمیوں سے بیحد نفرت تھی۔ لوگ اسے زہد و پارسائی کا ایک نمونہ سمجھتے تھے۔ گرجا میں جانے کے سوا وہ باہر بہت کم جاتی تھی۔ تعطیلوں اور دوسرے موقعوں پر جب اور لوگ تفریح کو جایا کرتے تھے وہ کچھ سینے پرونے کا کام لے بیٹھتی اور کہتی کہ" یہی میری تفریح ہے" خدا نے اسے

ایک معنی خیز ذہن اور عمدہ حافظہ عطا فرمایا تھا۔ کتب مقدس کے تمام قصے اسے یاد تھے اور شہیدوں کی تمام داستانیں بھی از بر تھیں۔ ضرورت کے وقت وہ انہیں بے تامل بیان کرسکتی تھی۔ اس نے وقائع انگریزی کو بھی اچھی طرح دیکھا تھا اور اس میں بھی اسے مہارت تھی۔ انگلستان کے تمام بادشاہوں کے ناموں سے بھی وہ پوری طرح آگاہ تھی۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ چار دن کم بیس برس زندگی بسر کی"۔

جان ملٹن

مذہبی تحریک کا زور طبقہ امرا کے بہ نسبت طبقہ متوسط اور کاروبار کرنے والوں میں زیادہ نمایاں تھا اور جن نئے موثرات کی وجہ سے اس زمانے کے لوگوں کی اخلاقی سطح بلند ہورہی تھی انکا کامل ترین اور شریف ترین نمونہ اس طبقۂ متوسط کے پیوریٹنوں میں پایا جاتا تھا۔ جان ملٹن طریق پیوریٹنی کا نہ صرف اعلیٰ ترین بلکہ کامل ترین نمونہ ہے۔ وہ اس طریق مذہب کا پورا پورا ہمعصر ہے۔ وہ

۱۶۰۸

اس زمانے میں پیدا ہوا جبکہ انگلستان کی سیاسیات اور انگلستان کے مذہب پر اس تحریک کا اثر قوی طور پر محسوس ہونے لگا تھا۔ اسکا انتقال اسوقت ہوا جبکہ تمام انگلستان کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش ختم ہوچکی تھی اور خود یہ تحریک ان متعدد موثرات کے اندر جذب ہوگئی تھی جنسے انگریزوں کے اخلاق و معاشرت کی موجودہ صورت قائم ہوئی ہے۔ اسکی اوائل عمر کی نظموں، اس کے سن رشد کے رسالوں اور اسکی پیرانہ سالی کی مثنویوں سے اسکی زندگی کے تین مختلف مدارج نہایت صاف طور پر نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔

اسکے عنفوان شباب کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ "نشاۃ جدیدہ" کی ذہنی جودت شاعرانہ راحت طلبی اور خوش طبعی ابھی کس حد تک پیورٹین خاندانوں میں باقی تھی۔ اسکا باپ باوجودیکہ روپیہ کا لین دین کرنے والا اور نہایت ضابطہ اور محتاط آدمی تھا مگر موسیقی کا بھی ماہر تھا اسلئے اسکے بیٹے کو بھی عود و بربط بجانے کی مہارت باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ ملٹن نے جب کچھ زمانہ بعد اپنی تعلیمی تجویز پیش کی تو اسمیں ایک جگہ نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں اس امر پر زور دیا کہ اخلاقی تربیت کیلئے موسیقی کو بھی ایک ذریعہ قرار دینا چاہیئے۔ اسکے اہل خاندان، اسکا معلم، اسکا مدرسہ سب کے سب پیورٹین تھے، مگر اسکی ابتدائی تعلیم و تربیت میں نہ کسی قسم کی نیک خیالی کو دخل تھا، نہ کوئی بات آزاد منشی کے خلاف پائی جاتی ہے وہ خود لکھتا ہے کہ "میں ابھی بچہ ہی تھا کہ میرے باپ نے مجھے کتب علیہ کے مطالعہ کی ہدایت کی اور میں نے اس ذوق شوق کے ساتھ اس پر توجہ کی کہ بارہ برس کی عمر سے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں آدھی رات سے پہلے اپنا سبق ختم کرکے بستر پر گیا ہوں۔" مدرسہ میں اسنے یونانی، لاطینی، اور عبرانی زبانیں سیکھی تھیں مگر اسکے ساہوکار باپ نے اُس سے اطالوی اور فرانسیسی سیکھنے کی بھی تحریک کی انگریزی علم ادب بھی مدنظر رہا سب سے پہلے اسکے شاعرانہ جذبات کو اسپنسر نے برانگیختہ کیا۔ باوجودیکہ ڈراما نویسوں اور اصحاب درہم میں جنگ جاری تھی، مگر ملٹن کے وقت تک یہ ممکن تھا کہ ایک پیورٹین نوجوان ایسے تھیئٹروں کی رغبت کو علی الاعلان آشکارا کرسکے

جہاں جانسن کے عالمانہ ڈرامے ہوتے ہوں یا خلاق المعانی شیکسپیر کے دیسی زبان کے ایکٹ دکھائے جاتے ہوں، اور دربار کی قدیم شان و شوکت اور عیش و عشرت کے حالات کو دیکھکر وہ خود اپنے کومس اور آرکیڈینز کیلئے سواد فراہم کرسکے۔ یہ نوجوان عالم "اس کماندار چھت کے نیچے، قدیم زمانے کے بھاری بھاری ستونوں کی قطار میں، پڑا پھرتا تھا جسکے بالائی حصے کی کھڑکیاں بہت ہی مزین و منقش تھیں، اور جسمیں ایک خفیف سی جھلک مذہب کی بھی پائی جاتی تھی، اور نیچے بہت صاف و بلند آواز میں ارغنون بجا کرتا تھا"۔ اس عالم سرخوشی میں اسے کلیسا کی آنیوالی کشمکش کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا تھا۔ زندگی کی یہ پر لطف دلچسپیاں اس پژمردگی اور درشتی کے بالکل منافی معلوم ہوتی ہیں جو زمانہ ما بعد میں جنگ و جدل اور دارو گیر کے باعث پیوریٹنوں کے مزاج میں پیدا ہوگئی تھیں۔ اس نوجوان شاعر کی طبیعت میں ایک گونہ حجاب ضرور تھا اور اسی وجہ سے وہ کھیل تماشے اور ہنسی مذاق سے جھجکتا تھا۔ اسے خود اپنی اس کمزوری کا اعتراف ہے مگر اسپر بھی وہ اپنے گرد و پیش کی خوش طبعی اور دلچسپی سے خاصی طور پر حظ حاصل کرتا اور اکثر فضولیات و لغویات تک میں بھی شریک ہوجاتا تھا۔ وہ عیش و عشرت کی محفلوں میں جاتا اور دیہاتوں کے میلوں میں جہاں نوعمر مرد و زن ستار بجاتے اور ناچتے کودتے تھے، گشت کرتا پھرتا تھا۔ لیکن کوئی اسے برا نہیں کہتا تھا۔ اسکے بشرے، اسکے پھرتیلے جسم، اس کے پر از نزاکت و متانت حسن، اسکی پیشانی پر بکھرے ہوئے چمک دار

بھورے بالوں سے کسی قسم کی زاہدانہ و مرتاضانہ کیفیت کا مطلقاً اظہار نہیں ہوتا تھا۔ اسکے جو فقرے اوپر نقل ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ہر ایک خوبصورت شئے سے حظ حاصل ہوتا تھا۔ لیکن یہ نوجوان پیورٹین نازیبا اور شہوانی لذتوں سے ہمیشہ دور بھاگتا تھا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "میری طبیعت کی سنجیدگی اور میری واجبی رعونت و خود بینی مجھے ہمیشہ اس قسم کے ذلیل لوگوں سے بلند رکھتی تھی"۔ اسپنسر کے مطالعہ سے اس میں فروسیت کا ایک خیالی جوش پیدا ہوگیا تھا مگر اس زمانے میں فروسیت کی وقعت جس ظاہری نمائش و لوازمے پر منحصر تھی ان سے وہ اپنے تقوی و تدین کیوجہ سے محترز رہتا تھا۔ اسی کا قول ہے کہ "اس قسم کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر ایک آزاد و شریف شخص کو پیدائش کے وقت سے ہی نائٹ سمجھنا چاہئے" اس طبیعت کے ساتھ وہ اپنے لندن کے مدرسے سنٹ پال سے کرائسٹس کالج کیمبرج کو گیا اور یونیورسٹی کے تمام زمانہ تعلیم میں اسکی طبیعت کا یہ انداز برقرار رہا۔ اسنے بعد میں لکھا ہے کہ جب اسنے کیمبرج کو چھوڑا تو کوئی اسکی بدگوئی نہیں کرتا تھا اور تمام اچھے لوگ اس سے خوش تھے۔ کیمبرج سے نکلنے کے بعد اسنے یہ عزم کرلیا کہ "اعلیٰ یا ادنیٰ جس کام کیطرف زمانہ اسکی رہبری کریگا اور جو خدا کی مرضی ہوگی وہ خود کو اس کام کیلئے وقف کردیگا"۔

زندگی کی اس قسم کی پر سکون و خاموش دلچسپی میں کبھی پیوریٹینوں کی طبیعت کی سختی کا پتا چلتا ہے۔ مقصد کی رفعت اور درستی اخلاق یہ

ملٹن کے اصول دینی

تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ "نشاۃ جدیدہ" کے لوگ جس قسم کے لذائذ انسانی سے خط حاصل کرتے تھے پیورٹین ان حقیقی مسرتوں سے محروم ہوگئے ملٹن لکھتا ہے کہ "اگر خدا نے کبھی پارسایانہ حسن کی قوی محبت کسی کے دل میں جاگزیں کی ہے تو میرے دل میں کی ہے" کومس کو وہ ان الفاظ پر ختم کرتا ہے کہ "نیکو کاری سے محبت کرو یہی ایک شئے ہے جو حقیقتہً آزاد ہے"۔ لیکن نیکو کاری اور پارسایانہ حسن کی محبت نے اگر انسان کے عادات واطوار کو تقویت دی تو اسکے ساتھ ہی ان چیزوں نے انسانی ہمدردی اور ذہانت کے دائرے کو تنگ کر دیا۔ اوپر کے حالات سے معلوم ہوچکا ہے کہ خود ملٹن کی طبیعت میں حجاب موجود تھا اور وہ اپنے گرد وپیش کی عامیانہ مبتذل زندگی سے نخوت کیساتھ کنارہ کش رہتا تھا۔ شیکسپیر کی تصانیف سے اسے نہایت الفت تھی مگر فالسٹاف کے قصّے سے اسے کسی قسم کی مسرت نہیں ہوتی تھی۔ پس جب ملٹن سے ذی علم کی یہ حالت تھی تو کم تعلیم یافتہ لوگوں میں اس قسم کی اخلاقی سختی کا نتیجہ اسکے سوا کیا ہوسکتا تھا کہ ہر قسم کی معاشرتی دلچسپیوں سے ان کی طبیعتوں میں تنفض پیدا ہوجائے۔ ایک معمولی پیورٹین بھی "انہیں چیزوں کو پسند کرتا تھا جنمیں دین کی جھلک ہوتی تھی، شیطنت اور ناپاکی سے اسے غایت درجہ نفرت رہتی تھی وہ عام بنی نوع انسان سے اپنا کسی قسم کا تعلق نہیں سمجھتا تھا بلکہ صرف ایک منتخب جماعت کو اپنی برادری میں داخل جانتا تھا۔ اپنے ولیوں کے حلقے کے باہر کی ساری دنیا سے اسے نفرت تھی کیونکہ وہ اپنے سوا

تمام لوگوں کو خدا کا دشمن تصور کرتا تھا"۔ پیوریٹنوں کی اندرونی نرم دلی
اور ان کے بیشتر ظاہری افعال کی سنگدلی باہم متضاد معلوم ہوتی تھی
مگر اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مذہب کے علاوہ اور تمام
چیزوں سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ کرامول اپنے لڑکے کی موت کے
متعلق خود کہتا ہے کہ "میرے دل میں ایک تیر پیوست ہوگیا"
اور اسی باعث جب لوگ مارسٹن مور کی فتح کی خوشیاں منا رہے
تھے وہ مغموم اور شکستہ خاطر گھوڑے پر سوار علٰحدہ جاکر ٹھیرا
مگر جب اسی کرامول نے بادشاہ کے حکمنامہ قتل پر دستخط کیے تو
وہ مارے خوشی کے اچھلنے لگا۔ جن لوگوں نے اسطرح پر اپنے
گردوپیش کی نصف دنیا سے اپنی ہمدردی کو منقطع کرلیا ہو، انسے
یہ توقع کب ہوسکتی ہے کہ انہیں خود اپنی زندگی کے تمام مدارج سے
دلچسپی ہوگی۔ انسان میں مزاح ایک ایسی صفت ہے جس سے کسی
خاص جانب کے مبالغہ وغلو کی خرابیاں بڑی حدتک کم ہو جاتی ہیں،
مگر زندگی کی اس نئی سختی و پابندی نے اس صفت کو بالکل ہی مردہ
کردیا تھا۔ ایک قادر مطلق کیطرف ہمہ تن رجوع ہو جانے کا اثر
یہ ہوا کہ عام معاملات میں توازن وتناسب کا احساس پیورٹینوں
سے یوماً فیوماً مفقود ہوتا گیا۔ مذہبی جوش میں انہیں رائی کا پہاڑ نظر
آنے لگا۔ یہ دیندار عید میلاد کے موقع پر سفید عبا پہننے یا سموسہ کھانے
سے ایسا ہی احتراز کرتے تھے جیسا نجاست و دروغ گوئی سے۔
جسقدر یہ غلوئے مذہبی بڑہتا گیا اسیقدر زندگی میں سختی وکرختی اور
بے کیفی پیدا ہوتی گئی۔ الیزبیتھ کے زمانے کے کھیل تماشے، ہنسی،

مذاق، اور خوش طبعی کے بجائے ایک طرح کی جنچی تلی متانت وخود داری پیدا ہوگئی تھی، مگر پیروان کالون کی یہ خود داری، ومتانت انکی زندگی کے خارجی ہی امور تک محدود تھی، باطنی طور پر وہ اکثر غیر مرئی اشیا کو ہیبت ناک حقیقت کا جامہ پہنا دیا کرتے تھے۔ اور اسکی ہیبت سے انکی عقل وفراست اور قوت فیصلہ اکثر مرعوب ہو جاتی تھی۔

آلیور کرامول
پیدائش ۱۵۹۹ع

آلیور کرامول جب پہلی بار ہماری نظروں کے سامنے آتا ہے تو اسکا طور وطریق قصبے کے ایک متوسط الحال دیہاتی نوجوان کا سا معلوم ہوتا ہے وہ ہنٹنگڈن اور سنٹ آیوز کے قرب وجوار میں ایک کاشتکار کی حیثیت سے رہتا تھا۔ وقتاً فوقتاً اسپر سخت رنج وغم کی حالت طاری ہو جاتی تھی اور وہ موت کے تصور سے پریشان ہو جاتا تھا۔ وہ ایک دوست کو لکھتا ہے کہ " مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں میٹنگ میں رہتا ہوں جسے لوگ " طول امل " سے تعبیر کرتے ہیں۔ یا شاید کیڈر میں رہتا ہوں جسکا مفہوم " ظلمات " کے مرادف ہے تاہم خداوند نے مجھے بالکل چھوڑ نہیں دیا ہے "۔ ان لوگوں پر خدائے پاک کے قرب کا خیال ایسا حاوی ہوگیا تھا کہ عام لوگوں کی طرز زندگی کو وہ مجسم گناہ سمجھتے تھے۔ کرامول اسی خط میں لکھتا ہے کہ " تمھیں معلوم ہے کہ میری طرز زندگی کیا رہی ہے، میں تاریکی میں زندگی بسر کرتا رہا ہوں، اسی سے الفت رکھتا تھا اور روشنی سے مجھے نفرت تھی، خدا کے احکام پر چلنا مجھے پسند نہ تھا "۔ لیکن بظن غالب اسکا بدترین گناہ یہ تھا کہ وہ نوجوانی کے طبعی انبساط سے حظ اٹھاتا تھا اور اس قسم کے عمیق غور وفکر میں

نہیں پڑتا تھا جو بالطبع زیادتی عمر کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ جن لوگوں کی طبیعتیں بنین کی طرح تخیل پسند تھیں ان میں اس کشمکش نے اور زیادہ خیالی صورت اختیار کر لی تھی۔ جان بنین مقام ایلسٹو واقع بڈفرڈشائر کے ایک غریب قلعی گر کا لڑکا تھا اور بچپن ہی سے بہشت و دوزخ کے پر خطر مناظر کا تصور اسکے ذہن میں جم گیا تھا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "جب میں صرف نو دس برس کا لڑکا تھا، اس وقت بھی ان خیالات سے میری روح کو ایسی پریشانی ہوتی تھی کہ کھیل کود اور بچپن کے ہنسی مذاق اور اپنے خوش طبع رفیقوں کے درمیان اکثر ان خیالات کی وجہ سے مغموم و پژمردہ ہو جایا کرتا تھا لیکن اس پر بھی میں اپنے گناہوں کو ترک نہیں کرتا تھا"۔ جن گناہوں کو وہ ترک نہیں کرتا تھا وہ صرف ہاکی کا شوق اور دیہات کے سبزہ زار پر ناچنا تھا۔ اسنے اپنے قصوروں کا خود نہایت سختی کیساتھ اعتراف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت ان دو باتوں کے علاوہ اسمیں صرف ایک یہ عادت اور تھی کہ وہ قسم کھایا کرتا تھا لیکن ایک بڈھی عورت کی نصیحت پر اسنے اس عادت کو یکلخت ترک کر دیا تھا۔ گھنٹہ بجانے کو اسنے ایک "لغو دستور" قرار دیکر ترک کر دیا تھا۔ مگر اسکا یہ شوق ہمیشہ باقی رہا۔ وہ کلیسا کے مینار کے نیچے جاکر گھنٹے کی طرف دیکھا کرتا تھا یہاں تک کہ اسکے دل میں یہ خوف پیدا ہو جاتا کہ مبادا میرے گناہوں کے باعث گھنٹہ ٹوٹ کر میرے اوپر گر پڑے اور میں اس کے نیچے

کھل جاؤں' اس خیال کے آتے ہی وہ نہایت پریشانی کے ساتھ دروازے سے نکل بھاگتا تھا۔ ناچ اور کھیل کود کے خلاف ایک وعظ کا اثر یہ ہوا کہ اسنے ان دلگیوں کو ترک کردیا مگر پھر شوق غالب آیا اور وہ اپنے عزم پر قائم نہ رہ سکا۔ وہ لکھتا ہے کہ "مینے وعظ کا اثر اپنے دل سے دور کردیا اور نہایت مسرت کے ساتھ کھیل اور شکار کی پرانی عادتوں کو اختیار کرلیا۔ لیکن اسیروز جب میں ایک بلی کے شکار میں مصروف تھا اور اس پر ایک چوٹ کرچکا تھا اور قریب تھا کہ دوسری چوٹ کروں کہ یکایک آسمان سے ایک آواز بجلی کی طرح سے میرے دل میں آئی کہ "آیا تو اپنے گناہوں کو چھوڑ کر بہشت میں جائے گا یا انہیں گناہوں میں مبتلا ہوکر دوزخ میں پڑیگا" اس آواز سے میں نہایت حیرت میں پڑ گیا۔ مینے بلی کو وہیں زمین پر چھوڑا اور خود آسمان کی طرف دیکھنے لگا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں اپنے دیدۂ دل سے خداوند یسوع مسیح کو دیکھ رہا ہوں کہ مجھسے بیحد ناراض ہیں اور میری اس قسم کی ناشایستہ حرکت پر مجھے سخت سرزنش کی دھمکی دیرہے ہیں"۔

فرقہ پرسبٹیرین

طریق پیوریٹنی کی جو کیفیت تھی وہ اوپر بیان ہوی ہے' بس اس امر کو ذہن نشین...... رکھنا بسا ضروری ہے کہ لوگ جو اس طریق کو اکثر طریق پرسبٹیرین میں خلط ملط کردیتے ہیں' یہ درست نہیں ہے۔ طریق پیوریٹنی اپنی ادنیٰ واعلیٰ ہر کیفیت میں پرسبٹیرینی طریقہ سے ایک بالکل علیحدہ شئے ہے۔ آگے چلکر معلوم ہوگا کہ "لانگ (طویل العہد) پارلیمنٹ کے سربرآوردہ پیوریٹنوں میں ایک بھی پرسبٹیرین نہیں تھا۔ پِم اور ہیمپڈن

کو اساقفہ کی حکومت پر کسی قسم کا اعتراض نہیں تھا اور پیوریٹن محبانِ وطن نے زمانۂ مابعد کی کشمکش میں محض سیاسی ضرورت سے مجبور ہوکر پرسبٹیرین طریقہ اختیار کرلیا تھا مگر جس تحریک نے ایک وقت میں تاریخ انگلستان پر اسقدر قوی اثر ڈالا تھا، اسکی نشو ونما کا زمانہ الیزبیتھ کے عہد کے عجیب وغریب واقعات میں سے ایک واقعہ تھا۔ کلیسا کے متعلق الیزبیتھ کی روش کی بنا "قانونہائے تفوق و اتحاد" پر تھی۔ پہلے قانون کی رو سے کلیسا کے تمام عدالتی و وضع قوانین کے اختیارات سلطنت کے ہاتھ میں آگئے تھے اور دوسرے قانون نے عقائد و آداب مذہب کیلئے ایک خاص طریقہ معین کر دیا تھا، جس سے انحراف قانوناً جائز نہیں تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ عام قوم کیلئے الیزبیتھ کا طریقہ ایک عاقلانہ ومفید طریقہ تھا، اگرچہ مدبرانِ سلطنت اور علمائے ربّانی میں سے کسی نے ملکہ کا ساتھ نہیں دیا مگر اسنے خود تنِ تنہا تمام متخاصم فرقوں میں ایک طرح کی عارضی صلح قائم کر رکھی تھی۔ جہاں "اصلاح" کے اہم اصول کو قبول کرلیا گیا تھا وہیں حد سے بڑھے ہوئے مصلحین کے جوش کو بھی روک دیا گیا تھا۔ کتاب مقدس ہر شخص کیلئے کھلی ہوی تھی۔ گھر کے اندر بحث ومباحثہ کرنے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی، مگر جماعت بندی کے ساتھ آپس کی زور آزمائی کو اسطرح پر بند کر دیا گیا تھا کہ صرف وہی لوگ وعظ کہنے کے مجاز تھے جنکے پاس سرکاری پروانہ ہو۔ ظاہری اتحاد عمل اور عام عبادت میں شریک ہونے پر ہر شخص مجبور تھا۔ لیکن مذہبی رسوم کی ان تبدیلیوں کی نہایت

سختی سے روک تھام کی جاتی تھی جنکے ذریعہ سے جنیوا کے جوشیلے مصلحوں نے ملک کے مذہبی تغیر کو نمایاں کردیا تھا۔ جس زمانے میں کہ انگلستان اپنی ہستی کے قائم رکھنے کیلئے جد وجہد کر رہا تھا اس زمانے میں ملکہ کی یہ معتدل روش قوم کی طبیعت کے بالکل موافق تھی مگر جب پوپ کے فرمان معزولی کے بعد کھلی کھلی مخاصمت شروع ہوگئی تو طریقہ پروٹیسٹنٹ کے علانیہ اظہار کی تحریک میں نئی قوت پیدا ہوگئی، لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ مصالحت کا طریق اگرچہ کمزور وبیکار ہوگیا تھا پھر بھی ملکہ سختی کے ساتھ اسی پر اڑی ہوی تھی۔ اپنے گرد و پیش کے ترقی پذیر مذہبی جوش سے اسے کسی قسم کی ہمدردی نہیں تھی، اسکی طبیعت اعتدال کی طرف مائل تھی اور اسکی غایت المرام صرف یہ تھی کہ ملکی نظم و نسق قائم رہے۔

کارٹرائٹ ۱۵۷۱

لیکن مذہبی متعصبوں کا جو گروہ پرسبیٹرین جھنڈے کے نیچے جمع ہوا تھا اسنے نظم و نسق اور اعتدال سبکو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ ٹامس کارٹرائٹ ان لوگوں کا سرگروہ تھا۔ اسنے جینوا میں تعلیم پائی تھی، اور طریقہ کالون اور اسکی قرار داوہ حکومت کلیسا کے متعلق اسکا اعتقاد جنون کی حد کو پہنچا ہوا تھا۔ انگلستان میں واپس آکر وہ کیمبرج میں مارگیرٹ کی پروفیسری دینیات کے عہدے پر مقرر ہوگیا اور اسے موقع ملگیا کہ اپنے خیالات کو پوری طرح شایع کرسکے۔ کسی فرقہ مذہبی کے مقتدی کے ساتھ زمانۂ مابعد میں ایسی کم ہمدردی کا اظہار نہ ہوا ہوگا جیسا کارٹرائٹ کے ساتھ ہوا۔ وہ بلاشبہ ایک عالم اور خدا ترس آدمی تھا مگر اسکا

تعصب ازمنۂ وسطیٰ کے حکام مذہبی کے تعصبات سے کسی طرح کم نہ تھا۔
قدیم طرز عبادت کے دستور، اصطباغ کی صلیب، واعظوں کی سفید
عبائیں، شادی کی انگوٹھی یہ سب ایسے رسوم تھے جنہیں وہ نہ صرف
عام پیوریٹنوں کی طرح ناپسند کرتا تھا بلکہ ان رسموں کو بت پرستی
اور بہیمیت کا نشان قرار دیتا تھا۔ لیکن رسومات اور وہم پرستی
کے خلاف اسکے اس شور و غل کا کوئی اثر الیزبیتھ اور اس کے اساقفہ
اعظم پر نہیں پڑتا تھا۔ انہیں جس خبر نے چونکایا وہ یہ تھی کہ کارٹرائٹ
ایک ایسی مذہبی حکومت کی تجویز پر زور دیتا تھا جسمیں سلطنت
کلیسا کے قدموں کے نیچے جا پڑے، اساقفہ کی مطلق العنان
حکومت کو وہ شیطان کا اختراع سمجھتا تھا۔ مگر اسکے ساتھ ہی
عام پادریوں کی مطلق العنان حکومت کو وہ خدا کے حکم سے قائم
کی ہوئی بتاتا تھا۔ جنیوا کی نئی طرز کلیسا کے لئے وہ ایسے
اختیارات کا دعویدار تھا جنہیں پوپ نے کبھی خواب میں بھی نہ
دیکھا ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ ہر قسم کا روحانی اختیار و اقتدار، عقاید
کا تعین، رسوم کی ترتیب کلیۃً کلیسا کے عمال کے ہاتھوں میں
دیدی جائے۔ اخلاق عامہ کی نگرانی بھی انہیں سے متعلق ہو
مختلف مدارج اور مجالس مذہبی کا ایک انتظام قائم ہو
جائے۔ اور اس ترتیب کے موافق پادری اپنے گلّے پر حکومت
کرنے، خود اپنے انتظام کو ترتیب دینے، معاملات مذہب کا فیصلہ کرنے
اور "تادیب" کے عمل میں لانے کے مجاز قرار پائیں۔ اخراج
ازملّت سزا کا آلہ ہونا چاہئے اور وہ اس آلہ کو کام میں لانے کیلئے

سوا حضرت عیسیٰؑ کے اور کسی کے جوابدہ نہ ہوں۔ ملکی حکمراں کا کام صرف یہ ہو.......کہ وہ پادریوں کے فیصلوں کا اجرا کرے اور "دیکھے کہ ان کے احکام پر عمل ہوتا ہے یا نہیں۔ اور عدول حکمی کرنے والوں کو سزا دے"۔ اس کالونی پرسبٹیرین طریقہ میں کسی دوسرے طریق عمل یا اعتقاد کی روا داری کیلئے مطلق گنجایش نہیں تھی۔ نہ صرف یہ کہ عام پادریوں کی حکومت کلیسا کی حکمرانی کی تنہا قانونی شکل قرار دیگئی تھی بلکہ اس کے نزدیک تمام دوسرے طریق حکمرانی (خواہ اسقفی یا انفرادیتی) نہایت بیرحمی کے ساتھ پامال کردیئے جانے چاہیئے۔ انحراف کیلئے موت کی سزا مقرر تھی۔ اس سے پہلے دار وگیر کے طریقے پر کبھی اس سختی کے ساتھ آنکھ بند کرکے زور نہیں دیا گیا تھا جیسا اس طریقے میں زور دیا جارہا تھا۔ کارٹرائٹ نے لکھا تھا کہ "میں اسکا منکر ہوں کہ توبہ.....کرنے پر کسی کو موت سے معافی دیدیجائے۔ اب مرتدین کو موت کے گھاٹ اتارنا ضروری ہے۔ اسے اگر خونریزی اور انتہا پسندی کہا جائے تو میں روح القدس کے سامنے اسکی جوابدہی کیلئے تیار ہوں"۔

ہکر ۱۵۹۴ — اس قسم کے خیالات کی بہترین تدبیر یہ تھی کہ انہیں خود قوم کے مذاق سلیم پر چھوڑ دیا جاتا، چنانچہ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ایک شخص پیدا ہوگیا جسنے ایک کتاب "نظام حکومت کلیسا" لکھکر ان خیالات کا نہایت ہی دنداں شکن جواب دیا۔ یہ شخص رچرڈ ہکر نامی ایک پادری تھا۔ وہ ٹمپل کا مدرس اعلیٰ تھا مگر وہاں کے مذہبی مناظرات سے اسے نفرت ہوگئی تھی اور اسلئے

وہ لنڈن کو چھوڑ کر باسکوم میں بحیثیت وکر کے چلا گیا۔ پھر کچھ دنوں
بعد کنٹ کے پرسکوں سبزہ زاروں کی رغبت کے باعث اس نے
اس جگہ کو بشپس بورن کے عہدہ پادری سے بدل لیا۔ اس میں
اپنے زمانے کے اعلیٰ طبقے کی سی وسیع خیالی۔ اور شیکسپیر و بیکن
کی سی فلسفیانہ جودت کے ساتھ ہی طرز بیان میں بھی کچھ ایسی
عظمت و شان تھی کہ اسکا شمار انگلستان کے نثر لکھنے والونکی
صف اول میں ہونے لگا۔ وہ اگرچہ فرقۂ مذہبی سے تعلق رکھتا
تھا مگر اسکا مزاج اور اسکا اندازِ بیان پادریوں کا سا نہیں، فلسفیوں کا
سا تھا۔ پرسبیٹرین اور کیتھولک کی مذہبی بحثوں کے بجائے اسنے
عقلی استدلال سے کام لیا۔ وہ اپنے نتائج افکار کیلئے انجیل کے
دلائل تک محدود نہیں رہا بلکہ اسنے اخلاقیات و سیاسیات کے
عام اصول پر اپنے دلائل کی بنا قرار دی یا یوں کہیئے کہ اسنے
اپنے استدلال کی بنا قانون فطرت کے ابدی اصول پر قائم کردی۔
پیوریٹنوں کا اصول یہ تھا کہ مذہب، عبادت، شعائر دین اور کلیسا
کی تنظیم و تادیب غرض جملہ معاملات میں انسانی افعال کے لئے
انجیل اور صرف انجیل میں قطعی طریقہ معین ہوچکا ہے۔ ہکر نے
اس امر پر زور دیا کہ خدا کی مقرر کردہ نظم و ترتیب صرف الہامی
کتابوں تک محدود نہیں ہے بلکہ انسان کے اخلاقی تعلقات، تاریخی
نشو و نما، معاشرتی و سیاسی تنظیمات میں بھی انکا وجود پایا جاتا ہے۔
اسنے یہ دعویٰ کیا کہ نہ صرف اس نظم و ترتیب کے قوانین کا
تعین عقل انسانی کی حد کے اندر ہے بلکہ عقل انسانی کا یہ بھی

کام ہے کہ خود کتب مقدس میں دیکھے کہ کون سے امور قابل تغیر اور کون سے ناقابل تغیر ہیں اور کون سے امور ابدی ہیں اور کون سے عارضی ہیں وہ نہایت آسانی سے یہ کرسکتا تھا کہ اپنے بیان کو ان مذہبی مباحث تک وسعت دے جنکے لئے پرسبٹیرین کی جانب سے کارٹرائٹ وغیرہ جنگ وجدل میں مصروف تھے، اور یہ ثابت کرے کہ کلیسا کی کوئی خاص شکل لازمی و لابدی نہیں ہے، عبادت کے طریقے ہر زمانہ میں مختلف کلیساؤں کی قوت تمیز کے تابع رہے ہیں اور اقتضائے زمانہ کے موافق انکا تعین ہوتا رہا ہے۔ لیکن اسنے جس صحیح اصول پر اپنی بحث کی بنا قرار دی تھی وہ فی نفسہ خود ان مباحث سے بدرجہا زیادہ قابل قدر ہے۔ یہ اعتراف کہ انسانی تاریخ میں ربانی نظم وترتیب اور عقل انسان کی رسائی ربانی قانون تک ہے۔ الیزبیتھ کے زمانے کے اعلیٰ ترین مذاق کے بالکل موافق تھا۔ درحقیقت طریق پرسبٹیرین کے خلاف کسی بحث کی مطلق ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس طریقے کو اسکاٹلینڈ میں ضرور قبول عام حاصل ہوگیا تھا مگر انگلستان میں اسے کبھی وسعت کے ساتھ قدم جمانے کا موقع نہیں ملا۔ وہ قومی مذہب ہو جانے کے بجائے اپنے آخر دم تک محض مذہبی حلقہ کے اندر محدود تھا "جمہوریت" کے زمانے میں وہ اپنے اوج کمال پر پہنچ گیا تھا مگر اس زمانے میں بھی لندن، لینکنشائر اور ڈاربی شائر کے بعض حصص کے سوا انگلستان میں عام طور پر اسے قبولیت نہیں حاصل ہوئی مگر کارٹرائٹ اور اسکی جماعت نے ایک حرکت

یہ کی کہ پارلیمنٹ کے نام ایک نہایت بے باکانہ "پندنامہ" روانہ کردیا جسیں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ پرسبٹیرینوں (پادریوں) کی حکومت قائم کردیجائے۔ اس سے انگلستان کے مدبران سلطنت اور مقتدایانِ دین میں ایک کھلبلی مچ گئی اور خاموشی کے ساتھ عقلی بحث ومباحثہ کرنے کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اگر کارٹرائٹ نے یہ طوفان نہ برپا کیا ہوتا تو رسومات کیطرف سے جو عام بیدلی پیدا ہورہی تھی وہ غالباً انکے مٹادینے کے لئے بجائے خود کافی تھی۔ ۱۵۷۱ء کی پارلیمنٹ نے نہ صرف قانون تفوق، حکومت کلیسا کی صورت موجودہ، کلیسا کے اختیار اور تعیّن رسومات کے متعلق پادریوں پر کسی قسم کی پابندی عاید کرنے سے انکار کردیا بلکہ اسنے اس تجویز کو بھی پسند کیا کہ کتاب ادعیہ میں سے توہّماتی طریقے خارج کردئے جائیں۔ لیکن "پندنامہ" کے شایع ہونے سے خیالات کا فطرتی ارتقا دفعتہً رک گیا جن اعتدال پسند مدبرین نے اس امر پر زور دیا تھا کہ طریق عبادت میں تغیّر کیا جائے وہ ایک ایسے فریق کے ساتھ متفق ہونے سے کنارہ کش ہوگئے جو پوپ کے بدترین دعاوی کو پھر تازہ کرنا چاہتا تھا۔ ملکہ کے اندرونی وبیرونی مشکلات بڑہتے جارہے تھے اور اس پریشانی کے عالم میں جب اسکے پادریوں میں پیوریٹنی طریق کو ترقی ہونے لگی تو اسکا غصہ حد سے تجاوز کرگیا اور اس عالم میں اسنے عام طریق عبادت سے اتفاق نہ کرنے والے پادریوں کے خلاف جو کارروائی کی وہ اسکے دور حکمرانی پر نہایت ہی بدنما دھبہ ہے۔

پندنامہ ۱۵۷۲ء

کلیسائی کمیشن

۱۵۸۳ء میں کلیسائی کمیشن کو جو نئے اختیارات دئے گئے اس سے مذہبی عارضی صلح کے بجائے ایک مذہب کو مطلق العنانی حاصل ہوگئی - یہ کمیشن اولاً ایک ہنگامی مجلس کی صورت میں تھا جسکا کام صرف یہ تھا کہ مذہبی معاملات میں شاہی تفوق کی نگہداشت کرے' اب اسے مستقل حیثیت سے قائم کرکے تاج کے...... جملہ مذہبی اختیارات اسے تفویض کردئے گئے - قانون تفوق کا نفاذ اور اس قانون کی قولاً و فعلاً..... خلاف ورزی کے روکنے کی تدابیر سب اسکے حیطۂ اقتدار میں آگئیں - اسے یہ بھی اختیار تھا کہ جس پادری کو چاہے اسکی جگہ سے علیحدہ کردے اور اسطرح تمام پادری بھی اسکے بس میں آگئے تھے - کالجوں اور اسکولوں کے قوانین کے تغیر وتبدل کا اختیار بھی اسے حاصل تھا - نہ صرف مذہب سے انحراف واختلاف اور عدم اتفاق بلکہ محارم کے ساتھ بدکاری اور علانیہ زنا کاری بھی اسکی گرفت سے باہر نہ تھین - اسکے ذرائع تحقیقات کی کوئی حد نہیں مقرر کیگئی تھی اور جرمانہ یا قید کی سزا دینا کلیتہً اسکی رائے پر منحصر تھا - محض اس عدالت کے قائم ہوجانے سے "اصلاح" کا آدھا کام برباد ہوگیا - اس مجلس میں عوام الناس کی کثرت کے باعث بظاہر یہ اطمینان تھا کہ کلیسائی ظلم وجور حد سے بڑھنے نہ پائے گا' لیکن پینتالیس ارکان میں سے صرف چندہی رکن اسکی کارروائیوں میں حصہ لیتے تھے - اور عملاً کمیشن کے اختیارات ہمیشہ اساقفہ اعظم کے ہاتھوں میں رہے - آگسٹین کے وقت سے کینٹربری کے کسی اسقف اعظم کو ایسے وسیع اور علی الاطلاق

اختیارات حاصل نہیں ہوئے تھے جیسے وٹگفٹ، بینکرافٹ، ایبٹ اور
لاڈ کو حاصل ہوگئے تھے۔ ان کے مذہبی ظلم وستم کا سب سے زیادہ
خطرناک پہلو یہ تھا کہ وہ اپنی شخصی رائے سے سب کچھ کرسکتے
تھے۔ عقاید کی قدیم صورتیں ناپدید ہوگئی تھیں اور قانون دانوں
کو ابھی عروج نہیں حاصل ہوا تھا کہ وہ پادریوں کی حفاظت کیلئے
نئے عقائد کے حدود کا تعین کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لیمبتھ کی کمیشن
کے اجلاس میں اساقفہ اعظم قانون کا کچھ لحاظ نہ کرتے اور عقاید
کی جانچ کیلئے جو معیار چاہتے مقرر کردیتے تھے۔ پارکر نے ایک
مرتبہ ایک پادری کو اسکی جگہ سے اس بناپر علحدہ کردیا کہ وہ
کتب مقدس کے لفظاً الہامی ہونے سے منکر تھا۔ اور اس کے
بعد کے اساقفہ بھی بصورت اختلاف اقوال زیادہ کردیتے نہ تھے
مگر وہٹگفٹ نے اپنے مرتب کردہ عقاید پر اس سختی کے ساتھ
زور دیا کہ گویا وہ تخلیق کائنات سے پہلے ہی لوح محفوظ پر
لکھے جاچکے تھے۔ جب بینکرافٹ کی نوبت آئی تو اسنے عقیدہ
کالون کے خلاف نہایت سختی کے ساتھ اس امر کے تسلیم کئے
جانے پر زور دیا کہ اساقفہ کو حکمرانی کا حق خدا کی جانب سے
حاصل ہے۔ ایبٹ نے مسئلہ تقدیر کے منکروں پر کبھی رحم نہیں
کیا۔ لاڈ اپنے کسی مخالف پر رحم کرنا جانتا ہی نہ تھا۔ پس کوئی
تعجب نہیں کہ یہ لوگ جب کلیسائی کمیشن کے قائم مقام تھے،
اس سے انگلستان کے پادریوں کے گلوہیں ایک پھندا لگ گیا،
لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تاج نے پہلے سے زیادہ

مستقل طرز عمل اختیار کرلیا تھا اور اس طرز عمل کی کامیابی کے لئے سخت کارروائیاں عمل میں آرہی تھیں۔ گھروں کے اندر کسی قسم کے وعظ کہنے اور مذہبی گیت سنانے کی ممانعت ہوگئی تھی اور باوجودیکہ پارلیمنٹ نے "عقائد ثلثہ" کے حلف کے قانونی نفاذ کو نامنظور کردیا تھا پھر بھی ہر ایک پادری سے بزور یہ حلف لیا جاتا تھا۔

طریق پیوریٹنی کی ترقی

بروقت یہ کارروائیاں اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہوئیں کارٹرائٹ کی تحریک رک گئی، بلکہ خود کارٹرائٹ پروفیسری سے ہٹا دیا گیا اور ہمیشہ کے مستقل دباؤ کیوجہ سے طریق عبادت کے ظاہری اتفاق میں، ترقی ہوگئی۔ لندن اور ملک کے دوسرے پروٹسٹنٹ حصوں میں جو آزادی مدت سے قائم تھی وہ اب باقی نہیں رہی تھی۔ جن ممتاز پادریوں کے "عدم اتفاق" سے ابتک چشم پوشی کی گئی تھی ان سے بھی عموماً سفید عبا پہننے اور اصطباغ میں صلیب کا نشان بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔ "عقائد ثلثہ" سے اتفاق نہ کرنے کے باعث دوسو نہایت اچھے پادری اپنی جگہ سے ہٹا دیئے گئے۔ دیہات کے شرفا نے اس کارروائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، خود لارڈ برلے نے اسپر اعتراض کیا مگر کسی کی کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ لیکن جن عقاید کو مٹانا منظور تھا ان میں اس تشدد سے نئی جان آگئی کیونکہ خیالات کی وہ دو مختلف راہیں جو ایک دوسرے سے بعید تھیں باہم قریب ہوگئیں۔ انضباط کلیسا کے متعلق پرسبٹیرین خیال کو صرف پادریوں نے اور ان میں بھی معدودے چند نے قبول کیا تھا مگر پیوریٹنوں کے

خیالات کو اہل مذہب اور دنیا دار سب نے یکساں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا تھا۔ پیوریٹنوں کا خیال یہ تھا کہ کتب ادعیہ میں اصلاح کیجائے تو ہماتی طریقوں کو ترک کردیا جائے۔ سفید عبا کا استعمال، اصطباغ میں صلیب کا نشان، شادی میں انگوٹھی کا دینا، عشائے ربانی کے دوران میں جھکنا یہ سب ناپسندیدہ کارروائیاں ہیں۔ الیزبتھ کے اوائل حکومت میں پارکر کے سوا خود کلیسا کے کم وبیش تمام اعلیٰ عہدہ داران باتوں کے مخالف تھے۔ مجلس مذہبی میں جب ان امور کے متروک کیے جانیکی تحریک پیش ہوی تو صرف ایک رائے کی زیادتی سے وہ نامنظور ہوئی۔ دیہات کے شرفا کے خیال کا آئینہ خود پارلیمنٹ تھی اور لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ملکہ کے لائق ترین مشیر برلے، والسنگھم، نولیز اس معاملہ میں ان شرفا کے ہم آہنگ ہیں۔ اس داروگیر کا اثر مذکورۂ بالا دونو خیالات کے لوگوں پر پڑ رہا تھا اور اگرچہ وہ بالکل متحد نہیں ہوگئے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ پیوریٹنوں کو عام طور پر پرسبٹیرین سے ہمدردی پیدا ہوگئی اور ایک مذہبی حلقے کے اندر محدود رہنے کے بجائے اب پرسبٹیرین بھی ایک عام پسند گروہ بن گئے۔ اس سے بڑھکر یہ ہوا کہ جن لوگوں نے عام عبادت میں حاضر ہونے سے اس بناپر کنارہ کشی شروع کردی تھی کہ انکے نزدیک کسی قومی کلیسا کا ہونا ہی خدا کی مرضی کے خلاف تھا انکی تعداد چند منتشر جوشیلوں سے بڑھ کر بیس ہزار نفوس تک پہنچ گئی۔ یہ علیحدگی پسند اپنے بانی رابرٹ براؤن کی وجہ سے براؤنی (یا پیروانِ براؤن) کہلاتے تھے

ان لوگوں سے جیسی نفرت الیزبیتھ کو تھی ویسی ہی پرسبیٹیرینوں اور پیوریٹنوں کو بھی تھی۔ پارلیمنٹ میں پیوریٹنوں کا غلبہ تھا، اسلئے ان کے خلاف ایک قانون نافذ کیا گیا، جسکی وجہ سے براؤن کو ندرلینڈز بھاگنا پڑا اور اسکے پیروں میں سے بہت سے لوگ وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے۔ انہیں گروہوں میں ایک گروہ کیلئے آئندہ ایسی عظیم الشان کامیابی مقدر تھی کہ لنکنشائر اور اسکے قرب وجوار کے ان غریب آدمیوں پر ایک نظر ڈالے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ۱۵۹۳

خدا کے الفاظ سے ان لوگوں کے دل منور ہوگئے تھے اور عقائد ثلثہ کے حلف پر مجبور کئے جانے سے ان لوگوں کو اپنی کوشش کا قدم آگے بڑھانا پڑا۔ یہ لوگ رسومات کو بت پرستی کے آثار سمجھتے اور اساقفہ کی حکومت کو مذہب کے خلاف بتاتے تھے۔ ان لوگوں نے خدا کے آزاد بندوں کی حیثیت سے کتاب مقدس کے اصول پر اپنی ایک مذہبی برادری قائم کرلی تھی"۔ آزادیٔ ضمیر کے عظیم الشان اصول نے ان کے حوصلے بلند کردئے تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ بہ حیثیت عیسائیوں کے انہیں یہ حق حاصل ہے کہ خدا کے ملک میں (جو اسوقت معلوم ہوچکے ہیں یا جو آئندہ معلوم ہوں) وہ جہاں چاہیں رہیں"۔ اپنے جلسوں (یعنی مذہبی جماعت) کی وجہ سے وہ بہت جلد قانون کی زد میں آگئے اور اس مختصر سے گروہ نے یہ عزم کرلیا وہ کسی دوسرے ملک میں جاکر پناہ لے، مگر ان کے ملک سے نکل جانے کی پہلی کوشش روک دیگئی اور جب انہوں نے دوبارہ کوشش کی تو عین جہاز پر سوار ہوتے وقت ان کے بیوی بچے

گرفتار کرلئے گئے۔ لیکن آخر کار حکام نے حقارت کے ساتھ انکی تجویز کو منظور کرلیا، اصل یہ ہے کہ وہ خود ان لوگوں سے کسی نہ کسی طرح اپنی جان چھوڑانا چاہتے تھے۔ ان تارکان وطن کو ایمسٹرڈم میں پناہ ملی، ان میں سے کچھ لوگوں نے جان رابنس کو اپنا پیشرو بناکر ۱۶۰۹ء میں مقام لئیڈن میں پناہ لی۔ "وہ اپنے کو زائر سمجھتے تھے اور وہ کسی آرام وآسایش کی زیادہ پروانہیں کرتے تھے، بلکہ وہ بہشت کو اپنا عزیز تریں وطن سمجھتے اور آسمان کی طرف آنکھ اٹھاکر اپنے دلوں کو تسلی دیتے تھے" جلا وطنوں کے اس مختصر گروہ میں وہ لوگ بھی تھے جو کچھ عرصہ بعد جہاز "مے فلوور" کے "آباء زائرین" کے نام سے مشہور ہونے والے تھے۔

مارٹن ماربریلیٹ

پیروانِ براؤن سے گلو خلاصی آسان تھی مگر تاج کی اس جدید روش کا سیاسی خطرہ اسقدر بڑھگیا تھا کہ خاندانِ ٹیوڈر کی تخت نشینی کے وقت سے کبھی ایسا خطرہ پیش نہیں آیا تھا۔ اس روش کے باعث لوگوں میں پرزور مقاومت کی روح پیدا ہوتی جاتی تھی۔ "مارٹن ماربریلیٹ کے مناقشے" کے نام سے جو کشمکش پیش آئی اسمیں رائے عام کو نمایاں غلبہ حاصل ہوگیا۔ پیوریٹنوں نے اوّل سے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ رسالوں کے ذریعہ سے بادشاہ کے متعلق لوگوں کے خیالات کو برانگیختہ کرتے تھے۔ وٹگفٹ نے مطابع کی ناطقہ بندی کی مگر اسکے اسی فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ ان رسالوں کا رائے عام پر اثر پڑ رہا تھا۔ مختلف حکومتوں نے یکے بعد دیگرے چھاپے کی آزادی کو روکنے کیلئے مدت دراز تک جو کوششیں کیں انکی

ابتداً قواعد اسٹار چمبر کی یادگار ہے۔ زمانۂ دراز سے یہ ہوتا آیا تھا کہ وقتاً فوقتاً چھاپے خانے پر احتساب کی بندش عاید کردیجاتی تھی مگر اسٹار چمبر نے اس احتساب کو بالاستقلال قائم کردیا۔ چھپائی کا کام لندن اور دونوں دارالعلوموں تک محدود کردیا گیا۔ چھاپنے والوں کی تعداد گھٹا دیگئی اور جو امیدوار اس کام کی اجازت حاصل کرنا چاہتے تھے وہ کتب فروشوں کی کمپنی کی نگرانی میں رکھے جاتے تھے۔ ہر ایک چھوٹے بڑے مطبوعات کیلئے لازمی تھا کہ اسقف اعظم یا اسقف لندن کی منظوری حاصل کیجائے۔ اشاعت کے اسطرح روکنے کا پہلا نتیجہ اسی سال ظاہر ہوا جس سال آرمیڈا نمودار ہوا، نہایت کثرت کے ساتھ گمنام رسالے "مارٹن مارپریلیٹ" کے نام سے شایع کئے گئے یہ رسالے ایک خفیہ چھاپے خانے میں طبع ہوتے تھے یہ چھاپہ خانہ دیہاتوں میں مختلف شرفا کے گھروں کے اندر گشت کرتا رہتا تھا، جہاں شاہی مخبروں کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔ آخر یہ چھاپہ خانہ ضبط کرلیا گیا اور دو شخصوں پر ان ہتک آمیز رسالوں کے لکھنے کا شک کیا گیا، ان میں سے ایک شخص ویلز کا ایک نوعمر پنری اور دوسرا ایک پادری اوڈال نامی تھا۔ پنری قید خانے میں مرگیا اور اوڈال کو پھانسی دیدیگئی۔ مگر اسکے کلام کا دلیرانہ انداز اور اسکا زہریلا اثر اپنا کام کرچکا تھا۔ الیزبیتھ کے طریق حکمرانی میں یہ ممکن نہیں تھا کہ اساقفہ کو بدنام کیا جائے اور صاحب تخت اس بدنامی سے بچ جائے۔ جب "مارٹن مارپریلیٹ" نے سیاسی و مذہبی مباحث کو عام کردیا تو سیاسی آزادی کے نئے دور کی

محسوس ہونے لگی۔ ان رسالوں کے ضبط کیے جانے سے پریسبیٹیرینوں کی ہمت ذرا بھی پست نہیں ہوی۔ لارڈ لیسٹر نے کارٹرائٹ کو وارک کے ایک شفا خانے کا مہتمم مقرر کر دیا تھا، اسکی جرأت اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ اسنے اس صوبے اور نارتھیمٹن کے پادریوں کی جماعت کو اپنے طریق پر ترتیب دیا۔ اس مثال کی نہایت کثرت کے ساتھ تقلید کیگئی اور انگلستان کے بیشتر حصوں میں مباحثے اور مشورت کی غرض سے پادریوں کی عام مجلسیں اور اسقفیوں یا ضلعوں کے پادریوں کی چھوٹی مجلسیں قائم ہوگئیں۔ پریسبیٹیرین پہلی قسم کی مجلسوں کو سائنوڈ (مجلس عمومی) اور دوسری کو کلاس (مجلس خصوص) کہتے تھے اگرچہ یہ نئی تنظیم بہت جلد دبا دی گئی۔ اور کارٹرائٹ، ٹریگمنٹ کے ہاتھوں جلا وطن ہونے سے صرف اطاعت کے وعدے کی بدولت بچا مگر اسکا اثر برابر بڑھتا جاتا تھا کچھ دنوں بعد یہ جدو جہد کارٹرائٹ وغیرہ کی حد سے گزر کر پارلیمنٹ کے اعلیٰ طبقے میں منتقل ہوگئی اور جیمز کے عہد حکومت میں اسنے آزادی کی کشمکش اور اسکے جانشین کے عہد میں خانہ جنگی کی صورت اختیار کرلی۔

جزو دوم

خاندان اسٹوارٹ کا پہلا بادشاہ

[اسناد۔ مسٹر گارڈنر کی "تاریخ انگلستان من ابتدائے جلوس جیمز اوّل ۱۶۰۳ء – ۱۶۴۳ء"

(History of England from the accession of James I)

انصاف پسندی اور معاملہ فہمی کے لحاظ سے نہایت قابل قدر ہے، اس میں جس قدر نئے معلومات جمع کئے گئے ہیں وہ بھی نہایت بیش قیمت ہیں۔ مصرحہ ذیل کتابیں اور تحریریں بھی موجود ہیں (۱) "اخبار جیمز اول" (Annals of James I) مصنفہ کیمڈن۔ (۲) "دربار جیمز اول" (Court of James I مصنفہ گُڈمین (۳) ویلڈن کی "خفیہ تاریخ دربار جیمز اول" (Secret History of the Court of James I) (۴) راجر کوک کا "تجسّس" (Detection) (۵) "کیبیلا کے مراسلات" (Correspondence in the "Caballa") (۶) "دربار وحالات جیمز اول" (Court and Fames of James I) کے بعض خطوط (۷) ونوڈ کی تصنیف "تذکرات سلطنت" (Memorials of State) کے سرکاری کاغذات اور (۸) آخری دو پارلیمنٹوں کی شایع کی ہوئی کارروائیاں کیمڈن سوسائٹی نے جیمز وسیل کے باہمی مراسلات اور والٹر ینگ کا "روزنامچہ" ("Diary") شایع کیا ہے۔ اس دور کے معاملات کے سمجھنے کے لئے بیکن کے خطوط وتصانیف بسا ضروری ہیں، مسٹر اسپڈنگ نے ان خطوں کو کامل طور پر ترتیب دیا ہے۔ ہیکٹ کی سوانح عمری "ولیمز" ("Life of Wiliams") اور ہرنگٹن کی "فکاہات قدیمہ" (Nugae Antiquae) سے اس زمانے کے متفرق سیاسی حالات پر قابل قدر روشنی

پڑتی ہے۔ لیکن خاندان اسٹوارٹ کا طریق حکمرانی کاغذات سرکاری ہی کے مطالعہ سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ ان کاغذات کی ترتیب دار فہرستیں ماسٹر آف دی رولز کی طرف سے شایع کیجا رہی ہیں } ان سرکاری کاغذات کا سلسلہ اب ۱۶۴۴ء تک پہنچ گیا ہے۔ اڈیٹر)

کیتھولک رجعت

انگلستان کے پروٹسٹنٹوں میں اب تین چوتھائی کے قریب لوگوں نے پیوریٹنی طریقہ اختیار کرلی تھی ان پیوریٹنوں کے انداز و اطوار اور انکی طرز عمل پر صحیح رائے قائم کرنے کیلئے لازمی ہے کہ عہد الیزبیتھ میں مذہب پروٹسٹنٹ کے نیک وبد پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔ اس عہد کے شروع میں تقریباً ہر جگہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ "اصلاح" کو قطعی ویقینی کامیابی ہوگئی ہے۔ صلح آوگسبرگ کے وقت اسے شمالی جرمنی میں پہلے ہی فتحمندی حاصل ہوچکی تھی اور اب وہ بہت سرعت کے ساتھ اس کے جنوبی حصص کو زیر کرنے کیلئے بڑھ رہی تھی۔ آسٹریا کے امرا اور بیویریا کے امرا وعوام دونوں قدیم مذہب کو چھوڑتے جاتے تھے۔ وینس کے ایک سفیر کا تخمینہ یہ تھا کہ جرمنی کی تمام آبادی میں کیتھولک دسویں حصّے سے کچھ ہی زیادہ ہونگے۔ یہ نیا مذہب اسکینڈینویا میں بھی مضبوطی کے ساتھ جم گیا تھا۔ شرقی جانب ہنگری وپولینڈ کے سارے کے سارے امرا پروٹسٹنٹ ہوگئے تھے مغرب میں فرانس یوماً فیوماً ارتداد کے سامنے پست ہوتا جاتا تھا اسکاٹلینڈ، میری کے دور حکومت میں مذہب کیتھولک کو خیرباد کہ چکا تھا

اور انگلستان الزبیتھ کے وقت میں پھر مذہب پروٹسٹنٹ کا شیدائی بن گیا تھا۔ اصلاح کا استیصال کامل صرف کیسٹیل، اراگان، اور اطالیہ وغیرہ میں ہوا جہاں اسپین کو پورا غلبہ حاصل تھا، مگر اسپین کے اس تمام تشدد سے بھی ندر لینڈ میں "اصلاح" کی اشاعت رک نہ سکی، لیکن عین اسوقت جبکہ "اصلاح" کی کامل فتحمندی آنکھوں کے سامنے نظر آرہی تھی، اس نئے مذہب کی رفتار ترقی یکایک رک گئی۔ الزبیتھ کی حکومت کے اول بیس برس تک تعطل کی حالت رہی۔ اس کے بعد مذہب پروٹسٹنٹ کی ترقی آہستہ آہستہ رک گئی، مذہبی مناظرات اور دار و گیر میں اسنے اپنی قوت کو ضایع کیا، علاوہ بریں پیروانِ لوتھر اور پیروانِ زونگلی یا کالون کے درمیان جو شدید مہلک مباحث چھڑ گئے تھے وہ بھی اسکی قوت کو تباہ کرنے کا باعث ہوئے۔ لوگوں نے "اصلاح" کو سیاسی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا لیا، جن جرمن شہزادوں نے اس تحریک کا ساتھ دیا تھا انہوں نے اسے اپنی حرص اور نالائقیوں کی کار برار ی کا آلہ سمجھ لیا۔ پولینڈ کے امرا میں فرقہ بندی اور قانون کی خلاف ورزی کا زور تھا، یہی حال فرانس کے ہیوگناٹ فرقہ کا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود مذہب پروٹسٹنٹ بتنزل وکمزور ہوگیا، ادھر یہ حال تھا، ادھر اس دوران میں مجلس ٹرنٹ کے ذریعہ سے پوپ نے ساری دنیا کے کیتھولکوں کو متحد کرلیا تھا۔ مدتوں کی سازگاری و کامیابی نے رومن کلیسا کو مختل وکمزور کردیا تھا مگر آخر اسے معلوم ہوگیا کہ برا وقت کسے کہتے ہیں اور اس سے کیونکر کام نکالنا چاہئے۔

رومن کلیسا کے عقاید منضبط و معین ہوگئے، پوپ کو ازسر نو اتحاد کیتھولک کا
مرکز تسلیم کرلیا گیا پروٹسٹنٹوں کے جوش و خروش نے ان کے مخالفین
میں بھی ویسا ہی جوش و خروش پیدا کردیا تھا۔ اقتضائے زمانہ کے
موافق نئے مذہبی فرقے پیدا ہوگئے تھے فرقہ کیپوچن کے لوگ مذہب
کیتھولک کے واعظ بن گئے تھے۔ فرقہ جزوئٹ کے لوگوں نے صرف
وعظ وپند پر اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے عوام کی ہدایت وتعلیم، مذہب
کی تبلیغ اور ایلچی گری کے خدمات بھی اپنے ذمہ لے لئے انکا باقاعدہ
نظم والضباط، انکی بے چون وچرا اطاعت انکی حقیقی قابلیت اورانکے
دیوانہ وار جوش نے وعظ ونصیحت، تعلیم وتعلّم اور توبہ واستغفار
میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس صدی کے شروع میں شہید
ہونا صرف پروٹسٹنٹوں کا حق ہوگیا تھا کیونکہ اس زمانے میں یہی لوگ
کیتھولکوں کے ظلم وستم کے شکار ہورہے تھے، مگر مریدان لویولا
کے میدان کار زار میں آتے ہی کیتھولکوں نے بھی جام شہادت
میں اپنا حصہ قائم کرلیا اور پروٹسٹنٹوں کے ہاتھوں شہید ہونے لگے
جن رسائل میں کیمپین اور ساؤتھویل کے مظالم کی تصویر کھینچی گئی
تھی ان سے طلیطلہ اور وائنا میں وہی جوش پیدا ہوگیا تھا جو کسی
زمانے میں فاکس کی تحریروں سے انگلستان میں نمودار ہوا تھا۔
علوم وفنون تک اس قدیم مذہب کے جانبدار بنگئے تھے۔ اس
زمانے کا سب سے بڑا مناظر بیلرمین اور کلیسائی مورخین میں سب
سے بڑا صاحب علم بیرونیس دونوں کے دونوں مذہب کیتھولک
کے پیرو تھے۔ پس طاقتوں کی اس عدم مساوات نے اگر

ہوا کا رخ بدلنا شروع کردیا تو اس میں تعجب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جنگ آرمیڈا کے چند برس پہلے سے مذہب کیتھولک قطعی طور پر زور پکڑتا جاتا تھا صوبہ بیویریا، پھر رومن کیتھولک ہوگیا تھا اور آسٹریا کا حکمران خاندان جو قبل ازیں مذہب کے معاملات میں سست خیال تھا، اب پورے جوش کے ساتھ مذہب کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا، اور اس طرح جرمنی کے جنوبی حصص میں مذہب کیتھولک کو دوبارہ زور حاصل ہوگیا تھا۔ پولینڈ میں سوسینس کے عقاید کے کامیاب ہوجانے کے باعث، اس سلطنت کو عام پروٹسٹنٹ کلیسا سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ اور خود اہل پروٹسٹنٹ میں عقیدہ قدا سس (Sacrament) اور مسئلہ قدر کے متعلق اختلافات اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ تمام کلیسا دو متخاصم گروہوں میں منقسم ہوگیا تھا۔ جزوئٹ ہر جگہ نئے لوگوں کو اپنے گروہ میں شامل کرتے جاتے تھے۔ اسپین کی فوجیں انکی باامن کامیابی کی پشت پناہ تھیں اس سخت کشاکش میں جواب پیدا ہوئی فلپ کو بلا شبہ ناکامی ہوئی۔ آرمیڈا کی شکست نے انگلستان کو بچالیا، ندرلینڈ کے صوبجات متحدہ اپنی پُراستقلال پامردی اور ولیم "خاموش" کی حسن تدبیر سے ایک زبردست پروٹسٹنٹ طاقت بن گئے۔ فرانس بھی ہنری (نوار) کی غیر مغلوب کوشش کے باعث، اتحاد کیتھولک کی زد میں آجانے سے عین اسوقت بچ نکلا جب اسکی مخلصی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ مگر اس پسپائی میں بھی مذہب کیتھولک نے کچھ نہ کچھ نفع حاصل کرلیا۔ ندرلینڈ میں

صوبجات ویلون، براماںٹ اور فلینڈرز سے "اصلاح" کے قدم اکھڑ گئے
فرانس میں ہنری چہارم کو مجبور ہوتا پڑا کہ کیتھولک ماس کے ذریعہ
سے پیرس پر قابو حاصل کرے۔ مگر بادشاہ کے اس تبدیل عقیدہ کے
باعث ہیوگناٹ فریق اندر ہی اندر بالکل شکستہ ہوگیا۔ امرا اور علماء
دونوں نے مذہب پروٹسٹنٹ کو خیر باد کہا اور اگرچہ دریائے لوار
کے جنوب میں اصلاح کا غلبہ بدستور قائم رہا مگر اسکے تمام فرانس پر
حاوی ہوجانے کی امید بالکل منقطع ہوگئی۔

پیوریٹنی طریق اور کلیسا

پس الیزبیتھ کے انتقال کے بعد انگلستان اور بیرونجات
ہرجگہ پر ہر ایک سچے پروٹسٹنٹ کی کیفیت اس شخص کی سی ہوگئی
تھی جو پہلے تو کامل فتح کی امید میں ہو اور پھر انقلاب حالات سے
مجبور ہوکر اسے ایک ذلیل اور ناقابل تلافی شکست سے دوچار
ہونا پڑے۔ تمام کلیسا کو اصلاح کے تحت میں لانے کا خیال بالکل
ہوا ہوگیا۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کے حدود یوماً فیوماً تنگ ہوتے گئے۔ اور
کہیں بھی پوپ کی کامیابیوں کے رکنے کے آثار نظر نہیں آتے
تھے۔ اس طرح تمام امیدوںکے یکے بعد دیگرے خاک میں ملتے
جانے سے پیوریٹنوں کے مزاجوں میں خشونت وسختی بڑھتی گئی۔
خود کلیسائے انگلستان کی غیر معین حالت اور لوگوں کے مذہب
پروٹسٹنٹ کو ترک کرتے جانے کے خیال نے اس خوف کو اور
زیادہ کردیا۔ جب اس عالم آشوب سے مذہب عیسوی کی نئی
دنیا نمایاں ہوی تو "نشاۃ جدیدہ" نے پھر اپنا رنگ جمانا شروع
کردیا۔ اسکا اثر سب سے زیادہ ہکر کی تصانیف میں نمایاں ہوا۔

اسنے معقولیت و انسانیت کی طرف جو توجہ دلائی تھی اس کے نتائج کلیسائے انگلستان کی تاریخ مابعد سے ظاہر ہوتے ہیں۔ دوسری جانب مورخانہ خیالات نے یہ رنگ دکھایا کہ موجودہ مذہب کی کڑی گزشتہ مذہب سے ملائی جانے لگی اور کیتھولک روایات میں حصّہ لینے کا حق ثابت کیا جانے لگا۔ جارج ہربرٹ کے سے لوگوں نے طریق پیوریٹنی کی خشک وسخت روحانیت کو ترک کر دیا اور مدّت ہائے دراز کے زہد و تقوی نے جو خارجی سامان وابستگی کے مہیّا کر دئے تھے، ان سے اپنی غذائے روحانی حاصل کرنے لگے مقدس مقامات متبرک اشیاء، گرجے، قربانگاہ کی تنہائی، عشاء ربّانی کے پرہیبت اسرار ان لوگوں کی دلچسپیوں کا ذریعہ بن گئے۔ لاڈ کے سے لوگوں کو انسان و خدا کے درمیان خالصتہً شخصی واسطہ قائم کرنے کے وہ اسباب نظر نہ آئے جنہیں کالون نے اپنے عقیدے کی بنا قرار دیا تھا، یہ لوگ اس خیال میں پڑ گئے کہ کلیسا ایک زندہ شئے ہے اور اگرچہ اسوقت اس میں انتشار پیدا ہوگیا ہے مگر بہت جلد قدیمی اتحاد قائم ہو جائے گا۔ ہکر نے معقولیت کی طرف جو توجہ دلائی تھی وہ بیکار نہیں گئی بلکہ ایک گروہ فلسفیانہ خیال کے لوگوں کا پیدا ہوگیا۔ ان متخاصم فرقوں کے شور و ہنگامہ میں ان فلسفیوں کی خاموش ترقی کا کسی کو کچھ احساس نہیں ہوا مگر زمانہ مابعد کے آزاد خیالوں کی طرح ان لوگوں کا ایک گہرا اثر مذہبی خیالات پر پڑنے والا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت تک اس تحریک معقولیت کا میدانِ عمل محدود تھا۔

ہائی چرچ کے پیرو

آرمینی فرقہ

اس کی کوشش صرف یہ تھی کہ اختلافات میں اعتدال اور آپس میں مصالحت پیدا ہو جائے کلکٹس کی طرح یہ لوگ بھی یہی کہتے تھے کہ مذہب کے مختلف فیہ امور بہت خفیف و حقیر ہیں اور متفق علیہ امور بہت ہی وسیع و اہم ہیں کالون اور اسکے متبعین کے بعض حد سے بڑھے ہوئے عقاید کی مخالفت میں یہ لوگ بھی ارہینس کے ہم آہنگ تھے۔ پیروان ہائی چرچ اور زمانہ مابعد کے آزاد خیالوں کے طبائع میں جسقدر اختلاف پایا جاتا ہے اس سے زیادہ اختلاف کوئی سے دو شخصوں کی طبیعت میں ہونا ممکن نہیں ہے۔ پہلے کا نمونہ لاڈ تھا اور دوسرے کا ہیلس، مگر انگلستان کے عام پروٹسٹنٹوں کو دونوں ہی سے نفرت تھی۔ ان کے نزدیک پوپ کے خلاف جد و جہد میں کسی قسم کی رعائت اور وسعتِ نظر کی گنجائش نہیں تھی۔ یہ جد و جہد روشنی و تاریکی اور زندگی و موت کی جد و جہد تھی۔ عقاید و عبادات کا کوئی نیا طریقہ جس میں رومہ کی طرف ذرا بھی میلان پایا جاتا ہو نظر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ کامیابی کی حالت میں جن رسوم سے یہ سمجھکر تعرض نہ کیا جاتا کہ ان سے کمزور بھائیوں کو تسلی حاصل ہوگی وہی رسمیں شکست کے وقت بغاوت و غداری سمجھی جانے لگیں۔ خطرہ اسقدر اہم تھا کہ رواداری و اعتدال کا ذکر ہی فضول تھا۔ جبکہ باطل کو قوت حاصل ہوتی جاتی تھی تو صداقت کی حفاظت کا یہی ایک ذریعہ باقی رہ گیا تھا کہ حق و باطل کے درمیان ایک سنگین حد قائم کردیجائے۔ اس وقت تک عام طور پر یہ خواہش نہیں پیدا ہوئی تھی کہ کلیسا کے

طریق حکومت یا سلطنت کے ساتھ اسکے تعلقات میں کوئی تغیّر کیا جائے بلکہ صرف طریق عبادت میں کسی قدر تغیّر مطلوب تھا تاکہ زیادہ ترقی یافتہ طریقۂ پروٹسٹنٹ سے اسے توافق حاصل ہوجائے۔ جیمز اوّل کی تخت نشینی کے وقت تقریباً آٹھ سو پادریوں نے ایک درخواست پیش کی تھی جسے میلینری پٹیشن (ہزاری معروضہ) کھتے ہیں، درخواست دہندوں کی تعداد کل سلطنت کے پادریوں کے دسویں حصّے کے برابر تھی۔ اس درخواست سے پیوریٹنی طرز صاف عیاں تھی۔ کلیسا کی حکومت یا اسکے نظم و نسق میں کسی قسم کے تغیّر کی خواہش نہیں کیگئی تھی بلکہ التجا یہ تھی کہ کلیسا کی عدالتوں کی اصلاح کی جائے، عام عبادت کی کتاب سے توہماتی باتیں نکال ڈالی جائیں، وہ غیر مستند کتابیں جنہیں رومنوں نے انجیل میں شامل کردیا ہے خارج کردی جائیں۔ اتوار کی حرمت کا زیادہ سختی کے ساتھ خیال رکھا جائے، واعظین کی تعلیم اور ان کے گزران کا انتظام کیا جائے۔ جن مدبّرین کو اپنے گردو پیش کے مذہبی جوش سے کم ہمدردی تھی انہوں نے بھی یہ چاہا کہ کلیسا کی اصلاحات کے ذریعہ سے مذہبی و قومی اتحاد حاصل کیا جائے۔ بیکن نے یہ سوال کیا کہ "کیا وجہ ہے کہ ملکی سلطنت کے رفع نقائص اور اس کی ترقی کیلئے ہر تیسرے برس پارلیمنٹ جمع ہوکر مفید و کار آمد قانون بنائے اور جیسے جیسے خرابیاں پیدا ہوتی جائیں ان کی رخنہ بندی کرے اور مذہبی سلطنت میں ہر طرح کی خرابیاں جمع ہوتی رہیں اور پینتالیس برس تک اس کی خبر نہ لیجائے"۔ درحقیقت

ہزاری معروضہ
۱۶۰۳

عام طور پر یہ اُمید پیدا ہوگئی تھی کہ اب ملکہ کے سدّ راہ نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ لیکن جیمز کا مذہبی انداز طبیعت اگرچہ الیزبیتھ کے خالص دنیاوی انداز سے بالکل مختلف تھا مگر کلیسا میں کسی قسم کے تغیّر کی مخالفت میں وہ ملکہ سے کم نہیں تھا۔

بادشاہوں کے حقوق منجانب اللہ

پلینٹجنٹ اور ٹیوڈر کے دورانِ حکومت میں انگلستان کے بادشاہوں کی نسبت جو عام خیال پیدا ہوگیا تھا جیمز اس کے بالکل ہی برعکس تھا۔ جس طرح وہ زیادہ گوئی، نخوت، عدم خودداری سفلہ پن، دلآزار گفتگو، علم نمائی اور قابل نفرت بزدلی، کے باعث باطناً ہنری اور الیزبیتھ سے مختلف تھا اسی طرح وہ اپنے بڑے سر اپنی لڑکھڑاتی ہوئی زبان، اپنے بھدے لباس، اپنی خمیدہ ٹانگوں کی وجہ سے بظاہر بھی ان سے مخالف تھا۔ لیکن اس ظاہری مضحکہ خیز حالت کے باوجود جیمز میں بہت بڑی فطرتی قابلیت موجود تھی وہ ایک پختہ مغز عالم تھا، جودت وطباعی اس میں کوٹ کوٹکر بھری ہوی تھی۔ مذاق اور حاضر جوابی اسکے خمیر میں داخل تھی۔ اسکے دل پذیر مذاق، چبھتے ہوئے فقروں، ضلع جگت اور ہجو ملیح سے اس زمانے کے سیاسی و مذہبی اختلافات کی کیفیت روشن ہوتی ہے۔ لوگ ان مذاقوں کی چاشنی سے اب تک لذت اندوز ہوتے ہیں۔ اس کی نظر خاصکر مذہبی مسائل میں نہایت وسیع تھی اور اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں جن میں مسئلہ تقدیر سے لیکر تنباکو تک کے مباحث موجود تھے مگر بالفاظ ہنری چہارم اس کی اس جودت و علمیت نے اسے

"تمام ممالک عیسوی میں سب سے زیادہ عقلمند بیوقوف" بنا دیا تھا۔ اسکی طبیعت ایک خود پسند عالم کی سی تھی اس قسم کے عالموں میں جس طرح خود نمائی، تبختر، نظریات سے الفت اور اپنے نظریات کو واقعات حقیقی کے صورت میں لانے کی عدم قابلیت پائی جاتی ہے وہی کیفیت جیمز کی تھی۔ اگر وہ اپنے مقالات کو صرف جادوگری مسئلہ تقدیر اور تنباکو نوشی کی کراہیت ہی تک محدود رکھتا تو تمام کام درست ہو گئے ہوتے، لیکن انگلستان اور جیمز کے جانشین کی بدقسمتی تھی کہ اسے ان مسائل سے زیادہ اصول حکمرانی کے متعلق اپنے خیالات کے ظاہر کرنے کا شوق تھا، یہی خیالات تھے جنہوں نے قوم و بادشاہ کے درمیان زندگی و موت کی جدو جہد کے بیج بوئے۔ تخت انگلستان پر متمکن ہونے کے قبل ہی وہ اپنے اصولِ حکمرانی کو ایک کتاب کی صورت میں، قلمبند کر چکا تھا، جسکا نام اسنے "آزاد شاہی کا صحیح قانون" رکھا تھا۔ اس کتاب میں اس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ 'اگرچہ ایک اچھے بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افعال کو قانون کے مطابق رکھے مگر وہ ایسا کرنے پر مجبور نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مرضی کا مختار ہے اور اسے اپنے افعال سے اپنی رعایا کیلئے مثال قائم کرنا چاہیئے" عہد ٹیوڈر کے مدبرین جب "مطلق العنان بادشاہ" یا "مطلق العنان بادشاہی" کے الفاظ استعمال کرتے تھے تو انکی مراد یہ ہوتی تھی کہ وہ بادشاہت یا وہ سلطنت فی نفسہ مکمل ہے اور ہر طرحکی خارجی مداخلت یا پوپ کی دست اندازی سے آزاد ہے۔ جیمز نے

ان الفاظ کا یہ مفہوم قرار دیا کہ بادشاہ قانون کی تمام قیود سے
آزاد ہے اور وہ خود اپنے سوا کسی کا جوابدہ نہیں ہے۔ بادشاہ
کا یہی نظریہ نظام حکومت کی بنا قرار پایا گیا اور "بادشاہوں کے
حقوق من جانب اللہ" کے نام سے یہ ایک ایسا مسئلہ ہوگیا جسکا
اساقفہ نے منبروں پر وعظ شروع کردیا اور بہت سے جری
اشخاص نے اس کے لئے اپنے سر دیدئے۔ کلیسا نے بادشاہ
کے اس انکشاف جدید کو بہت جلد قبول کرلیا۔ کلیسائی مجلس ۱۶۰۶
نے کتاب عقاید میں اس دعوے کو باطل قرار دیا کہ "انتظامی
طاقت، عدالتی قوت اور جملہ اختیارات اولاً رعایا کے بے سروپا
گروہ سے حاصل کئے گئے تھے اور فی الاصل یہ قوت ابتک
رعایا میں موجود اور فطرۃً انہیں کی مرضی کے تابع ہے۔ نیز یہ کہ
اس قوت کی ابتدا بحکم خداوندی خداہی کی ذات سے ہوئی ہے
اور اس کا انحصار اسی کی ذات پر ہے" جیمز کے نظریہ کے موافق
ان علما نے یہ اعلان کردیا کہ بادشاہت دراصل ایک موروثی
حق ہے اور بادشاہ کے حکم کی بے چون و چرا اطاعت مذہبی
فرائض میں داخل ہے"۔ ان مجالس مذہبی کے اس طرح اظہار خیال
کرنے کے بعد کاول نامی ایک شخص نے علی الاعلان یہ
شایع کیا کہ "بادشاہ اپنے اختیار مطلق کے باعث قانون سے بالاتر
ہے اور اگر کسی قانون کو وہ مفاد عامہ کے لئے مضر سمجھے
تو باوجود اپنی پہلی قسم کے وہ اسمیں ترمیم و تنسیخ کرسکتا ہے"۔
دارالعوام کے اعتراض کرنے سے اس کتاب کی اشاعت

روک دی گئی مگر بے چون وچرا اطاعت کے حامیوں کو اس سے
بہت تقویت حاصل ہوگئی۔ جیمز کے انتقال کے چند برس پہلے ۱۶۱۰
دارالعلوم اکسفورڈ نے نہایت سنجیدگی سے یہ فیصلہ کیا کہ رعایا
کیلئے کسی صورت میں جائز نہیں ہے کہ اپنے حکمرانوں کے خلاف
طاقت کا استعمال کرے یا جارحانہ و مدافعانہ کسی طور سے انکا
مقابلہ کرے" بادشاہ کی پر"از نخوت تقریرین اگرچہ خود پارلیمنٹ
کے لئے غصہ پیدا کرنے کا موجب ہوتی تھیں مگر ایک ہی بات کو
اسقدر علی التواتر بیان کرنے کا اثر پارلیمنٹ سے باہر یہ ہوتا تھا
کہ بادشاہ کی مطلق العنانی کا یقین قوی ہوتا جاتا تھا۔ ان تقریروںکے
لب ولہجہ کا اندازہ کرنے کے لئے ہم اسٹار چمبر کی ایک تقریر کا
کچھ اقتباس درج کرتے ہیں۔ جیمز نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ
"جسطرح اس امر میں بحث کرنا کہ خدا کیا کرسکتا ہے اور کیا نہیں
کرسکتا دہریت اور سوئے ادب ہے اسیطرح اس امر میں بحث
کرنا کہ بادشاہ فلاں کام کرسکتا ہے اور فلاں کام نہیں کرسکتا رعایا
کی گستاخی اور بادشاہ کی سخت توہین ہے" ایسی تقریروں کے
متعلق ایک مرتبہ ایک ذی فہم مبصر نے یہ رائے دی تھی
کہ"اگر ان خیالات پر عمل بھی ہونے لگے تو غالباً ہم اپنے اخلاف
کیلئے اسقدر آزادی ورثے میں نہ چھوڑ جائینگے جس قدر ہمنے
اپنے اسلاف سے ورثے میں پائی ہے"۔

تاج اور اساقفہ

پہلی نظر میں پارلیمنٹ کی جن بعض کارروائیوں کا انداز گستاخانہ
معلوم ہوتا ہے اگر ہم ان کے نسبت صحیح رائے قائم کرنا چاہیں تو

ہیں لازم ہے کہ جیمز کے تمام دور حکومت میں اس کی اس متکبرانہ روش کا بھی پوری طرح اندازہ کریں، اس قسم کے نئے دعاوی کے مقابلہ میں ساکت و صامت رہنا کلیسا و قوم کو تباہ کرنا تھا۔ یہ دعویٰ فی نفسہ بھی ایسا تھا کہ اس زمانے کے تمام شریف ترین خیالات کے خلاف تھا، لوگ ہر جگہ قانون کے مفہوم کو وسعت دے رہے تھے۔ بیکن نے مادی اشیا میں قانون کا پتہ لگایا۔ ہکر نے روحانی عالم میں قانون کی موجودگی کا دعویٰ کیا طریق پیورٹینی کی خصوصیات میں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت قانون پرستی تھی۔ جس استقلال اور وقتِ نظر سے انہوں نے انجیلوں کی چھان بین کی اس کی غرض یہی تھی کہ ہر چھوٹے بڑے امر کے متعلق انہیں "خدا کی مرضی" معلوم ہو جائے تاکہ وہ بے رد و کد اسی کی پیروی کریں۔ لیکن یہ انتہا کی اطاعت شعاری صرف خدائی احکام تک محدود تھی۔ دنیاوی احکام کو وہ وہیں تک تسلیم کرتے تھے جہاں تک وہ الہامی قانون کے موافق ہوں۔ پیورٹین اپنے مذہب کے رو سے اس امر پر مجبور تھے کہ جب موجود الوقت طاقت کیجانب سے ان سے کسی قسم کی ملکی یا مذہبی اطاعت کیلئے کہا جائے تو وہ اس مطالبہ کی پوری طرح جانچ کریں اور اطاعت خدا کا جو اعلیٰ فرض ان پر عاید ہے اس کو مدنظر رکھ کر اس مطالبہ کو منظور یا نامنظور کریں مسز ہچینسن اپنے شوہر کی نسبت لکھتی ہے کہ "مذہب کے معاملہ میں وہ ہمیشہ عقل کو خدا کے تابع کر دیتے تھے مگر اور تمام معاملات میں دنیا کے بڑے سے بڑے شخص کا نام بھی ان کو بغیر سمجھے ہوئے

کسی کام کے کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا تھا" صاف ظاہر ہے کہ اس مزاج کے لوگوں میں اور جیمز جس بے چون وچرا اطاعت کا خواہاں تھا اسکے ماننے والوں میں ایک ناقابل عبور خلیج حایل تھی - یہ لوگ نہ صرف ہر کام کیلئے کسی نہ کسی قانون کے جویا تھے بلکہ اس معالہ میں انہیں نہایت غلو تھا اور اپنے اخلاقی ضبط و ترتیب کے باعث وہ کسی جابر کی بیضابطگی و بدنظمی کے روادار نہیں ہو سکتے تھے - انکی کیفیت یہ تھی کہ وہ ہر ایک امر کی تنقید اور اس پر محاکمہ کرتے اور ضرورت ہو تو عزم و استقلال کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کیلئے بھی تیار رہتے تھے، مگر مقابلہ کے اس خیال کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ صاحب اختیار کو حقیر سمجھتے تھے بلکہ انکا یہ اعتقاد تھا کہ وہ بادشاہوں سے بھی ایک بالاتر قوت کے مطیع ہیں - اگرچہ یہ یقین تھا کہ بادشاہوں کے اس حقوق منجانب اللہ کے نظریہ کی مخالفت میں پیوریٹنوں کے تمام شریفانہ جذبات برانگیختہ ہو جائیں گے مگر اس نظریہ کے سوا ایک اور شئے بھی تھی جسنے ان کی مقاومت کی حس کو اور تیز کر دیا تھا - جیمز نے اساقفہ کی قدر و منزلت جس طرح پر بڑھائی تھی اس سے اس احساس مقاومت میں زیادہ تیزی پیدا ہوگئی تھی - الیزبیتھ نے مذہبی تفوق کو جس رنگ میں دیکھا وہ اس کی رعایا کیلئے سنگ راہ بن گیا تھا، بایں ہمہ الیزبیتھ اس تفوق مذہبی کو اپنے عام حقوق شاہی کا محض ایک جزو تصور کرتی تھی لیکن جیمز کا خیال اس معاملہ میں بھی الیزبیتھ کے خیال سے اسیقدر مختلف تھا جس قدر

اصول حکومت کی نسبت ان دونوں کے خیالات میں فرق تھا۔ جیمز کا نظریہ برسوں کی اس ذلت کا نتیجہ تھا جو اسے اسکاٹلینڈ میں پریسبیٹرین کشمکش کے دوران میں برداشت کرنا پڑی تھی۔ اسکاٹلینڈ کے پریسبیٹرینوں نے اسکے اوائل عہد میں اس کی توہین اور تخویف میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ پس جیمز نے طریق پیوریٹینی کو بھی پریسبیٹرینی کے مثل سمجھ لیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرز عمل کیلئے کسی سابقہ تعصب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ بالکل اصول منطق کے عین مطابق تھا اور جن مقدمات سے اسنے ابتدا کی تھی یہ طریق عمل اسکا لازمی نتیجہ اور اسکے عین موافق تھا۔ جہاں وہ مسائل دینیات میں کالون کا ہمخیال تھا۔ وہیں وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ کالون نے کلیسا کی جو عمارت بلند کی ہے، اسکا جو نظم ونسق قرار دیا ہے، اسکے لئے جس طرح سالانہ اجتماع مقرر کیا ہے اور اسکے مذہبی وعظوں میں حکومت کے افعال کے متعلق جسطرح آزادانہ بحث وگفتگو روا رکھی ہے، ان باتوں نے اس طریقہ مذہب کو بجائے خود ایک منتظم جمہوریت بنا دیا ہے اور وہ تاج کیلئے خطرے کا باعث ہے۔ جس نئی طاقت نے اسکاٹلینڈ میں حکومت مذہبی کو الٹ دیا تھا وہ طاقت خود بادشاہت کو بھی زیر وزبر کرسکتی تھی۔ مذہبی رنگ میں ہو یا سیاسی رنگ میں مگر عوام الناس ہی کی جانب سے ان دونوں پر حملے ہوتے تھے اور چونکہ دشمن واحد تھا اسلئے جیمز نے اپنی قومی کوتاہ نظری کے باعث یہ رائے قائم کرلی تھی کہ کلیسا وسلطنت کا مقصد متحد تھا۔ اسکا یہ مقولہ مشہور ہے کہ "اسقف نہ ہو تو بادشاہ بھی نہیں ہوسکتا" ایک ایسے بادشاہ سے

کسی مذہبی اصلاح کی کیا توقع ہوسکتی تھی جسے انگلستان کی تمام دلفریبیوں میں سب سے زیادہ یہ امر پسند آیا کہ وہاں کا کلیسا ایک منتظم و مطیع کلیسا ہے، کلیسائی مجلسیں بادشاہ کی مرضی سے منعقد ہوتی ہیں، کلیسائی عدالتیں بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کرتی ہیں اور اسکے اساقفہ خود کو شاہی عہدہ دار سمجھتے ہیں۔ جیمز نے اگر "ہزاری معروضہ" کو قبول کرلیا اور مقتدایان دین اور سربرآوردہ پیوریٹنوں کی ایک کانفرس بمقام ہیمپٹن کورٹ طلب کی تو اس سے اسکا مقصود ان شکایات پر بحث کرنا نہیں تھا بلکہ اسنے اس موقع کو اپنے معلومات دینی کے اظہار کا ذریعۂ بنایا اور پیوریٹنوں کے مطالبات پر بالکل سیاسی حیثیت سے نظر ڈالی۔ اساقفہ نے یہ ظاہر کیا کہ اس نے اپنے مخالفین کو جن ملامتوں کا نشانہ بنایا ہے وہ روح القدس کے القا کئے ہوئے تھے۔ پیوریٹنوں نے اسکی معصومیت کی نسبت اب بھی بحث کرنا چاہی مگر جیمز نے دھمکی دیکر مجلس کو برخاست کردیا جس سے اس کا طرز عمل صاف ظاہر ہوگیا معترضین کی نسبت اسنے یہ کہا کہ "میں انہیں موافقت پر مجبور کرونگا ورنہ انہیں اسقدر پریشان کرونگا کہ وہ ملک سے نکل بھاگیں گے"۔

ہیمپٹن کورٹ کانفرس ۱۶۰۴

تاج اور پارلیمنٹ

جیمز کے تمام دوران حکومت میں پارلیمنٹ کے ساتھ جو طولانی پرخاش جاری رہی اسکے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ مذہبی و ملکی معاملات کے متعلق قوم کا میلان طبیعت اور بادشاہ کی افتاد مزاج کو بخوبی سمجھ لیا جائے۔ اس پرخاش کے جزئیات کو قابل فہم بنانے کیلئے ہمیں بادشاہ اور ایوانہائے پارلیمنٹ کے تعلقات پر ایک سرسری

نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ عہد ٹیوڈر میں اگرچہ پارلیمنٹ کی وقعت گھٹ گئی تھی مگر وولزی نے اپنی دانشمندانہ پیش بینی سے یہ سمجھ لیا تھاکہ پارلیمنٹ ہی قدیم آزادی کی یادگار ہے اور ہنری جس قسم کی مطلق العنانی قائم کرنے کے درپے ہے اگر کسی وقت قوم اسکی مخالفت پر آمادہ ہوی تو پارلیمنٹ ہی اسکی مخالفت کا مرکز ہوگئی۔ انگلستان کی آزادی کیلئے کبھی اِس سے زیادہ خطرناک وقت پیش نہیں آیا تھا جبکہ وولزی اس امر پر تلا ہوا تھاکہ دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کو عملاً کالعدم کردے مگر کرامول کی جرائت وقابلیت اسقدر بڑھی ہوی تھی کہ اسنے شاہی جدید کی روایات کو بالائے طاق رکھدیا۔ اسے تاج کی قوت پر پورا اعتماد تھا اسلئے اسنے پارلیمنٹ کے اجلاس از سر نو جاری کروئے اور آسانی کے ساتھ پارلیمنٹ پر قابو حاصل کرکے اسکو اپنے ظلم و جور کا آلہ بنایا۔ آئینی آزادی کی قدیم صورتوں سے شاہی مطلق العنانی میں مدد لیگئی اور جس انقلاب نے ایک وقت کیلئے انگلستان کو ہنری کے قدموں کے نیچے ڈالدیا وہ خود پارلیمنٹ ہی کے مسلسل قوانین کا نتیجہ تھا۔ کرامول کا یہ اعتماد ہنری کے تمام دورانِ حکومت میں صحیح ثابت ہوا اور دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ علانیہ اطاعت کی روش پر چلتے رہے مگر ہنری کی کارروائیوں نے جس مذہبی تغیر کیلئے راستہ صاف کردیا تھا اسکا اثر اڈورڈ ششم کی نابالغی کے زمانے میں ظاہر ہونا شروع ہوا' اور میری کی مذہبی رجعت پسندی کے باعث پارلیمنٹ کو بے انتہا مباحثات اور سخت اختلافات پر مجبور ہونا پڑا۔ بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ وہ اب پارلیمنٹ کو

مرعوب نہیں کرسکتا تو اسنے حکمت عملی سے انکی مخالفت کو بیکار کرنا چاہا۔ اِس سے شاہراہ ترقی میں ایک بڑا قدم آگے بڑھا۔ پارلیمنٹ بادشاہ کے مجوزہ ارکان سے بھر دیگئی۔ اڈورڈ ششم کے وقت میں بائیس اور میری کے زمانے میں چودہ نئے حلقجات انتخاب قائم کئے گئے۔ ان میں سے بعض جگہیں ضرور ایسی تھیں کہ ان کے تموّل وآبادی کے لحاظ سے ان کی نیابت ہونا چاہیئے تھی مگر بیشتر حلقے محض چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے اور انکا عدم و وجود محض مجلس شاہی کی مرضی پر منحصر تھا۔ الزبیتھ نے بھی اپنے انہیں پیشرؤں کا طریقہ اختیار کیا۔ اسنے حلقجات انتخاب بھی قائم کئے اور امیدواروں کو نامزد بھی کیا مگر اسنے اپنی سیاسی دوربینی سے بہت جلد یہ معلوم کرلیا کہ یہ دونوں تدبیریں بے سود ہیں۔ اسے ڈولزی کی تدبیر مناسب معلوم ہوی کہ پارلیمنٹ کو کالعدم کردیا جائے۔ پس اسنے پارلیمنٹوں کے درمیانی وقفے کو بڑھانا شروع کیا۔ اپنی جزرسی' توازن باہمی' اور امن کی حکمتِ عملی سے اسنے یہ کوشش کی کہ پارلیمنٹ کے طلب کرنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے اور ایک مدت تک اسے اِس کوشش میں کامیابی حاصِل ہوتی رہی' مگر آزادی انگلستان کے اس صعب تریں زمانے میں میری (ملکہ اسکاٹلینڈ) اور فلپ (شاہ اسپین) اسکے دوست ثابت ہوئے مذہب کیتھولک کی مخاصمت کے باعث الزبیتھ معاملات کو بکثرت پارلیمنٹ پر محمول کردینے پر مجبور ہوی۔ جسقدر وہ مزید طلب امداد پر مجبور ہوتی جاتی تھی اسیقدر پارلیمنٹ کا لب و لہجہ بلند وبلندتر ہوتا جاتا تھا۔ محصول واجاروں کے معاملہ میں پارلیمنٹ کے مطالبات کے

مقابلہ میں الیزبیتھ کو اپنی سختی طبیعت کو دبانا پڑا۔ مذہب کے متعلق اسنے کسی قسم کی رعایت کرنے سے قطعاً انکار کردیا اور اس کی توقع میں انگلستان کو اسکے جانشین کے زمانے تک انتظار کرنا پڑا لیکن جیمز کے عہد کے ابتدائی کاموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی قسم کی رعائت کی روش اختیار کرنے کے بجائے دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ سے دست و گریبان ہونے کی تیاری میں مشغول تھا۔ ملکہ کے عہد میں پارلیمنٹ کی ترقی طاقت کا اصل راز یہ تھا کہ لڑائی کا سلسلہ برابر جاری تھا اور اس وجہ سے ملکہ کو روپیہ کی حاجت رہا کرتی تھی اس کی مجلس شورے کے جنگی فریق کی بابت یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ نہ صرف بیرون ملک کے پروٹسٹنٹوں کے لئے لڑ رہے تھے بلکہ انگلستان کی آئینی آزادی کیلئے بھی برسرجنگ تھے' جب اسکس نے برلے کے مشورہ مصالحت کو رد کیا تو اس بڈھے وزیر نے اسے کتاب مقدس کے یہ الفاظ دکھائے کہ "ایک خونخوار شخص اپنی نصف زندگی بھی پوری نہ کرسکے گا" لیکن اس جنگی کارروائی سے اسکس اور اسکے دوستوں کا منشاء صرف خونریزی کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے اغراض نہایت شریفانہ تھے۔ اسکے برعکس محض خونریزی سے بچنے کے خیال سے جیمز قیام صلح کا حامی نہیں تھا۔ اسنے جس عجلت کے ساتھ اسپین سے صلح کرلی اسکا مقصد یہی تھا کہ کیتھولکوں کو بیرونی امداد سے محروم کردے کیونکہ اسکے استحقاق شاہی کے جواز پر یہی لوگ متعرض تھے اور انکا اس طرح بے یار ومددگار ہوجانا جیمز کی حفاظت حقوق کیلئے ضروری تھا کیتھولکونکی

جیمز کا طریق عمل

سرتابی ہی کو روکنے کے خیال سے اسنے ان کے خلاف تعزیری قوانین کو نرم کردیا اور عام عبادت سے علٰحدگی اختیار کرنے والوں کو جرمانے سے بھی بری کردیا۔ یہ کارروائیاں بجائے خود کیسی ہی سزاوار تحسین کیوں نہ ہوں مگر جب پروٹسٹنٹوں نے یہ سُنا کہ جیمز اسپین اور پوپ کے ساتھ اس غرض سے مراسلت کررہا ہے کہ مذہب کیتھولک کے خلاف اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ہرجگہ مخالفانہ روش ترک کردے تو تمام پروٹسٹنٹ غصّے سے برافروختہ ہوگئے۔

۱۶۰۴ء کی پارلیمنٹ

سنہ ۱۶۰۴ء کی پارلیمنٹ کا انداز کچھ ایسا تھا کہ سو برس کے اندر کسی پارلیمنٹ کا یہ انداز نہیں رہا تھا۔ بادشاہ کو تخت نشین ہوے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا مگر اتنے ہی دنوں میں اسکی طبیعت کا حال کھل گیا تھا۔ کلیسا اور سلطنت میں مطلق العنان حکومت کا تذکرہ ہروقت اسکی زبان پر رہتا تھا، لوگ اسے ایک بدشگون خیال کرتے تھے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ پیوریٹنوں کو جس سے جن مذہبی مراعات کی اُمید تھی وہ ہیمپٹن کورٹ کی کانفرس سے خاک میں ملگئی تھی لیکن ارکانِ پارلیمنٹ کے متوسط الحال اور تجارت پیشہ اشخاص میں تین چوتھائی ایسے تھے جنہیں پیوریٹنوں سے ہمدردی تھی۔ انہوں نے بادشاہ کی اس تجویز کو سردمہری اور شک کے ساتھ سنا کہ انگلستان اور اسکاٹلینڈ کو برطانیہ عظمی کے نام سے متحد کردیا جائے پارلیمنٹ ہمہ تن مذہبی اصلاح کے خیال میں غرق تھی۔ دارالعوام نے پہلا کام یہ کیا کہ زیادہ تکلیف دہ مذہبی شکایات کے رفع کرنے کے لئے ایک مجلس مقرر کی اور جب ان کی مجوزہ کارروائیاں نامنظور ہوئیں

دار العوام کا اثبات حقوق

تو انہوں نے ایک محضر کے ذریعہ سے بہت صاف الفاظ میں اپنے خیالات بادشاہ کے حضور میں پیش کردئے۔ اس محضر میں یہ لکھا گیا تھا کہ پارلیمنٹ صلح و آشتی کے خیال کے ساتھ جمع ہوی ہے "ہماری خواہش یہ ہے کہ امن و امان قائم رہے اور ہماری کوشش یہ ہے کہ سب آپس میں اتفاق کے ساتھ رہیں" ارکان پارلیمنٹ یہ چاہتے تھے کہ پادریوں کے دیرینہ اختلافات کو ختم کردیں، چند ضروری رسومات کو ترک کرکے اور وعظ کہنے والے پادریوں کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک مناسب انتظام کرکے اتحاد باہمی کو قائم رکھیں۔ الیزبیتھ کے عہد میں انہوں نے ان معاملات پر بحث کرنا ترک کردیا تھا مگر اب وہ اپنے اس حق کے دعویدار تھے۔ انہوں نے اپنے محضر میں لکھا تھا کہ "حضور والا کی عنایت ہوگی اگر ملک و حکومت کے دیگر حالات کیطرح کلیسا کی خرابیوں کے متعلق بھی حضور پارلیمنٹ کے دار العوام کے ذریعہ سے عام لوگوں کے خیالات سے اطلاع حاصل کیا کریں"۔ مطلق العنانی کے دعوے کا ذکر ایسے الفاظ میں کیا گیا تھا جو "عرضداشت حقوق" کی تمہید معلوم ہوتے تھے۔ ان کے الفاظ یہ تھے کہ "اگر کسی نے حضور سے یہ کہا ہے کہ انگلستان کے بادشاہ کو بذات خاص مذہبی معاملات کے تغیر اور ان کے متعلق وضع قانوں کا اختیار مطلق حاصل ہے تو اسنے غلط کہا ہے۔ معاملات دنیاوی کی طرح اس معاملے میں بھی پارلیمنٹ کی رائے کی ضرورت ہے"۔ اس محضر کو سنکر جیمز نے نہایت درشتی کے ساتھ ارکان کی ملامت کی اور پارلیمنٹ کو ملتوی کر دیا۔ تاج کی تائید نے اساقفہ کو

پیوریٹنوں کے مطالبات کو مسترد کرنے پر اور دلیر کردیا۔ الیزبیتھ کے قانون کے موافق "سی ونہ عقاید" میں سے صرف انہیں دفعات کا حلف اٹھانا ضروری تھا جنکا تعلق عقیدے یا عشاء ربانی سے تھا مگر ۱۶۰۴ء کی مجلس مذہبی نے یہ قرار دیا کہ آداب و رسوم کے دفعات پر بھی حلف لیا جائے۔ نئے اسقف اعظم بینکرافٹ نے یہ بھی لازمی کیا کہ ہدایات متعلقہ عبادت کے متعلق بھی تمام تنخواہ دار پادری سختی کیساتھ پورا پورا اتفاق کریں۔ ان مطالبات کی خلاف ورزی کی بناپر دوسرے سال موسم بہار میں تین سو پیوریٹن پادری اپنی جگھوں سے ہٹا دے گئے

باروود والی سازش

پیوریٹینوں سے قطع تعلق کے بعد کیتھولکوں سے بھی قطع تعلق ہوگیا۔ جرمانوں کی معافی کے بعد سے ان کی تعداد میں بہت ترقی ہوگئی تھی اور اس سے ایک عام اضطراب پیدا ہوگیا تھا۔ پارلیمنٹ نے ازسرنو تعزیری قوانین کا نفاذ منظور کیا۔ ادھر لوگوں نے یہ افواہ اڑادی کہ خود بادشاہ بھی کیتھولک ہوگیا ہے۔ اس خبر سے اسے اس قدر غصہ آیا کہ اسنے ان قوانین کے نفاذ میں پہلے سے زیادہ سخت گیری اختیار کی۔ کیتھولک بالکل مایوس ہوگئے اور انکی اس مایوسی سے ایک پرانی سازش میں نئی جان پڑگئی۔ باہر سے مدد ملنے یا ملک میں علانیہ بغاوت کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی پس چند بے باک کیتھولکوں نے رابرٹ کیٹسبی کی سرکردگی میں (جسنے اسکس کی بغاوت میں بھی شرکت کی تھی) یہ تجویز کی کہ ایک ہی وار میں بادشاہ اور پارلیمنٹ دونوں کا خاتمہ کردیا جائے۔ ایوان پارلیمنٹ کے نیچے کی ایک کوٹھری میں

بارود کے پیپے رکھ دئے گئے پارلیمنٹ کے اجتماع کیلئے نومبر کی پانچویں تاریخ مقرر تھی یہ لوگ اسی تاریخ کے انتظار میں تھے مگر اس اثنا میں ان چند آدمیوں سے گزر کہ اس کارروائی نے ایک مہیب سازش کی صورت اختیار کرلی۔ سرائڈورڈ ڈگبی اور فرینس ٹریشیم کے سے دولتمند کیتھولک اس راز داری میں شامل ہوگئے اور انہوں نے اس تجویز کو وسعت دینے کے لئے روپیہ سے مدد دی۔ فلینڈرز میں ہتھیار خریدے گئے۔ گھوڑے تیار کئے گئے اور شکار کے بہانے سے کیتھولک معززین جمع کئے گئے۔ اور یہیں سے بغاوت کی ابتدا ہونے والی تھی۔ تجویز یہ تھی کہ بادشاہ کے ہلاک ہوجانے کے بعد معاً اسکے سب لڑکے گرفتار کرلئے جائیں اور علانیہ بغاوت کردیجائے اور اس کام میں فلینڈرز کے اسپینیوں سے مدد لیجائے۔ اس سازش کی راز داری نہایت حیرت انگیز تھی مگر آخر وقت میں ٹریشیم کی حب خاندانی کے باعث ایک اشارہ ملگیا۔ اس نے اپنے ایک عزیز لارڈ مانٹیگل کو لکھا تھا کہ وہ اس روز پارلیمنٹ سے غیر حاضر ہوجائے۔ تفتیش سے پتہ چلگیا کہ نیچے کی کوٹھری میں بارود جمع ہے اور ایک سپاہی گیڈو فاکس اسکا محافظ ہے شکار کا مجمع نہایت پریشانی کے ساتھ منتشر ہوگیا اور ضلع در ضلع سازش کرنے والوں کا تعاقب کیا گیا، کچھ لوگ تو اس تعاقب کے سبب سے مارے گئے اور کچھ لوگ گرفتار ہوکر قتل کیئے گئے...... انگلستان کے فرقہ جزوئٹ کے سرگروہ گارنٹ پر بھی مقدمہ قائم ہوا اور اسے پھانسی دیدیگئی۔ اس نے اس

سازش میں کسی قسم کی شرکت نہیں کی تھی مگر ایک دوسرے جزوٹ گرینوے سے اسے اسکا حال معلوم ہوگیا تھا۔ اِس کا بیان تھا کہ وہ اسے سنکر نہایت پریشان ہوگیا تھا مگر اسنے اس راز کو ظاہر نہیں کیا اور پارلیمنٹ کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا۔

جیمز اور پارلیمنٹ

اس مشترکہ خطرے سے بچ جانے کے باعث پارلیمنٹ بادشاہ کی زیادہ طرفدار ہوگئی، اور جب ۱۶۰۶ء میں اسکا اجتماع ہوا تو دارالعوام نے اتنی کثیر رقم کی منظوری دیدی جس سے الیزبیتھ کے وقت کا تمام قرضہ جنگ ادا ہو جاتا مگر جیمز کی فضول خرچیوں کے باعث اسکے امن کے زمانے کا خرچ اتنا بڑھ گیا تھا جتنا الیزبیتھ کے جنگ کے زمانے کا خرچ تھا۔ پس خزانے کی ضرورت اور خود کو پارلیمنٹ کی نگرانی سے آزاد کرلینے کے خیال سے وہ مجبور تھا کہ نئے ذرائع آمدنی پیدا کرے۔ اسکی خود ساختہ کارروائیوں میں پہلی کارروائی

جبری محاصل

یہ تھی کہ اسنے درآمد پر محصولات عاید کردئے۔ مدت سے یہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ اون، چمڑے، اور ٹین کے علاوہ اور کسی شئے پر بے منظوری پارلیمنٹ بادشاہ کی طرف سے محصول لگانا خلاف قانون ہے۔ میری نے دو ایک چیزوں کی درآمد پر محصول عاید کردیا تھا اور الیزبیتھ نے اسے ذرا اور وسعت دیکر کشمش اور شراب کو بھی اسی فہرست میں شامل کرلیا تھا مگر یہ ایسے معمولی مستثنیات تھے کہ انکی بناپر عام رواج کا توڑنا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک اِس سے زیادہ مضرت رساں مثال اور ملگئی۔ ترکی وامریکہ وغیرہ کے ساتھ تجارت کرنے کیلئے بڑی بڑی تجارتی

کمپنیاں قائم تھیں۔ یہ کمپنیاں عام تاجروں سے اس بنا پر کچھ وصول کیا کرتی تھیں کہ وہ دور دراز سمندروں میں انکی حفاظت کرتی تھیں اسی زمانے میں ترکی کے ساتھ تجارت کرنے والی کمپنی بند کر دی گئی اور اسنے جو معاوضہ تاجروں پر لگا رکھا تھا جیمز نے اس کو تاج کے حق میں ضبط کرلیا اور پارلیمنٹ کے اعتراض کی کچھ پروا نہ کی۔ جیمز کو اپنے خزانے کے بھرنے کی جسقدر فکر تھی' اسی قدر اسے اپنے اختیار مطلق کے ثابت کرنے کی بھی فکر تھی۔ لہذا عدالت مالی کے اجلاس میں ایک مقدمہ پیش کیا گیا اور اسنے یہ فیصلہ کردیا کہ بادشاہ حسب صوابدید خود محاصل درآمد و برآمد عاید کرسکتا ہے۔ ججوں کی حجت یہ تھی کہ "بیرحجری کے تمام محصولات غیر ملکی تجارت کا نتیجہ ہیں اور غیر اقوام کے تجارتی معاملات اور معاہدات کا تعلق صرف بادشاہ کی ذات سے ہے اس لئے کہ جسے سبب پر اختیار ہو اسی کو مسبب پر بھی اختیار ہونا چاہئے۔" جیمز اس فیصلے کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس سے پارلیمنٹ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔ انگریزی تجارت میں روزافزوں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ انگریز تاجر اپنے قوت بازو سے جزائر شرق الہند میں اپنے لئے راستہ پیدا کررہے اور سلطنت مغلیہ میں اپنے قدم جمارہے تھے۔ اس فیصلے سے آمدنی کا ایک ایسا ذریعہ جیمز کے ہاتھ آگیا جسکا جلد جلد ترقی کرتے جانا یقینی تھا۔ خزانہ کی ضرورت نے اسے علی کارروائی اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ دو برس کے

بیٹس کا مقدمہ ۱۶۰۶ء

تذبذب کے بعد بہت سی اشیاء درآمد وبرآمد پر میر بحری کا محصول عاید کردیا گیا لیکن اگر اس چیرہ دستی سے آمدنی بڑھتی جاتی تھی تو دوسری طرف شاہی قرضہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری دکھا رہا تھا۔ سال بسال جیمز کے اخراجات میں ترقی ہوتی جاتی تھی اور نئی پارلیمنٹ کا طلب کرنا ناگزیر ہوگیا تھا۔ سیسل نے (جسے اب ارل سالسبری کا خطاب مل گیا تھا) ایک تجویز "معاہدہ اعظم" کے نام سے مرتب کی تھی جس کا منشا یہ تھا کہ جیمز اپنے بعض تکلیف دہ جاگیردارانہ حقوق مثلاً حقوق تولیت وتجویز عقد وغیرہ سے دست بردار ہو جائے' نیز شاہی ضروریات کیلئے نرخ معینہ پر چیزوں کے مہیّا کئے جانے کے دستور کو ترک کردے اور دارالعوام اسکے عوض میں شاہی آمدنی میں دولاکھ سالانہ کا اضافہ کردے۔ لیکن دارالعوام کی بدظنی کے باعث اس معاملت میں کامیابی نہیں ہوی اور بادشاہ نے جب شاہی قرضہ کی ادائی کیلئے روپیہ کا مطالبہ کیا تو دارالعوام نے اسکے جواب میں ایک شکایت آمیز عرضداشت پیش کردی۔ جیمز نے شاہی اعلانوں میں یہ نئی بات پیدا کردی تھی کہ اس ذریعہ سے وہ نئے نئے جرم پیدا کرتا نئے تاوان عاید کرتا اور مجرموں کو ایسی عدالتوں کے روبرو طلب کرتا جنہیں ان معاملات میں قانونی اختیار نہیں حاصل ہوتا تھا۔ پارلیمنٹ ان کارروائیوں کو بری نظر سے دیکھ رہی تھی۔ مذہبی عدالتوں کے اختیارات میں بھی بہت زور دیکر اضافہ کیا جارہا تھا۔ چونکہ مذہبی وملکی مقننوں کے درمیان پرانی رقابت چلی آرہی تھی

"معاہدہ اعظم" ۱۶۱۰

اسلئے ججوں نے " ہائی کمیشن " کے اختیارات کے خلاف درخواستیں دیں اور مسلسل فیصلوں کے ذریعہ سے اس کے غیر محدود دعاوی کو ایک حد پر قائم کرنا اور قید کے اختیارات کو ترک مذہب اور ارتداد کے واقعات تک منحصر رکھنا چاہا مگر کسی بات کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ بادشاہ کے مقابلے میں جج بالکل بے بس تھے اور جیمز ان عدالتوں کی تائید میں سرگرم تھا جنکا نہایت قریبی تعلق خود اسکے اقتدار شاہی سے تھا۔ اگر خزانہ ایک بار معمور ہوجاتا تو پھر ان خرابیوں کے روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ دارالعوام اس پر بھی رضامند نہ تھا کہ سالہائے ماسبق کی بے ضابطگیوں سے چشم پوشی کی جائے۔ جیمز نے انہیں نئے محصولوں پر بحث کرنے سے روک دیا مگر تعرضات بدستور ویسی ہی زور دار رہے۔ انہوں نے اپنی عرضداشت میں لکھا "عرضداشت" تھا کہ "دارالعوام کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اعلیحضرت نے پارلیمنٹ کی رائے ومشورے کے بغیر، حالت امن میں اس سے زیادہ مقدار وتعداد کا محصول عاید کردیا ہے جتنا اعلیحضرت سے پیشتر کسی فرمانروا نے کبھی حالت جنگ میں عاید کیا ہو" اسلئے یہ درخواست ہے کہ " پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر جس قدر محصول لگائے گئے ہیں سب یکقلم منسوخ کردئے جائیں اور ایک قانون یہ بنا دیا جائے کہ ان محصولوں کے سوا جو پارلیمنٹ کی منظوری سے عاید کئے گئے ہیں، جسقدر دوسرے محصول رعایا پر یا ان کے خانگی وتجارتی مال واسباب پر لگائے گئے ہیں

سب کالعدم ہیں" کلیسا کی شکایات کے متعلق بھی انہوں نے اسیطرح زور دیکر مطالبہ کیا اور یہ درخواست کی کہ "معزول پادریوں کو وعظ کہنے کی اجازت دیدیجائے اور "ہائی کمیشن" کے اختیارات بذریعۂ قانون معین کردئے جائیں"۔ منشا یہ تھا کہ مالی معاملات کی طرح مذہبی معاملات کو بھی اقتدار شاہی سے نکال کر آئندہ پارلیمنٹ کے اختیار میں دیدیا جائے ۔ اور معاملات میں جیمز جو کچھ بھی رعایت کرتا ممکن تھا مگر اپنے مذہبی اقتدار میں وہ کسی قسم کی مداخلت کا روادار نہیں تھا۔ پارلیمنٹ برطرف کردیگئی اور تین برس یوں ہی گزر گئے ۔ آخر حکومت کی مالی مشکلات نے جیمز کو پھر پارلیمنٹ کا سامنا کرنے پر مجبور کیا ۔ اس سے قبل کبھی کسی انتخاب میں ایسا عام جوش نہیں ظاہر ہوا تھا جتنا ۱۶۱۴ء کے انتخاب میں ظاہر ہوا ۔ جہاں کہیں بھی ممکن ہوا دربار کے امیدوار خارج کردئے گئے اور عوام کے جانبدار گروہ کے تمام ممتاز ارکان کا دوبارہ انتخاب ہوگیا ۔ اس گروہ کو اب "فریق مخالف" کے نام سے یاد کرنا زیادہ مناسب ہوگا ۔ لیکن اس پر بھی تین سو رکن بالکل نئے تھے اور زمانۂ مابعد کی جدوجہد کے دو سرگروہ یعنی ٹامس ونٹ ورتھ اور جان ایلیٹ کے نام بھی پہلی بار انہیں نئے اراکین میں نظر آتے ہیں ۔ پہلے کو یارکشائر نے اور دوسرے کو سنٹ جرمنز نے منتخب کیا تھا ۔ دارالعوام کی کارروائی میں پرزور تقریرز اور ہش ہش کی آواز پہلی بار سنی گئی اور اسی سے اسوقت کے بیمثال جوش عام کا حال

(حاشیہ: ۱۶۱۱ ، ۱۶۱۴)

طرز عمل کے اعتبار سے اس پارلیمنٹ کا بھی وہی معلوم ہوتا ہے۔ انداز تھا جو اس سے سابقہ پارلیمنٹوں کا رہ چکا تھا۔ اسنے روپیہ کی منظوری سے اسوقت تک کیلئے انکار کردیا جبتک وہ عام شکایات پر غور نہ کرلے اور خلاف قانون محصولوں اور کلیسا کی خرابیوں کے رفع کرنے کو سب سے مقدم قرار دیا۔ سوءِ اتفاق سے نئے اراکین کی ناتجربہ کاری کے باعث اقتدارات کے متعلق دارالامرا سے منافشہ ہوگیا۔ بادشاہ ان کے لب ولہجہ کی سختی سے نہایت درجہ خائف ہوچکا تھا اسلئے اس نے اسی مناقشے کی بنا پر پارلیمنٹ کو برطرف کردیا۔

بادشاہ کی مطلق العنانی ۱۶۱۴ - ۱۶۲۱

اسکی پارلیمنٹ کے چار سربرآوردہ ارکان ٹاور میں بھیجدئے گئے۔ پارلیمنٹ کی طرف سے بادشاہ کے دل میں جیسی دہشت اور غصّہ پیدا ہوگیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ زمانۂ دراز تک وہ اس امر پر مصر رہا کہ بغیر پارلیمنٹ ہی کے ملک کا کام چلاتا رہے۔ سات برس تک وہ اپنی فرضی مطلق العنان حکومت کے اصول پر آنکھ بند کرکے چلتا رہا۔ نہ وہ گزشتہ واقعات پر نادم تھا، نہ اسے آئندہ کا کچھ خوف تھا۔ جن خرابیوں کے متعلق متواتر پارلیمنٹوں نے اظہار نفرت کیا تھا، وہ نہ صرف بدستور قائم رہیں بلکہ اور زیادہ ہوگئیں اور مذہبی عدالتونکی نئی دست درازیوں کی ہمت افزائی کی گئی۔ باوجودیکہ بادشاہ کے مشیرانِ قانونی نے شاہی اعلانوں کے خلاف ضابطہ ہونے کو تسلیم کرلیا تھا مگر کم ہونے کے بجائے ان اعلانوں کی تعداد

اور بڑھتی گئی "جبری محاصل" نہایت سختی کیساتھ وصول کئے جاتے تھے۔ اس پر بھی خزانہ خالی ہی رہا اور آخرالامر شدت احتیاج نے جیمز کو مجبور کردیا کہ وہ علانیہ قانون کے خلاف کارروائی اختیار کرے۔ اسنے مزید آمدنی کا وہ ذریعہ اختیار کیا جس سے شاہانِ ٹیوڈر کے زمانہ عروج میں وولزی تک کو دست بردار ہونا پڑا تھا۔ یعنی لوگوں سے "پیشکش" کا مطالبہ کیا گیا لیکن اس مطالبے کے متعلق بڑے بڑے امراء نے بالعموم مجلس شاہی کے خط کا کچھ جواب نہیں دیا۔ ۱۶۱۴ء کی پارلیمنٹ کے برطرف ہونے کے بعد تین برس کی مدت میں شیرفوں کی جانفشانی سے صرف ساٹھ ہزار پونڈ جمع ہوسکے۔ یہ رقم پارلیمنٹ کی ایک امداد کے دوثلث سے بھی کم تھی۔ مغربی صوبوں کے عذرات کو مجلس شاہی نے دھمکی دے کر دبایا تھا مگر اس پر بھی ہیریفرڈ اور اسٹیفرڈ کے صوبوں نے آخر تک ایک حبہ نہیں بھیجا۔ روپیہ کی پریشانی کے باعث جیمز کو وہ تدابیر اختیار کرنا پڑیں جن کے باعث طبقۂ متوسط اور بادشاہ کے درمیان سیکڑوں کوس کا میدان حائل ہوگیا۔ اسنے نابالغوں کی تولیت اور بے دلی لڑکیوں کے عقد وغیرہ کے مثل جاگیردارانہ حقوق کو ترک کرنے سے انکار کردیا۔ یہ حقوق ازمنہ وسطیٰ سے برابر چلے آرہے تھے مگر ان سے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا تھا طبقۂ امراء کو اس نے اس طرح ذلیل کیا کہ امارت کا لقب فروخت کرنا شروع کردیا۔ اسنے اپنے عہد میں پینتالیس نئے شخصوں کو دارالامراکا

پیشکش

رکن بنایا تھا ان میں سے زیادہ لوگوں نے صرف روپیہ کے زور
سے یہ اعزاز حاصل کیا تھا۔ ایک اعلان کے ذریعہ سے لندن
میں نئے مکانوں کے اضافے کی ممانعت کردی گئی تھی' اس اعلان
کی خلاف ورزی سے بہت بڑی رقمیں جرمانے کے طور پر خزانہ
میں داخل ہوئیں۔ اس قسم کی تدبیروں سے جیمز ایک ایک دن
گزارتا جاتا تھا تاکہ اسے دوبارہ اس مجلس سے سابقہ نہ پڑے جو
اسکی خود مختاریوں کو مستقلاً روک سکتی تھی لیکن اس مجلس کے
علاوہ ایک اور ذی اثر اور قدیم گروہ قانون دانوں کا بھی موجود
تھا۔ یہ قانون پیشہ گروہ جیمز کی کارروائیوں کو روک تو نہیں سکتا
تھا مگر انکے راستہ میں دقتیں حائل کرسکتا تھا۔ قانون پیشہ اشخاص
سب سے زیادہ تاج کے مطیع فرمان تھے۔ یہ لوگ باوجود
صاحب علم ہونے کے محض اپنی کج فہمی سے دوراز کار نظائر
کو قبول کرلیتے تھے اور جن مختلف الکیفیت حالات کے باعث
وہ نظائر وجود میں آئے تھے ان کا مطلق لحاظ نہیں کرتے تھے۔
یہی وجہ تھی کہ جج' جیمز کے دعاوی کی تائید کرتے تھے لیکن جج
بھی ان سابقہ نظائر کی حد سے تجاوز کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک
مقدمے میں انہوں نے پوری طرح یہ کوشش کی کہ مذہبی عدالت
کے اختیارات ایک معینہ قانونی حدود کے اندر رہیں اور
جب جیمز نے یہ دعوی کیا کہ بادشاہ کو فی نفسہ یہ حق حاصل
ہے کہ جب اسکی کسی عدالت کے روبرو کوئی ایسا معاملہ پیش
ہو جس سے اقتدار شاہی پر اثر پڑے تو فیصلے کے قبل بادشاہ

بادشاہ اور قانون

کا خیال معلوم کرلینا بھی ضروری ہے' تو ججوں نے عاجزی سے مگر
استقلال کے ساتھ یہ کہکر اس دعوی کو رد کردیا کہ قانون میں
کہیں اسکا ذکر نہیں ہے۔ جیمز نے ججوں کو خلوت میں طلب
کیا اور مدرسے کے بچوں کی طرح ان سب کو سرزنش
کی ایک شخص کے سوا سب جج اسکے قدموں پر گر پڑے اور
اقرار کیا کہ وہ اسکی مرضی پر چلینگے۔ صرف چیف جسٹس سر اڈورڈ کک
اپنی رائے پر مستقل رہا۔ کک ایک تنگ خیال اور
بد مزاج شخص تھا مگر قانون دانی میں اسکا پایہ بہت بلند تھا اور
قانون کی عظمت اسکے دل میں ایسی جاگزیں تھی کہ اسکے سامنے وہ
تمام خیالات کو ہیچ سمجھتا تھا اسنے یہ جواب دیا کہ اس کے روبرو
جب کوئی معاملہ پیش ہوگا وہ وہی کریگا جو ایک جج کو کرنا چاہئے
وہ فوراً ہی مجلس شاہی کی رکنیت سے خارج کردیا گیا۔ کک کی
تذلیل درحقیقت قانون عامہ کی تذلیل تھی۔ ایک مدتوں کا متروک
قانون نکالا گیا کہ عدالتی عہدے پر کوئی شخص اسی وقت تک
رہ سکتا ہے جب تک کہ بادشاہ کی مرضی ہو۔ اس پر بھی
جب کک اپنی رائے پر مصر رہا تو اس قانون کے رو سے
عہدہ عہدہ چیف جسٹس سے برطرف کردیا گیا۔ جیمز کے اس خیال
کے ظاہر ہو جانے سے کہ وہ عدالتی معاملات میں دخل دینا چاہتا
ہے انگریزوں میں اس کی طرف سے جیسی نفرت پیدا ہوی ایسی
نفرت اسکے کسی اور فعل سے نہیں پیدا ہوی تھی۔ جسطرح اسکی
شان و شکوہ و اسراف اس زمانے کے ترقی پذیر اخلاق کیلئے

کک کی برطرفی
۱۶۱۶

باعث ذلت تھے اسی طرح اسکی یہ حرکت قانون کے ترقی پذیر احساس
کی توہین تھی۔ ناچ رنگ عیاشی کے سامان مہیّا کرنے کیلئے جس
بیدردی سے خزانہ خالی کیا جارہا تھا اسکی مثال کہیں سابق
میں نہیں ملتی۔ جس نوخیز آفاقی کے حسن پر بادشاہ کی نظر شوق
پڑ جاتی تھی، اس پر جائیداد وجواہرات بیدریغ نثار کروئے جاتے
تھے۔ الیزبیتھ کے دربار میں بھی اس قسم کی بد اخلاقی وعیاشی ہوا
کرتی تھی مگر فرق یہ تھا کہ اسوقت کی عیش پرستیوں پر وقار وبیھگری
کی ایک نقاب پڑی ہوی تھی اور جیمز کے دربار کی ذلیل بداطواریاں
بالکل بے حجاب تھیں۔ بادشاہ اگرچہ فی الحقیقت ایسا نہیں تھا مگر
لوگ اسے مے پرست و رندمست سمجھتے تھے۔ دربار میں ایک
تماشے کے موقع پر دیکھا گیا کہ ایکٹر نشے میں چور اسکے قدموں پر
لوٹ رہے ہیں۔ ایک شرمناک مقدمے میں یہ ثابت ہوگیا کہ
سلطنت کے بعض بڑے بڑے عہدہ دار اور امیر عیاروں
رمالوں اور زہر دینے والوں سے ساز باز رکھتے تھے۔ لیڈی اسکس
کے مقدمہ طلاق میں جیمز نے بذات خاص مداخلت میں کچھ تامل
نہیں کیا۔ اس طلاق کے بعد لیڈی نے جب بادشاہ کے ایک
مورد عنایت ندیم سے عقد کرنا چاہا تو تمام مراسم خود بادشاہ کے
حضور میں عمل میں آئے۔ شاہان ٹیوڈر کے دور میں بادشاہ کا
احترام ایک گونہ پرستش کی حد کو پہنچ گیا تھا، مگر اب ان حالات
کو دیکھتے ہوئے احترام کے بجائے تنغض وتنفر پیدا ہوگیا تھا۔
تھیٹروں میں علانیہ بادشاہ کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا۔ مسنر ہیچیسن نے

وائٹ ہال کے عیش پرستوں کی نسبت ویسے ہی سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جیسے ایلجا (Elijah) نے جیزبیل Jezabel کے خلاف استعمال کئے تھے، لیکن بااین ہمہ جیمز کے دربار کی عیاشی و بد اطواری اسکی حکمرانی کی حماقتوں سے زیادہ قابل نفرت نہ تھی۔ پارلیمنٹ کی خاموشی کی حالت میں ہنری ہشتم سے مطلق العنان بادشاہ تک کی خود مختاریوں پر مجلس شاہی کی روک ٹوک قائم تھی کیونکہ مجلس کی رکنیت صرف بادشاہ کے وزراتک محدود نہیں تھی بلکہ عالی مرتبہ امرا اور سلطنت کے موروثی عہدہ دار بھی اس میں شامل ہوتے تھے لارڈ برلے کا بیٹا رابرٹ سیسل الیزبیتھ کے وقت سے وزرات کا کام انجام دیرہا تھا اور جیمز کو تخت نشین کرنے کے صلے میں اسے ارل سالبسری کا لقب عطا ہوا تھا۔ جب اسکا انتقال ہوگیا تو جیمز نے تمام حقیقی اختیارات مجلس شاہی کے ہاتھ سے نکال لئے اور اپنے نااہل ندیموں کو اعزاز وخطاب سے سرفراز کرکے ان خدمتوں پر مامور کردیا۔ اسکاٹلینڈ کا ایک نوجوان مسمی رابرٹ کار وائی کاؤنٹ روچیسٹر اور ارل سمرسٹ بنادیا گیا اور لیڈی اسکس کے طلاق حاصل کرلینے کے بعد اسی نو دولت امیر کے ساتھ اسکا عقد کردیا گیا۔ وہ سلطنت کے تمام اندرونی وبیرونی معاملات پر حاوی ہوگیا تھا لیکن آخر ایک شدید جرم کے الزام میں وہ اپنے اعزاز و اقتدار اور بادشاہ کی عنایت سب سے محروم ہوگیا۔ اسپر سر ٹامس اووربری کو زہر دیکر مار ڈالنے کا الزام لگایا تھا۔ وہ خود اور اسکی بیوی دونوں اس جرم کے مرتکب قرار پائے تھے لیکن

شاہی مقرب

اسکے زوال کے بعد ایک دوسرا ندیم اسکی جگہ لینے کیلئے پہلے سے تیار تھا۔ اس شخص نام جارج ولیرز تھا وہ ایک نووارد خوشرو نوجوان تھا، وہ نہایت عجلت کے ساتھ امارت کا ہر ایک درجہ طے کرتا ہوا مارکوئس اور ڈیوک بکنگھم کے بلند رتبے پر پہنچ گیا سلطنت کے تمام اعلیٰ عہدے اسے تفویض کردئے گئے سلطنت میں اعزاز حاصل کرنے کا اب صرف یہی ذریعہ رہ گیا تھا کہ بکنگھم کو رشوت دیجائے یا اسکے کسی پر طمع عزیز سے شادی کرلی جائے اسکی مرضی کے خلاف چلنا قطعًا اپنے عہدے کا کھو دینا تھا۔ اس نوعمر نو دولت شخص کی ادنیٰ حرکت چشم سے اعلیٰ سے اعلیٰ اور قوی سے قوی امرا بھی کانپ اٹھتے تھے۔ کلیرنڈن حیرت سے لکھتا ہے کہ ”کسی زمانے میں اور کسی ملک کے اندر کسی شخص کو محض اپنے حسن و جمال کے باعث یہ اعزاز واقتدار اور یہ تمول نہ حاصل ہوا ہوگا جو بکنگھم کو حاصل ہوگیا تھا“ درحقیقت بکنگھم میں دوسری قابلیتوں کی بھی کمی نہیں تھی مگر اسکے حسن کی طرح اسکی خود اعتمادی وجسارت نے بھی اسکی اور قابلیتوں کو پست کردیا تھا۔ جیمز کی وارفتگی کی کیفیت یہ تھی کہ وہ محبت سے اسکی گردن پر سر رکھدیتا اور اسکے رخساروں کے بوسہ لینے لگتا تھا یہی مغرور نوجوان تھا جسنے آخر کار اپنے ساتھ خاندانِ اسٹوارٹ کے تخت وتاج کو بھی برباد کردیا۔

اسپین کے متعلق جیمز کی حکمت عملی

نئے طریق انتظام کے نتائج اندرون ملک کے بجائے بیرون ملک میں زیادہ مضرت رساں ثابت ہوئے۔ مجلس شاہی کے

اختیارات کے سلب کرلینے سے جیمز خود ہی وزیر اعظم کے فرائض انجام دینے لگا تھا اور تمام معاملات پر وہ اسطرح حاوی ہوگیا تھا کہ اسکے قبل انگلستان کے کسی بادشاہ کو یہ ہمہ گیری نہیں حاصل ہوی تھی۔ اسکی تخت نشینی کے وقت خارجی معاملات کی باگ سالسبری کے ہاتھ میں تھی اور جب تک سالسبری زندہ رہا الیزبیتھ کی حکمت عملی فی الجملہ قائم رہی۔ صرف یہ ہوا کہ اسپین سے صلح ہوگئی مگر صوبجات متحدہ سے دلی اتحاد اور فرانس کے ساتھ با احتیاط اتفاق کے باعث اسپین کے بلند حوصلوں میں زمانہ جنگ ہی کی سی رکاوٹیں حائل رہیں۔ جب کیتھولک خاندان آسٹریا کے جوش مذہبی کے باعث جرمنی میں خطرہ بڑھتا نظر آیا تو الکٹر (والی) پیلیٹائن کے ولی عہد کے ساتھ بادشاہ کی بیٹی الیزبیتھ کا عقد کردیا گیا اور اس سے یہ سمجھا جانے لگا کہ انگلستان پروٹسٹنٹ سلطنتوں کی تائید کریگا۔ لیکن سالسبری کے انتقال اور ۱۶۱۴ء کے پارلیمنٹ کی برطرفی کے بعد ہی تباہی انگیز تغیرات شروع ہوگئے۔ الیزبیتھ کی جدوجہد اور آرمیڈا کی فتح سے جو نتائج حاصل ہوئے تھے، جیمز نے فوراً ہی انکو پلٹنا شروع کردیا۔ اسنے اپنی طباعی اور کم عقلی کے باعث یہ رائے قائم کرلی کہ اسپین کے ساتھ متحد ہوکر کام کرنے سے اسے بیرون ملک میں اپنا اثر بڑھانے اور اندرون ملک میں قوم کی نگرانی سے آزاد ہو جانے میں مدد ملیگی۔ اسنے اسپین کی ایک شہزادی کے ساتھ اپنے بیٹے کے عقد کے متعلق مراسلت کا سلسلہ جاری کردیا۔ اسکے جسقدر مورد عنایت ندیم یکے بعد دیگرے

۱۶۱۴

سلطنت پر حاوی ہوئے سب نے اسپین کے اتحاد کی تائید کی - ۱۶۱۷
برسوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں کے بعد دنیا کو اسوقت بادشاہ کے ارادوں کی خبر ہوئی جب خاندانِ آسٹریا کے طرز عمل سے جنوبی جرمنی کے پروٹسٹنٹوں کی انتہائی تباہی یا خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہورہا تھا۔ زیادتی کی ابتدا کسی طرف سے بھی ہو مگر یہ مسلم تھا کہ مذہب کیتھولک اور مذہب پروٹسٹنٹ کے درمیان سرزمین جرمنی کے اندر پھر ایک بار سخت معرکہ آرائی ہونے والی ہے۔ جیمز کے وزرا میں ایک فریق ابتک سالسبری کی روایات پر قائم تھا وہ موقع کی نزاکت کو دیکھکر اس خطرے کی پیش بندی کے خیال سے ایک ایسی تجویز کی تائید پر آمادہ ہوگیا جس سے بادشاہ کو اپنی اس نئی حکمت عملی سے باز آنا پڑے اور وہ اسپین کے ساتھ جنگ میں پھنس جائے۔ الیزبتھ کے وقت کے جنگ آزماؤں میں سروالٹر رالے ایک ممتاز شخص تھا وہ ابھی تک زندہ تھا اور نئی حکومت کے شروع ہونے کے وقت سے بالزام غداری ٹاور کے اندر مقید تھا اسنے جیمز سے کہا کہ اسے آری نوکو میں سونے کی ایک کان کا علم ہے اور یہ درخواست کی کہ اسے اجازت ہو کہ وہ وہاں جاکر بادشاہ کیلئے سونا نکلوائے بادشاہ اس لالچ میں آگیا مگر اسکے ساتھ ہی اسنے یہ بھی حکم دیدیا کہ نہ اسپین کی مملکت پر حملہ کیا جائے اور نہ کسی اسپینی کو قتل کیا جائے۔ رالے بارہا جان پر کھیل چکا تھا اسے معدن طلا کے ملنے کا یقین تھا اور وہ جانتا تھا کہ اگر اسپین اور انگلستان میں لڑائی چھڑگئی تو اسکے لئے زندگی کا ایک نیا راستہ کھل جائے گا اسنے وہاں پہنچکر دیکھا...کہ

ساحل پر اسپین کی فوجیں پہلے سے قابض ہیں حملہ نہ کرنے کے حکم کی خلاف ورزی سے بچنے کے خیال سے اسنے اپنے آدمیوں کو بالائی حصہ ملک میں بھیجدیا۔ انہوں نے وہاں اسپین کے ایک شہر کو لوٹ لیا مگر سونے کی کان کا کہیں پتہ نہ چلا اور لوگ پریشان حال اور شکست خوردہ واپس آئے۔ رالے نے اپنی بے باکانہ طبیعت کے باعث ایک نئی تجویز یہ سوچی کہ بوقتِ واپسی اسپین کے خزانے سے لدے ہوئے جہازوں کو گرفتار کرلے اور ڈریک کی طرح غنیمت کی اس مقدار خطیر سے بادشاہ اور قوم کو مبہوت کردے۔ لیکن اسکے ہمراہیوں نے اسکی تائید نہ کی اور وطن پہنچکر اسے قسمت کا لکھا بھگتنا پڑا۔ مدت دراز سے اسپر قتل کا جو حکم صادر ہوچکا تھا جیمز نے فوراً ہی اسے نافذ کردیا اور اس شکستہ دل جانباز کو پھانسی دیکر اسپین کی شکایت کی تلافی کی۔ تاریخ جرمنی کے نقطۂ خیال سے رالے کی یہ ناکامی بہت ہی برے وقت میں ہوئی۔

جنگ سی سالہ

بوہیمیا نے ۱۶۱۸ء میں آسٹریا کے کیتھولک خاندان کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا تھا اور التواء تنازعات مذہبی کے باعث اتنے زمانے سے جرمنی میں جو امن قائم تھا وہ درہم برہم ہوگیا تھا۔ پس جب ۱۶۱۹ء میں شہنشاہ میتھیاس کے انتقال کے باعث اسکا بھتیجا فرڈیننڈ شہنشاہ ہوا اور تخت بوہیمیا کا مالک قرار پایا تو امرائے بوہیمیا نے یہ اعلان کردیا کہ اسوقت ملک کا کوئی بادشاہ نہیں ہے اور پھر پیلیٹائن کے نوجوان الکٹر (والی) فریڈرک کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا۔ جرمنی کے حکمرانوں میں کچھ حکمراں لوتھر کے پیرو تھے اور

کچھ کالون کے، انمیں باہم سخت بغض وحسد تھا اور اسوجہ سے جرمنی
کے پروٹسٹنٹ بھی دو حصّوں میں منقسم ہوگئے تھے' مگر یہ یقین کیا جاتا
تھا کہ فریڈرک کے انتخاب سے آپس میں اتحاد ہوجائے گا اور اہل
بوہیمیا کو یہ اعتماد تھا کہ جیمز کے داماد کو اپنا بادشاہ بنا لینے سے
انگلستان ضرور ان کی مدد کرے گا۔ اگر ایک مضبوط طرز عمل اختیار
کیجاتی تو اسپین کو خاموش رہنا پڑتا اور یہ مجادلہ جرمنی ہی کے اندر
محدود رہتا مگر جیمز کو جس سیاست ملکی پر ناز تھا اسکا مدار اسپین
کے خوف پر نہیں بلکہ اسپین کی دوستی پر تھا۔ جرمنی کے پروٹسٹنٹ
حکمرانوں نے جب باہم متفق ہوکر بوہیمیا کی جانبداری کی تو جیمز نے
نہ صرف انہیں مدد دینے سے انکار کردیا بلکہ ہالینڈ کو جو صدق
دل سے پیلیٹائن کا موئد تھا جنگ کی دھمکی دی تمام درباری اور
تمام اہل ملک یکزبان ہوکر جنگ کا مطالبہ کررہے تھے مگر جیمز پر
کچھ اثر ہی نہیں پڑتا تھا۔ جیمز اپنے داماد کو برابر یہی تاکید کررہا
تھا کہ وہ بوہیمیا سے نکل جائے اسے یہ یقین تھا کہ اس صورت
میں انگلستان اور اسپین کی متفقہ کوشش سے امن قائم ہوجائے گا
مگر فریڈرک نے اس تجویز کے قبول کرنے سے انکار کردیا' اسپین
نے بھی معاً پردہ اٹھادیا اور اسکی شہرہ آفاق سپاہ' شہنشاہ کی
مدد کے لئے جلد جلد رائن کیطرف بڑھتی نظر آئی۔ اس فوج
کے بڑھنے نے بوہیمیا کی اس مقامی تنازع کو تمام یورپ کی
جنگ کی صورت میں بدل دیا۔ ایک طرف اہل اسپین نے پیلیٹائن　　نومبر ۱۶۲۰ء
پر قبضہ کرلیا' دوسری طرف میکسی میلن (شاہ بیویریا) کی ماتحتی میں کیتھولک

لیگ کی فوج نے دریائے ڈینیوب پہنچکر آسٹریا کو زیر کرلیا اور فریڈرک کو پراگ کی دیواروںکے سامنے جنگ کرنے پر مجبور کردیا۔ ابھی دن ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ فریڈرک اپنے گھوڑے کو بے تحاشا دوڑاتا ہوا شمال کیطرف بھاگتا نظر آیا۔ لیکن وہاں پہنچکر اسنے دیکھا کہ اہل اسپین پیلیٹانٹ کے وسط میں خیمہ زن ہیں۔

۱۶۲ کی پارلیمنٹ

در حقیقت جیمز کو دھوکا دیا گیا اور جب جرمنی کے مذہب پروٹسٹنٹ کے خطرے میں پڑجانے کے باعث عام جوش پیدا ہوگیا تو اسے دبنا پڑا۔ وہ سرہوریس ویر کو پہلے ہی یہ اجازت دے چکا تھا کہ وہ انگریزی رضا کاروں کو ہمراہ لیکر پیلیٹینیٹ کو جائے مگر یہ مدد بعد از وقت پہنچی۔ اجتماع پارلیمنٹ کا مطالبہ (جسے جنگ کا پیش خیمہ کہنا چاہیئے) بادشاہ کی در پردہ مخالفت پر غالب آگیا، اور ایوانہائے پارلیمنٹ پھر جمع کئے گئے۔ لیکن ارکانِ دار العوام نے جب دیکھا کہ ان سے صرف روپئے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور صلح کو کسی نہ کسی طرح قائم رکھنے کی پرانی کوشش جاری ہے تو وہ سخت منغض ہوگئے۔ جیمز کو اسپینوںکی خوشنودی حاصل کرنے کی یہانتک فکر تھی کہ اسنے اسپین کو آلات حرب لیجانے کی اجازت دیدی تھی۔ دار العوام کے اس تنغض کا اظہار اندرون ملک کے معاملات میں ظاہر ہوا۔ الیزبیتھ، اجاروں کے بند کردینے کا اقرار کرچکی تھی، ان اجاروں کا دوبارہ جاری کرنا نظام سلطنت کے خلاف تھا اور یہ شکایت سب شکایتوں سے بڑھی ہوی تھی۔ پارلیمنٹ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ عالی رتبہ خطا کاروں پر دار الامراء کے

سامنے مقدمہ قائم کرے۔ ہنری ششم کے وقت سے یہ حق معطل پڑا
تھا۔ اب اجارہ داروں کے خلاف اس استحقاق سے کام لیا گیا۔
اور عام غیظ وغضب کے باعث جیمز نے ان اجارہ داروں کو انکی
قسمت پر چھوڑ دیا۔ لیکن اجارے کی کارروائی دربار کی بدعنوانیوں
میں سے صرف ایک بد عنوانی تھی۔ منصب' امارت اور سلطنت کے
عہدے فروخت ہورہے تھے اس سے ایک عام نفرت پیدا ہوگئی
تھی اور اس نفرت کا اظہار یوں کیا گیا کہ سلطنت کے اعلیٰ ترین
عہدہ دار یعنی چانسلر فرینسس بیکن پر (جو اپنی علمیت اور قابلیت
کے اعتبار سے اپنے زمانے کا سب سے ممتاز شخص تھا) مقدمہ
قائم کیا گیا۔ جیمز کی تخت نشینی کے بعد سے بیکن پر برابر شاہی
عنایتوں کا مینہ برس رہا تھا۔ وہ اولاً سالیسٹر (مختار اعلیٰ) بعدازاں
ایٹرنی جنرل (وکیل اعلیٰ) بنایا گیا اور جس سال شکسپیر کا انتقال
ہوا ہے۔ اسی سال وہ پریوی کونسل کا رکن ہوا۔ آخر اسکی نسبت
الیزبیتھ کی پیشنگوئی پوری ہوی اور وہ لارڈ کیپر (محافظ مہر شاہی)
ہوگیا، اور اسکی انتہائی آرزو پوری ہوگئی۔ بکنگھم کے عروج اقبال کو
دیکھکر بیکن اس سے وابستہ ہوگیا تھا اور بکنگھم ہی کی عنایات نے
اسے لارڈ چانسلر بنایا۔ بیرن ویریولم کے نام سے وہ طبقہ امرا
میں بھی داخل کرلیا گیا اور کچھ زمانہ بعد اسے وائی کاؤنٹ سنٹ البنز
کا خطاب مل گیا۔ مگر جن اعلیٰ مقاصد کے پورے کرنے کیلئے
اسنے یہ ذلیل اعزاز قبول کئے تھے وہ اسکے ہاتھ سے جاتے رہے
اسکی تجویز تجویز ہی رہ گئی اور اسے اپنے عہدے پر قائم رہنے کیلئے

بکنگھم اور اپنے مالک کی بد ترین بد عنوانیوں میں ذلّت آمیز شرکت گوارا کرنا پڑی۔ جس زمانے میں وہ عہدہ چانسلری پر فائز تھا وہ ایک ذلیل حکومت کا ذلیل ترین زمانہ تھا۔ اسی زمانے میں رالے قتل ہوا، پیلٹینیٹ مذہب پروٹسٹنٹ پر قربان ہوگیا۔ پیشکش و نذرانے جبراً وصول کئے گئے۔ اجارے کثرت کے ساتھ جاری کئے گئے اور بکنگھم کو عروج حاصل ہوا۔ جیمز کی حکومت جن احمقانہ و مفسدانہ کاموںکے باعث بدنام رہی۔ بیکن نے انہیں سے کسی کام پر اعتراض کرنے کے سوا اور کچھ نہ کیا بلکہ بعض بدترین کاموں میں وہ خود بھی شریک رہا، خاصکر ججوں کو دھمکا کر قانون کو بادشاہ کی مرضی کے تابع کردینے میں اسنے بہت بڑا حصّہ لیا لیکن اس نوجوان منظور نظر (بکنگھم) کیلئے بیکن کے اسقدر تعرضات بھی بہت تھے کیونکہ وہ بیکن کو محض اپنا دست پرور سمجھتا تھا۔ بیکن نے خود کو ڈیوک کے رحم پر چھوڑ دیا اور اسکی طمع کے پورے کرنے میں اپنی ایک مرتبہ کی مخالفت پرکئی بار معافی کا خواستگار ہوا، لیکن پارلیمنٹ عنقریب جمع ہونے والی تھی اور بکنگھم یہ ارادہ کرچکا تھا کہ وہ اپنے ذلیل ماتحتوں کو ۱۶۲۱ قربان کرکے خود اپنی جان بچا لیجائے۔ عام نظروں میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ چانسلر انسانی ترقی کی انتہائی حد پر پہنچا ہوا ہے۔ جانسن اسکی نسبت یہ نغمہ سرائی کررہا تھا کہ "قسمت نے اس کے لئے سب راہیں کھول دی ہیں اور عیش وعشرت کو اسکی لونڈی بنادیا ہے۔" عین اسوقت میں اسکے خلاف طوفان برپا ہوا۔ دارالعوام نے اسپر یہ الزام لگایا کہ اسنے اپنے اداے فرائض میں رشوت

لی ہے۔ یہ دستور رائج تھا کہ مقدمے کے طے ہو جانے کے بعد
چانسلر کامیاب فریق کے تحفے تحائف قبول کیا کرتے تھے۔ بیکن نے
ایسے لوگوں کے تحفے بھی قبول کرلئے تھے جنکے مقدمات ابھی فیصل
نہیں ہوئے تھے اور اگرچہ اس سے فیصلے پر اثر نہ پڑا ہو مگر
ان تحائف کے قبول کرنے کی بابت اسکے پاس کوئی معقول جواب
نہیں تھا۔ اسنے فوراً اس جرم کا اقبال کرلیا اور کہا کہ "میں سچائی کے
ساتھ صاف طور پر یہ اعتراف کرتا ہوں کہ مجھسے یہ قصور سرزد
ہو گیا اور میں کسی قسم کی جوابدہی نہیں کرنا چاہتا' میں امرائے کبار
سے یہ توقع رکھتا ہونکہ وہ ایک شکستہ حال شخص پر رحم کی نظر
ڈالینگے" اسکے اوپر بہت بڑی رقم جرمانے کے طور پر عاید کی گئی۔
بادشاہ نے اگرچہ اسکی طرف سے جرمانہ ادا کردیا مگر مہر شاہی
اسکے ہاتھ سے نکال لی اور وہ سلطنت میں کسی عہدے کے
پانے یا پارلیمنٹ میں بیٹھنے کے ناقابل قرار دیدیا گیا۔ بیکن کے
اس زوال نے اسے پھر اس حقیقی عظمت کی طرف پہنچا دیا جس سے
اسنے اپنی حرص وطمع کے باعث اتنے دنوں تک علیحدگی اختیار
کرلی تھی۔ بن جانس لکھتا ہے کہ "مجھے اسکی نسبت جو حسن ظن
تھا اسیں اسکے عہدے یا اعزاز کے باعث کچھ اضافہ نہیں ہوا
میں اسکی مخصوص عظمت کے باعث ہمیشہ سے اسکی تعظیم وتکریم کرتا
اسکی تصنیفات کیوجہ سے اور اسے گزشتہ وموجودہ زمانے کے
لوگوں میں ایک بہت ہی بلند پایہ اور نہایت ہی قابل احترام
شخص سمجھتا رہا ہوں۔ اسکی پریشان حالی میں' میری دعا ہمیشہ

یہی رہی ہے کہ خدا اسے استقامت عطا کرے کیونکہ عظمت و بلندی کی اسمیں کمی نہیں ہے"۔ اسنے اپنی زندگی کے آخری چار برس میں جس مستعدی کے ساتھ علمی کام انجام دئے اس زور کیساتھ کبھی پہلے اسکی علمی قوت کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ اپنے زوال سے ایک سال پہلے اسنے قانون جدید (Norum Organam) جیمز کے حضور میں پیش کیا تھا۔ زوال کے ایک سال بعد اسنے (تاریخ طبعی و تجرباتی {Natural and Experemental History} تیار کی۔ قوانین کا ایک خلاصہ اور تاریخ انگلستان بعہد شاہان ٹیوڈر (History of England under the Tudors) کا لکھنا شروع کیا' اپنے "مضامین" پر نظر ثانی کی اور ان میں کچھ اضافہ کیا۔ ایک مذاق کی کتاب لکھوائی اور طبیعات کے تجربوں میں مشغول رہا وہ اس امر کا تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ برودت اجسام حیوانیہ کی بوسیدگی میں کس حدتک مانع ہے اسی خیال سے وہ ایک مروہ چڑے کے اندر برف بھرنے کیلئے اپنی گاڑی کو روک کر نیچے اترا' سردی لگ جانے سے بخار آگیا اور اسی بخار میں اسکا انتقال ہوگیا۔

بیکن کا انتقال ۱۶۲۶

پارلیمنٹ کی برطرفی

جیمز اپنی عقل سے اچھی طرح سمجھتا تھا کہ بیکن پر مقدمہ کا چلایا جانا کیسی شدید غلطی تھی مگر بکنگھم کی عداوت اور خود بیکن کے اعتراف جرم کے باعث اسے سزا سے بچانا بھی مشکل تھا۔ پارلیمنٹ نے اگرچہ رشوت ستانی اور اجارہ داری کے خلاف بڑی مستعدی سے کارروائی کی مگر دوسرے معاملات میں اسنے بادشاہ کے تعصبات کا احتیاط کے ساتھ لحاظ کیا اور جب التوائے اجلاس کے

باعث مزید کارروائی روک دیگئی اسوقت بھی اسنے بالاتفاق یہ قرار دیاکہ مذہب پروٹسٹنٹ کے معاملہ میں وہ بادشاہ کی ہر ایک سچی کوشش کی تائید کریگی۔ التوا کے قبل ایک رکن کی جنگجویانہ تقریر سے الزبتھ کے زمانے کاسا جوش پیدا ہوگیا۔ اسکی پرجوش درخواست کے جواب میں دارالعوام نے بالاتفاق یہ منظور کیا کہ پیلیٹنیٹ کی واپسی کیلئے وہ اپنی دولت، اپنی جائداد اور اپنی جان تک نثار کردینگے۔ یہ تحریک باتفاق رائے منظور ہوئی اور اراکین دارالعوام نے اپنی ٹوپیاں جتنی اونچی ہوسکیں اٹھائیں جب اسپیکر (صدر) نے اس تجویز کو پڑھکر سنایا تو دیہاتی فریق کے ایک سرگروہ نے چلاکر کہا کہ "یہ اعلان اس سے بہتر ہے کہ دس ہزار آدمی اسیوقت روانہ ہوگئے ہوتے"۔ اسوقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس عزم سے شاہی حکمتِ عملی کو بڑی تقویت ہوجائیگی جیمز نے اس تمام زمانے میں یہ کوشش کی تھی کہ بواہیمیا، فرڈیننڈ کو واپس ملجائے اور اسپین کے توسط سے شہنشاہ پر یہ اثر ڈالا جائے کہ وہ "پیلیٹنیٹ" سے کسی قسم کا انتقام نہ لے۔ اب اسنے کچھ دیر کیلئے سیاسی تدبیروں کو بالائے طاق رکھکر جنگ کی دہکی دی اور اسطرح اپنے داماد کی مملکت پر حملے کو روک دیا۔ گرمی کے زمانے بھر لڑائی رُکی رہی مگر محض دہمکیوں سے اس سے زیادہ کیا ہوسکتا تھا "پیلیٹنیٹ" کے بالائی حصے کو کیتھولک اتحادیوں نے فتح کرلیا اور جیمز نے پھر وہی اسپین کی وساطت کی پرانی روش اختیار کی۔ جو انگریزی بیڑہ اپنا رُعب بٹھانے کیلئے سواحل اسپین کے آس پاس چکر لگا رہا تھا جیمز نے اسے واپس بلا لیا۔ اسنے اپنے ان وزرا کو بھی الگ کردیا

جو ابتک اسپین کے ساتھ اتحاد عمل کے مخالف تھے اور بہت ہی خفیف وجوہ پر ہالینڈ کو اعلانِ جنگ کی دہمکی دی حالانکہ یہی ایک بڑی پروٹسٹنٹ سلطنت تھی جو انگلستان کے ساتھ متفق اور الکٹر والی پیلیٹائن کی مدد کیلئے آمادہ تھی۔ لیکن جیمز کو ابھی پارلیمنٹ سے بھی دو چار ہونا تھا، پارلیمنٹ نے دوبارہ جمع ہوتے ہی سب سے پہلے اسپین کے ساتھ اعلانِ جنگ کا مطالبہ کیا۔ قوم کی فطری احساس کی ذکاوت بادشاہ کی تدابیر سے بڑھی ہوی تھی۔ سلطنت اسپین اگرچہ تباہ و کمزور ہوگئی تھی مگر دنیا اسے ابھی تک مذہب کیتھولک کی پشت پناہ سمجھتی تھی۔ ابتداً اسی کی فوج کے پیلیٹینیٹ میں داخل ہونے کیوجہ سے یہ ہوا کہ بوہیمیا کی مقامی جنگ رائن کے قرب وجوار سے مذہب پروٹسٹنٹ کے مٹانے کیلئے ایک عام جنگ بنگئی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جیمز اسپین کے زیر اثر تھا اور اسے امید تھی کہ اسکے لڑکے کا عقد اسپین کی کسی شہزادی سے ہو جائیگا، اسی طمع میں اس سے یہ مہلک غلطی سرزد ہوی کہ مذہب پروٹسٹنٹ کے اس سب سے بڑے دشمن کا مطیع بنا رہا۔ ایوانہائے پارلیمنٹ نے اپنی عرضداشت مطالبہ اعلانِ جنگ کے ساتھ یہ بھی درخواست کی تھی کہ جو شخص انگلستان کا آیندہ بادشاہ ہونیوالا ہے اسکی ملکہ بھی پروٹسٹنٹ مذہب کی ہونا چاہئے تجربۂ مابعد سے یہ ثابت ہوگیا کہ ولیعہد سلطنت کا کیتھولک ماں کی گود میں پرورش پانا انگلستان کی آزادی کیلئے کسقدر مضر نکلا۔ مگر سلطنت کی رازداریوں میں ارکانِ پارلیمنٹ کے دخل دینے سے جیمز آپے سے باہر ہوگیا۔

نومبر ۱۶۲۱ء

جب پارلیمنٹ کی طرف سے چند منتخب اشخاص اسکے سامنے آئے تو
اسنے نہایت ہی طنز کے لہجے میں پکار کر کہا کہ "ان سفیروں کیلئے
تپائیاں لاؤ"۔ اسنے عرضداشت کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔
سلطنت کی حکمتِ عملی کے متعلق مزید بحث ومباحثہ کی ممانعت کردی
اور اسپیکر (صدر) کو ٹاور میں بھیجدینے کی دھمکی دی۔ بادشاہ کا خط
جب پڑھا گیا تو ایک رُکن نے اطمینان کے ساتھ کہا "ہمیں پہلے
نماز سے فارغ ہونا چاہیئے پھر اسکے بعد اس اہم معاملہ پر بحث
کیجائیگی" بحث کے روکنے کے متعلق اس شاہی فرمان کے جواب
میں دارالعوام نے ایک عذرداری پیش کی اس عذرداری کے
لب ولہجہ سے انکا انداز ظاہر ہوگیا۔ اس میں لکھا تھا کہ "پارلیمنٹ
کی آزادی، اسکا انتخاب، اسکا حق امتیازی، اسکا اقتدار واختیار رعایائے
انگلستان کا قدیمی وپیدائشی حق ہے اور وراثتہً انہیں حاصل
ہوا ہے۔ تمام اہم وضروری معاملات جنکا تعلق بادشاہ، سلطنت
حفاظتِ ملک اور کلیسائے انگلستان سے ہو، نیز قوانین کا وضع کرنا
اور انکا قائم رکھنا اور جس قسم کی شکایات روزانہ مُلک میں پیش
آتی رہتی ہیں انکا رفع کرنا، یہ سب ایسے معاملات ہیں جن پر پارلیمنٹ
میں بحث ہوسکتی ہے اور جنکی نسبت پارلیمنٹ مشورہ دیسکتی ہے۔
ان معاملات کی کارروائی اور بحث کے دوران میں ہر رکن کو یہ
حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ ان پر بحث کرے، اپنے
دلائل پیش کرے اور انہیں انجام کو پہنچائے"۔

دارالعوام کی عذرداری

بادشاہ نے اس عذرداری کے جواب میں بڑی تندمزاجی سے

دسمبر ۱۶۲۱

کام لیا۔ اسنے دارالعوام کی روئداد طلب کرکے اِن اوراق کو خود اپنے ہاتھ سے پھاڑ ڈالا جنمیں یہ مضمون درج تھا اور کہاکہ "میں اپنی حکومت میں عام نفع رسانی کا خیال رکھونگا مگر میں عام رائے کا پابند نہیں ہونگا۔" چند روز بعد اسنے پارلیمنٹ کو برطرف کردیا۔ خطرہ جنگ کے رفع ہو جانے کے جوش مسرت میں کاؤنٹ گونڈ و مارنے اپنے آقا شاہ اسپین کو لکھتا تھاکہ "جسوقت سے لوتھر نے وعظ کہنا شروع کیا ہے اسوقت سے اسپین اور مذہب کیتھولک کے لئے اس سے زیادہ مفید کوئی کام نہیں ہوا ہے"۔ دوسری طرف مسٹر ہنری سیول اپنے بستر مرگ پر پڑا یہ کہرہا تھاکہ "میں نے اچھا زمانہ دیکھا ہے اب آئندہ ناگوار زمانہ دیکھنے کے بہ نسبت مجھے مرنا زیادہ پسند ہے"۔ درحقیقت بیرون ملک کے تمام مفاد کا خاتمہ ہوگیا تھا اور سلطنت جرمنی مجنونانہ وکورانہ طورپر جنگ سی سالہ کے سمندر میں کود پڑی تھی مگر خود انگلستان کے اندر آزادی کو فی الحقیقت فتح حاصل ہوگئی تھی جیمز نے خود اپنے ہاتھوں سے بادشاہی کے خاص ذریعہ قوت کو برباد کردیا تھا۔ اپنی شخصی حکومت کے شوق میں اسنے مجلس شاہی کے اقتدار کو ضایع کردیا اور لوگ وزرائے شاہی کو بے حقیقت سمجھنے لگے تھے، وہ دیکھتے تھے کہ بادشاہ کے مورد عنایت ندیم وزیروں کو چشم نمائی کرتے ہیں، اور خود وزرا رشوت ستانی کے الزام میں عہدوں سے برطرف کئے جاتے ہیں۔ اسکے قبل رعایا آنکھ بند کرکے بادشاہ پر اعتماد کرنے کی عادی ہوگئی تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان پر سحر کردیا گیا ہے مگر جیمز نے ملک کے اندر اور ملک کے باہر ایسی روش اختیار کی جسے

قوم کا ہر فرد خلافِ عقل سمجھتا تھا۔ اس سے لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں،
اور یہ طلسم ٹوٹ گیا۔ اسنے ایوانہائے پارلیمنٹ سے ایسے مناقشے برپا
کردئے اور اسطرح انکی تذلیل و اہانت کی کہ انگلستان کے کسی بادشاہ
نے ایسا نہیں کیا تھا۔ خوبی یہ تھی کہ جس اقتدار پر وہ اسقدر نازاں
تھا وہ برابر پارلیمنٹ کیطرف منتقل ہوتا جارہا تھا اور وہ اسکے روکنے
سے عاجز تھا۔ ارکانِ دارالعوام کو طنزاً "سفرا" کہنے میں طعن کے
علاوہ جیمز کی تفرس کو بھی دخل تھا۔ دارالعوام میں ایک قوت
ایسی پیدا ہوگئی تھی جسے آخرکار بادشاہ کو ماننا پڑیگا۔ بادشاہ کے رنج
وغصے کے باوجود پارلیمنٹ اپنے اس مختص حق پر قائم رہی کہ محاصل
کی نگرانی اسی کا کام ہے۔ اسنے اجاروں پر اعتراض کیا، عدالتوں کی
خرابیوں کی اصلاح کی۔ اپنے اس استحقاق کو دوبارہ زندہ کیا کہ وہ تاج
کے بڑے سے بڑے وزیر سے مواخذہ کرسکتی اور اسے برطرف کرسکتی ہے
اسنے اس حق خاص کا بھی دعویٰ کیا کہ بہبود سلطنت سے جن معاملات
کا تعلق ہے ان پر وہ آزادانہ بحث کرسکتی ہے۔ اسنے مذہبی مسائل
کے طے کرنے کا بھی دعویٰ کیا۔ غیر ملکی حکمتِ عملی کے مقدس "راز"
تک کی نسبت اپنی رائے کا اظہار کیا۔ جیمز غداری کو پارلیمنٹ کی
کتاب کارروائی سے نکال سکتا تھا مگر ۱۶۲۱ء کی پارلیمنٹ کے
کارناموں میں اور بہت سے ایسے اوراق تھے جن کا تلف کردینا
اسکے امکان سے باہر تھا۔

جزو سوّم

بادشاہ و پارلیمنٹ

۱۶۲۳ - ۱۶۲۹

اسناد - اس زمانے کے پہلے حصے کیلئے مسٹر گارڈنر کی "تاریخ انگلستان من ابتدائے عہد جیمز اول" بدستور کار آمد ہے - اس کتاب سے تاریخ انگلستان کے ایک نہایت ہی تاریک زمانے پر بہت کافی ووافی روشنی پڑتی ہے۔ چارلس کے اوائل عہد کیلئے بھی گارڈنر کی کتاب خالی از فوائد نہیں ہے۔ مسٹر فارسٹر کی "سوانح عمری سرجان الیٹ" (Life of Sir John Elist) میں اس دور کے حالات بڑی ہی صفائی سے لکھے گئے ہیں - عہد چارلس کے عام حالات کے متعلق مسٹر وڈ رائلی کی "تشریحات حکومت چارلس اول" (Comentries on the Reign of Charles I) ایک جانب کے بیانات میں بہت ہی ممتاز ہے - دوسری طرف براڈی کی "تاریخ شہنشاہی برطانیہ" (History of the Biritish Empire) اور گاڈون کی "تاریخ دولت عامہ" (History of the Common wealth) ہیں - ایم گیزو کی تصنیف بے لوث وصحیح واقعات پر مشتمل ہے لنگارڈ کی کتاب انگلستان کے کیتھولکوں کی تاریخ اور غیر ملکی معاملات کی تفصیل کیلئے خاص طور پر قابل قدر ہے - مذہبی لحاظ سے لاڈ کا "روز نامچہ" (Diary)

دیکھنا چاہئے ۔ دار العوام کی روئداد سے پارلیمنٹ کی کارروائیوں کا حال معلوم ہوتا ہے ۔ سرکاری کاغذات کی جو فہرستیں "محافظ صحائف" (Master of the Rolls) کی طرف سے شایع ہو رہی ہیں، وہ اس تمام دور کے لئے نہایت ہی قابل قدر تاریخی مواد کا کام دیتی ہیں ۔ انکے کی "سترہویں صدی کی تاریخ انگلستان" (History of England in the Seventeenth century) شاہانِ ٹیوڈر کے تمام دور حکمرانی کیلئے ضروری ہے ۔

اسپینی ازدواج

جیمز نہایت اصرار کے ساتھ اپنی اسپین والی حکمت عملی پر اڑا ہوا تھا مگر اس معاملہ میں وہ بالکل تنہا تھا ۔ نہ صرف پرانے اُمرا و مُدبّرین جو عہد الیزبیتھ کے روایات پر قائم تھے دار العوام کے ہمخیال تھے بلکہ خود جیمز کے وزرا میں بکنگھم اور کرینفیلڈ (خازن) کے سوا باقی تمام وزرا بھی اسی خیال کے تھے ۔ اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ اسپین کے اثر سے متخاصین کو صلح پر مجبور کردے اور پیلیٹینیٹ کو اسکے الکٹر (والی) کو واپس دلادے ۔ اس اثر کے پیدا کرنے کیلئے وہ اس امر پر زور دیتا تھا کہ اس عظیم الشّان کیتھولک سلطنت سے زیادہ قریبی اتحاد پیدا کیا جائے ۔ اس اتحاد اور اسکی متوقع کامیابی کو مستحکم کرنے کیلئے وہ اپنے بیٹے چارلس کا عقد اسپین کی شہزادی سے کرنا چاہتا تھا جیمز کی نخوت و تعلّی کو قائم رکھنے کیلئے شاہ اسپین نے شہزادی کے عقد کو روک رکھا تھا ۔ جیمز اسکی تکمیل پر جسقدر زور دیتا تھا شاہِ اسپین اسیقدر کھنچتا جاتا تھا ۔ آخر بکنگھم نے یہ صلاح دی کہ شاہ اسپین کو مجبور کردینے کیلئے چارلس خود اسکے دربار میں جائے ۔ ۱۶۲۳

اس صوابدید کے موافق شاہزادہ نخفیہ طور پر انگلستان سے روانہ ہوا اور

بکنگھم کے ساتھ میڈرڈ پہنچکر اپنے عقد کی خواستگاری کی اسپین نے کچھ مطالبات بڑھا دئے مگر جب انگلستان اسکے ہر مطالبے کے پورا کرنے کیلئے آمادہ تھا تو اسکا کوئی مآل کار نہیں ہوا۔ کیتھولکوں کے خلاف تعزیری قوانین کی برطرفی، شہزادے کے بچوں کی کیتھولک تعلیم وتربیت، شہزادی کیلئے کیتھولک انتظام خانہ داری، سب زبان سے نکلتے ہی منظور ہوگئے۔ لیکن پھر بھی عقد میں تاخیر ہوتی گئی، ادھر جرمنی میں اس نئی حکمتِ عملی کا بہت بڑا اثر پڑرہا تھا۔ کیتھولک لیگ کی فوجیں کاؤنٹ ٹلی کے تحت میں اپنے غیر متحد دشمنوں کے خلاف فتح پر فتح حاصل کرتی جاتی تھیں۔ ہائڈلبرگ اور مین ہائم کے زیر ہوجانے سے پیلیٹینیٹ کی فتح بالکل مکمل ہوگئی اور پیلیٹینیٹ کا والی بے یار و مددگار ہالینڈ کو بھاگ گیا۔ شہنشاہ نے اسکے شاہی اعزاز کو ڈیوک بویریا کیطرف منتقل کردیا۔ لیکن اس وقت تک بھی اسپین کی مترقبہ مداخلت کے آثار کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ آخر خود چارلس کے زور دینے پر اسپین کی حکمت عملی کا راز کھل گیا۔ شہزادے نے جب جرمنی میں پرزور مداخلت کا مطالبہ کیا تو آلیواریز نے صاف کہدیا کہ "ہماری سلطنت کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ شاہ اسپین کسی حال میں بھی شہنشاہ سے جنگ نہیں کریگا۔ ہم اپنی فوجیں شہنشاہ کے خلاف استعمال نہیں کرسکتے" شہزادے نے جواب دیا کہ "اگر یہی ہے تو پھر سب باتوں کا خاتمہ ہے"۔

چارلس اول

شہزادے کی واپسی پر تمام قوم میں مسرت وشادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی اس ازدواج کی ناکامی اور اس حکمتِ عملی کی شکست سے

جسنے اتنی مدت تک انگلستان کی عزت کو اسپین کے قدموں پر نثار کردیا
تھا، لندن میں خوشی کا یہ عالم ہوا کہ باوجودیکہ یہ ناکامی فی الوقت باعثِ
ذلت تھی مگر ہرجگہ خوشی میں آگ روشن کیگئی۔ چارلس نے واپس آکر
بکنگھم کی مدد سے اختیارات اپنے باپ کے ہاتھ سے نکال لئے۔
اس سفر میں جولوگ شہزادے کے ہمراہ تھے انہیں یہ اچھی طرح
معلوم ہوگیا تھا کہ اسکی طبیعت میں خود رائی وکمزوری کیسے عجیب طور
سے ملی ہوی ہے۔ وہ اپنی دو روئی کیوجہ سے بے تامل ہربات کا
وعدہ کرلیتا تھا مگر وہ وعدے کی پابندی کو کبھی لازم نہیں سمجھتا تھا
اپنی رعونت کے باعث وہ ہر ایک سیاسی ضرورت کو اپنی شخصی
نخوت اور شخصی عداوت کے زیر اثر کردیتا تھا۔ اسنے اسپین کے
اسقدر مطالبات منظور کرلئے تھے کہ خود اہل اسپین کو ان مراعات
کے پورے ہونے کا اعتماد نہیں رہا تھا۔ اپنی کوششوں کی ناکامی سے
اس کا دل غصہ سے بھرا ہوا تھا مگر عین روانگی کے وقت اسنے اپنے
وعدۂ عقد کو پھر تازہ کردیا تاکہ جب وہ خود انگلستان پہنچکر محفوظ ہوجائے
تو اس وعدے کو واپس لیکر شہزادی کی توہین وتذلیل کرے، مگر
انگلستان کے عام لوگوں کو ابھی تک اسکی طبیعت کی اُن خرابیوں کا
علم نہیں ہوا تھا۔ اسکی متانت، اسکی شانِ خود داری، اسکی خوش اخلاقی
اسکے باپ کی فضول گوئی اور نازیبا حرکات کے مقابلے میں بہت غنیمت
معلوم ہوتی تھی۔ جن درباریوں نے اسے نوعمری میں دیکھا تھا وہ
اکثر خدا سے یہ دعا کرتے تھے کہ "تخت نشین ہونے پر وہ راہ راست
پر قائم رہے کیونکہ اگر اسنے غلط روش اختیار کی تو اسوقت تک جتنے

بادشاہ ہوئے ہیں وہ سب سے بدتر ثابت ہوگا"۔ لیکن قوم اس کی خودرائی کو استقلال پر محمول کرتی تھی، اسپین سے واپس آکر اسنے اپنی کینہ پژدھی کے باعث جو روش اختیار کی لوگوں نے اسے حُبّ الوطنی اور عمدہ حکومت کے آثار خیال کئے۔ چارلس اور بکنگھم کے زور دینے پر بادشاہ کو پارلیمنٹ طلب کرنا اور اس امر پر راضی ہونا پڑا جسکے باعث گزشتہ پارلیمنٹ سے مخالفت ہوگئی تھی یعنی اسپین کی گفت وشنود کی تمام کیفیت پارلیمنٹ کے سامنے پیش کردی گئی۔ شہزادے اور بکنگھم نے بذاتِ خاص پارلیمنٹ کے اس مطالبہ کی تائید کی کہ اسپین سے جو معاہدے ہوئے ہیں فسخ کردئے جائیں اور اسکے خلاف اعلان جنگ کردیا جائے۔ اخراجات بھی ذوق وشوق کے ساتھ منظور ہوگئے۔ اسپین کے خیال سے کیتھولکوں کی داروگیر مدت سے بند تھی، اب اس میں بھی شدّت پیدا ہوگئی۔ حامی اسپین فریق کے سرگروہ اول کرینفیلڈ ارل میڈلیکس (خازن) پر رشوت ستانی کا مقدمہ قائم کرکے اسے عہدے سے معزول کردیا گیا۔ اس روبیں جیمز کی کچھ پیش نہ گئی مگر اسنے اپنی تیز فہمی سے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہوا کا رخ کدھر ہے۔ اسکے منظور نظر بکنگھم نے بہت کوششوں سے اسے مڈلکس کی معزولی پر راضی کیا۔ مگر اسنے یہ کہدیا کہ "تم خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہو"۔ بکنگھم اور چارلس جنگ کی تجویز پر مصر رہے ہالینڈ سے اتحاد کا عہد نامہ ہوگیا۔ شمال جرمنی میں لوتھر کے پیرو حکمرانوں کے ساتھ مراسلت جاری ہوگئی جو الکٹر پیلیٹائن کی بربادی کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے تھے

اسپین سے تفرقہ ۱۶۲۴

اب تجویز یہ ٹھیری کہ فرانس سے اتحاد کرلیا جائے اور ہنری چہارم کی بیٹی یعنی موجودہ شاہ فرانس کی بہن ہنریٹا (Henrietta) سے چارلس کا عقد کردیا جائے۔ "اتحاد ثلاثہ" کو از سرنو قائم کرنا درحقیقت الیزبیتھ کے طریق پر دوبارہ کاربند ہونا تھا ہنریٹا کیتھولک عقیدے کی تھی اسلئے اس تجویز کا پتہ چلتے ہی دارالعوام میں مخالفت شروع ہوگئی۔ اسی اثنا میں جیمز کا انتقال ہوگیا' چارلس تخت پر بیٹھا اور اسکی پہلی پارلیمنٹ مئی ۱۶۲۵ء میں جمع ہوی۔ سر بنجمن رڈیارڈ نے دارالعوام میں کہا کہ "اب جو بادشاہ ہمپر حکمران ہے' اس سے ہم ہر ایک امر کی توقع کرسکتے ہیں"۔ لیکن دارالعوام میں سر بنجمن رڈیارڈ سے زیادہ ذیفہم لوگ بھی موجود تھے اور پارلیمنٹ کی آخری نشست کے بعد چند مہینے کے اندر اندر بہت سے واقعات اسے پیش آچکے تھے جسکی وجہ سے ضروری تھا کہ وہ اپنی وفاداری کے اظہار میں زیادہ تامل سے کام لیں۔

جیمز کا انتقال ۱۶۲۵

چارلس کی طرز عمل

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عام انگریزوں کی نظر میں اسپین سے جنگ کرنا مذہب کیتھولک سے جنگ کرنے کے مرادف تھا اور جب بیرون ملک کے کیتھولکوں کے خلاف جوش پیدا ہوتا تھا تو لامحالہ اندرون ملک کے کیتھولکوں کے خلاف بھی جوش میں ترقی ہوجاتی تھی۔ پروٹسٹنٹ' انگلستان کے ہر ایک کیتھولک کو دشمن سمجھنے لگتے تھے۔ جو پروٹسٹنٹ کیتھولک طریقے یا عقیدے کی طرف ذرا بھی مائل ہوتا وہ چھپا ہوا باغی سمجھا جاتا تھا۔ چارلس نے یہ اقرار کیا تھا کہ وہ فرانس کے ساتھ کسی قسم کی مذہبی مراعات نہیں برتے گا

لیکن عام گمان یہ تھا کہ اسنے اپنے عقد کیوقت یہ وعدہ کرلیا ہے کہ وہ کیتھولکوں کے خلاف تعزیری قوانین کو نرم کردیگا۔ یہ گمان بہت جلد یقین سے بدل گیا اور ایک غیر ملکی طاقت کو پھر سلطنت کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل ہوگیا۔ چارلس کی نظرِ عنایت بھی بظاہر انہیں لوگوں کی جانب تھی جو مذہب کیتھولک کی طرف مائل تھے۔ جن مختلف گروہوں کی طرف سے طریق پیوریٹنی کی مخالفت ہورہی تھی اس کے ارکان آرمینین (پیروانِ آرمینیس) کے نام سے ایک حدتک باہم متحد تھے اور اس مخالفت کا مسلّمہ مرکز اسقف لاڈ تھا اور لاڈ ہی کو اب بادشاہ نے معاملاتِ مذہبی میں اپنا مشیر بنالیا تھا، اسکی سرپرستی میں اس نئے فریق کی جُرأت و تعداد دونوں میں اضافہ ہوگیا۔ اسے بالطبع یہ فکر تھی کہ تاج کے اختیارات کو فروغ دیکر خود بھی حفاظت میں آجائے۔ بادشاہ کے ایک ندیم مانٹیگو نے اس حدتک جُرأت کی کہ برّاعظم کے اصلاح شدہ مذہبوں کو روما کے مقابلے میں حقیر بتایا اور کلیسا کے لئے انہیں عقائد کے مسلّم سمجھنے پر زور دیا جنہیں پیروان کالون مسترد کرچکے تھے۔ مذہبی معاملات میں دارالعوام کا انداز ہر غور کرنے والے شخص پر واضح تھا۔ ایک رُکن جو دارالعوام کی کارروائی کی یادداشت لکھا کرتا تھا وہ لکھتا ہے کہ "مذہب کے متعلق جب کبھی کسی خوف وخطر کا مذکور ہوتا ہے یا پوپ کے اثر بڑھنے کا ذکر آتا ہے تو ارکان کے خیالات میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے"۔ دارالعوام نے پہلا کام یہ کیا کہ مانٹیگو کو جوابدہی کیلئے طلب کیا اور اسے قید کردیا

لیکن بادشاہ کے مذہبی خیال کے علاوہ اس سے بدظن ہوجانے کے
اور بھی اسباب تھے۔ اسپین کی جنگ کیلئے آخری مرتبہ جن شرائط پر
رقم منظور کی گئی تھی، ان شرائط کو حقارت کے ساتھ پس پشت ڈالدیا
گیا تھا۔ نئی امداد کی خواہش کی تو نہ رقم کی کوئی مقدار معین کیگئی
نہ یہ بتایا گیا کہ کس جنگ کیلئے اس رقم کی ضرورت ہے۔ اس سکوت
کے جواب میں پارلیمنٹ نے بھی احتیاط سے کام لیا۔ اسنے ایک
قلیل وناکافی رقم منظور کی اور اسکے ساتھ ہی "ٹنیج" اور "پونڈیج"
کے نام کے جو محصولات ہر نئے بادشاہ کو زندگی بھر کیلئے دئے
جایا کرتے تھے انہیں اس بنا پر ایک برس کیلئے محدود کردیا تاکہ
اس اثناء میں ان جبریہ اضافوں پر غور کیا جاسکے جو جیمز نے
ازخود ان محصولوں پر بڑھادئے تھے۔ اس بندش کو چارلس نے
اپنی توہین قرار دیا' اسنے ایسے روپئے کے قبول کرنے سے انکار
کرکے پارلیمنٹ کو ملتوی کردیا۔ پارلیمنٹ جب دوبارہ آکسفورڈ میں
اگست ۱۶۲۵ء
جمع ہوئی تو اسنے اور زیادہ سخت روش اختیار کی کیونکہ چارلس
نے پارلیمنٹ کے علی الرغم مانٹیگو کو قید خانے سے نکال کر ایک
شاہی عبادتگاہ کا پیش نماز مقرر کردیا تھا۔ اور بغیر اختیار قانونی
متنازعہ فیہ آمدنی کو وصول کرتا رہا تھا۔ سر رابرٹ فلپس نے کہاکہ
"انگلستان آخری بادشاہت ہے جسکی آزادی ابتک قائم ہے۔ چاہئے
کہ اب اسے تباہی سے محفوظ رکھا جائے۔" لیکن دارالعوام نے
جیوں ہی اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ پہلے عام شکایات کو سنیگی
اسکے بعد کسی اور کام کی طرف توجہ کرے گی، معاً چارلس نے

بکنگھم کے منصوبے

پارلیمنٹ کو برطرف کردیا۔ بکنگھم نے یہ خیال کیا کہ دارالعوام کے اس اصرار و استقامت کا سبب صرف یہ ہے کہ جنگ کی ناکامی سے ان میں بالطبع بددلی پیدا ہوگئی ہے' اسلیئے اسنے یہ ارادہ کیا کہ کوئی بڑی فوجی کامیابی حاصل کرکے دارالعوام کو اس آئینی جدوجہد سے باز رکھے موقع ملتے ہی وہ ہیگ کی طرف روانہ ہوگیا تاکہ خاندانِ آسٹریا کے خلاف ایک عام اتحاد کی تکمیل کرے ادہر نوے جہازوں کا ایک بیڑا اور دس ہزار سپاہی ماہ اکتوبر میں پلی متھ سے ساحل اسپین کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن بکنگھم کی بدانتظامی سے یہ تمام عظیم الشان تجویزیں برہم ہوگئیں۔ اتحاد کا منصوبہ بیکار ثابت ہوا۔ قادس پر ایک سست سا حملہ کرنے کے بعد اسپین کی فوج بغاوت و بیماری سے شکستہ حال ہوکر واپس آگئی۔ فوجی سازو سامان درست کرنے میں بہت بڑی رقم قرض لینا پڑی تھی اور اسوجہ سے بکنگھم کو مجبورًا یہ صلاح دینا پڑی کہ ایک نئی پارلیمنٹ طلب کیجائے مگر اپنی ناکامیابی کیوجہ سے وہ جس خطرے میں گھر گیا تھا اسے وہ اچھی طرح محسوس کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسکے درباری رقیبوں اور سابقہ پارلیمنٹ کے سرگروہوں میں اسکے خلاف اتفاق ہوگیا ہے۔ مگر اسنے اپنی بےباکانہ جُرأت کیساتھ پہلے ہی اس خطرے کا تدارک کردینا چاہا اور متواتر حملوں سے اپنے مخالفوں پر خوف طاری کردینے کی کوشش کی لارڈ ارنڈل کو ٹاور میں بھیجکر مشیرانِ شاہی کو پست کردیا گیا' سر رابرٹ فلپس' کک' اور چار اور محبّانِ وطن کو اپنے ضلعوں کا شیرف (ناظم ضلع) بنادیا گیا اور اس طرح وہ آئندہ پارلیمنٹ میں شریک ہونے سے

روک دیے گئے۔ لیکن ان لوگوں کے خارج ہوجانے سے ایک ان سے زیادہ مہیب دشمن کیلئے میدان صاف ہوگیا۔

{الیٹ}

اگر زمانہ مابعد کی قومی مقاومت میں ہیمپڈن اور پم کی شخصیات بہت نمایاں سمجھی جاتی ہیں تو آزادی پارلیمنٹ کے ابتدائی سلسلہ کا محرک سرجان الیٹ کو سمجھنا چاہئے۔ اسکا تعلق ایک پرانے خاندان سے تھا جس نے الیزبیتھ کے زمانے میں سنٹ جرمنز نامی ماہی گیروں کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں اقامت اختیار کرلی تھی اور بعدکو وہیں اپنا شاندار محل پورٹ الیٹ کے نام سے تیار کیا تھا۔ وہ بکنگھم کی سرپرستی میں ترقی کرکے ڈیونشائر کے نائب امیرالبحر کے عہدے پر پہنچ گیا تھا رودبار میں قزاقی کے فرو کرنے میں اسنے بڑے کارہائے نمایاں کئے تھے مگر اسکے صلے میں اسے قیدخانہ دیکھنا پڑا۔ ابھی اسکی جوانی کا آغاز تھا، طبیعت میں مذاق زمانہ کے موافق شاعری وعلم کا ذوق موجود تھا فطرت میں بلند نظری اور انہماک کا خاص مادہ تھا۔ مزاج بیخوف اور جوشیلا تھا۔ طبیعت اسقدر مستقل تھی کہ نوجوانی میں ایک مرتبہ ایک ہمسائے نے اسکے باپ سے اسکی شکایت کی تھی تو اسنے اس پر تلوار کھینچ لی۔ آگے چلکر یہی صفت اسکی گرمی تقریر کا باعث ہوی۔ لیکن جسقدر اسکے مزاج میں تیزی وتندی تھی اسیقدر اسکا ذہن صاف وپرسکون تھا عقد اسپین کی ناکامی سے جو عام جوش پیدا ہوگیا تھا، اسوقت وہی ایک شخص تھا جو اس امرپر زور دیرہا تھا کہ بادشاہ کے ساتھ کسی حقیقی مصالحت سے قبل یہ ضروری ہے کہ پارلیمنٹ کے حقوق کو تسلیم کیا جائے۔ اسنے ابتداہی سے اس امرکو اپنا نصب العین بنالیا تھا

کہ شاہی وزرا سے پارلیمنٹ کو باز پرس کا حق ہے انگلستان کی آزادی کا سب سے نازک مسئلہ یہی تھا۔ بکنگھم نے جب دارالعوام کی نارضامندی پر مڈلسکس (خازن) کو قربان کرنا چاہا تو الیٹ نے اسی خیال سے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اسنے یہ استدلال کیا کہ "قانون کی خلاف ورزی کرنے والے جتنے بلند مرتبہ ہونگے ان کی خلاف ورزی بھی اتنی ہی بڑھی ہوی ہوگی۔ بلند پایہ اشخاص اور عہدہ دار اگر نیک صفت ہوں تو یہ خوش نصیبی کی دلیل اور ملک کیلئے بہت بڑی برکت ہے مگر جب اختیار حکومت سے ناجائز کام لیا جائے تو اس سے بڑھکر کوئی بدبختی بھی نہیں ہے"۔ نئی پارلیمنٹ کے جمع ہوتے ہی الیٹ نے سامنے آکر مڈلسکس سے بھی ایک بڑے درجے کے شخص کو مجرم ٹھہرانے کی دہمکی دی۔ اسنے جب ٹہم قادس کی تحقیقات کا مطالبہ کیا تو اسنے ایسے تہدیدی الفاظ استعمال کئے کہ چارلس کو خود دخل دینا پڑا اور بادشاہ نے بھی دہمکی کا جواب دہمکی ہی سے دیا۔ اسنے دارالعوام کو لکھا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ تمھارا اشارہ ضرور ڈیوک بکنگھم کیطرف ہے۔ میں تمہیں جتنا دینا چاہتا ہوں کہ میں اسکا روادار نہیں ہونگا کہ میرے کسی ادنیٰ ترین ملازم کی نسبت بھی تم لوگ جرح وقدح کرو چہ جائیکہ تم ایسے لوگوں سے باز پرس کرنا چاہتے ہو جنکے مرتبے اسقدر بلند ہوں اور جنہیں مجھ سے اس درجہ قرب حاصل ہو"۔ بیکن اور مڈلسکس کی باز پرس کی بناپر جس حق کو تسلیم کیا جاچکا تھا اس پر اس سے زیادہ سخت حملہ نہیں ہوسکتا تھا مگر الیٹ نے بھی اپنے آئینی استحقاق سے ایک قدم پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ قانون کے

مواخذہ بکنگھم ۱۶۲۶ء

رو سے بادشاہ ذمہ داری سے بری تھا کیونکہ وہ "کوئی کام خلاف قانون نہیں کرسکتا تھا" پس مُلک کو اگر خالص مطلق العنانی سے بچانا منظور تھا۔ تو وہ اسیطرح ممکن تھا کہ ان وزرا کو ذمہ دار بنایا جائے جو بادشاہ کو صلاح دیتے اور اسکے احکام کو عمل میں لاتے ہیں۔ الیٹ، بکنگھم کی ناقابلیت اور اسکی رشوت ستانی کے ظاہر کرنے سے باز نہیں آیا اور دارالعوام نے یہ طے کردیا کہ بادشاہ کی مطلوبہ رقم اسوقت ادا ہوگی "جب اپنی شکایات بادشاہ کے حضور میں پیش کرینگے اور انکا جواب سُن لینگے"۔ چارلس نے ارکانِ دارالعوام کو وہائٹ ہال میں طلب کرکے اس شرط کے خارج کردینے کا حکم دیا اور کہا کہ "میں تمہیں صلاح ومشورے کی آزادی دینے پر رضامند ہوں مگر نگرانی کی آزادی نہیں دے سکتا"۔ اس ملاقات کو اسنے اس سخت تہدید پر ختم کیا کہ "یاد رکھو کہ پارلیمنٹ کی طلب، اسکا اجلاس، اسکا التوا سب میرے اختیار میں ہے اسلئے اسکا جاری رہنا یا بند ہو جانا اسی پر منحصر ہے کہ مجھے اسکے آثار نیک معلوم ہوتے ہیں یا بد"۔ لیکن جسقدر بادشاہ اپنی رائے پر مستقل تھا اسی قدر دارالعوام بھی اپنی رائے پر مستحکم تھا۔ بکنگھم کے مواخذہ کی تجویز منظور ہوکر دارالاُمرا میں بھیجدی گئی۔ بادشاہ کا یہ موردِ عنایت ندیم خود اپنے الزام کے سننے کیلئے ایسے متکبّرانہ انداز سے آکر دارالامرا میں بیٹھا کہ دارالعوام کے مامورین میں سے ایک شخص سر ڈڈلی ڈگس نے اسکی طرف مخاطب ہوکر سخت لہجے میں یہ کہا کہ "کیا جناب والا اسے محض مذاق سمجھتے ہیں مگر میں یہ دکھا سکتا ہوں کہ جناب سے بھی ایک بلند پایہ

شخص جو اپنے مرتبہ و اختیار اور تقرب شاہی کے اعتبار سے جناب سے کسی طرح سے کم نہ تھا۔ ایسے ہی خفیف الزامات پر پھانسی پا چکا ہے۔" ڈیوک کے اس متکبرانہ انداز کو دیکھکر الیٹ نے زبانِ طعن و تشنیع دراز کی جس سے پارلیمنٹ کی تقریروں کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ پرانے مقرروں کی سنجیدگی و بے مزہ بحث کے مقابلے میں اس کے الفاظ کی درشتی وتندی اول ہی سے نمایاں تھی اور اسکے مخالفین اسپر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ جذبات کو بھڑکانا چاہتا ہے۔ وہ اس زمانے کے ثقیل جملوں کے بجائے رواں اور زوردار جملے استعمال کرتا تھا۔ اسکے سریع الفہم استدلال' اسکے چبھتے ہوئے شوخ استعارے' اسکی بے باکانہ طعن و تشنیع' اسکی پُرجوش التجاؤں نے انگریزی زبان کی فصاحت وبلاغت میں ایک نئی جھلک دکھلادی۔ بکنگھم کی نمایشی خفیف الحرکاتی بلکہ خود اسکی ذات تک (جو زرو جواہر سے جگمگاتی رہتی تھی) سخت اعتراضات کا موجب بن جاتی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ" اسنے سلطنت کے شیرازے کو درہم وبرہم اور بادشاہ کے خزانہ کو خالی کردیا ہے۔ اسکا ثبوت اظہر من الشمس ہے۔ اسکے بیدریغ اخراجات' اسکی بے ضرورت دعوتیں اسکی شاندار عمارتیں اسکے ناے و نوش' اسکی عیش پرستیاں' سب زبانِ حال سے یہ شہادت دیرہی ہیں کہ اسنے سلطنت کا خون چوس لیا ہے اور بادشاہ کے خزانہ کو نہایت بیدردی سے ضایع کردیا ہے" اسی سختی کے ساتھ الیٹ نے ڈیوک کے دوسرے معائب پر نظر ڈالی۔ اسکی طمع و رشوت ستانی" اسکی ناآسودہ حرص' اسکا تمام سرکاری اختیارات کو اپنے اغراض کیلئے برباد کرنا' ایک ایک کرکے گنایا گیا۔ الیٹ نے کہا کہ" بادشاہ کی

خوشنودی ایکے احکام' اسکے سرکاری افعال' اسکی مجلس کی کارروائیاں' اسکی عدالتوں کے فیصلے' سب اسی ایک شخص کی مرضی کے تابع ہوگئے ہیں۔ کوئی استحقاق کوئی مقصد اسکے راستے میں حائل نہیں ہوسکتا۔ سلطنت اور عدالت کے اختیارات کو اسنے ہمیشہ اپنے اغراضِ ذاتی کے پورا کرنے کا آلہ بنائے رکھا ہے"۔ آخر میں بکنگھم اور سیجینس کے مقابلہ میں الیٹ نے اپنی تقریروں کو ان الفاظ پر ختم کیا "حضرات والا! یہ شخص آپ کے روبرو موجود ہے اسکے افعال کیسے ہیں اور وہ خود کسکے مثل ہے۔ اسکا فیصلہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں۔ دارالعوام کے ہر صنف کے ارکان نائٹوں۔ شہریوں اور بلدیوں کا خیال یہ ہے کہ ہماری تمام خرابیوں کا باعث وہی ہے۔ وہی اسکا سبب ہے اور اسیکو اسکی پاداش بھگتنا چاہئیے۔ جو شخص سب کو نقصان پہونچانا چاہے اسکا خاتمہ ہوجانا ہی بہتر ہے۔ ایسے شخص کو کچل ڈالنا ہی اچھا ہے کہ وہ دوسروں کو تکلیف نہ پہونچا سکے!"

بادشاہ اور رعایا

الیٹ کا یہ حملہ جیسا غیر متوقع اور سخت تھا' چارلس نے ویسا ہی سخت جواب بھی دیا۔ اسنے خود بعجلت تمام دارالامرا میں پہنچکر یہ کہا کہ "بکنگھم پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں۔ وہ سب میرے افعال ہیں۔ الیٹ اور ڈگس طلب کئے گئے اور قید کرکے ٹاور میں بھیجدئے گئے۔ لیکن دارالعوام نے اسوقت تک کسی کام کے کرنے سے انکار کردیا جب تک کہ اسکے ارکان واپس نہ کردئے جائیں۔ دس روز کی کشمکش کے بعد آخر الیٹ رہا کردیا گیا' مگر اسکی رہائی درحقیقت پارلیمنٹ کے بند کئے جانے کی تمہید تھی۔ مجلس شاہی نے تاخیر کی رائے دی

مگر بادشاہ نے جواب دیا کہ "میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں چاہتا"۔ اور جب دارالعوام نے آخری طور پر یہ مطالبہ کیا کہ بکنگھم ہمیشہ کیلئے ملازمت شاہی سے علیحدہ کردیا جائے تو چارلس نے فوراً ہی پارلیمنٹ کو بند کردیا۔ بادشاہ کے حکم سے اس درخواست کو جلادیا گیا۔ الیٹ اپنے عہدۂ نائب امیرالبحری سے موقوف کردیا گیا اور قوم سے یہ درخواست کیگئی کہ پارلیمنٹ نے اپنی شکایات کے رفع ہونے تک جس رقم کے دینے سے انکار کردیا ہے قوم اسے خود اپنی مرضی سے دیدے۔ لیکن عوام میں آہستہ آہستہ مقاومت کا خیال ترقی کرتا جاتا تھا۔ بغیر استغنائی پارلیمنٹ کے کچھ دینے سے یکے بعد دیگرے ہرصوبے نے انکار کردیا مڈلسکس اور وسٹمنسٹر کے لوگوں پر جب اس درخواست کے پورا کرنے کیلئے زور دیا گیا تو ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور لوگوں نے "پارلیمنٹ پارلیمنٹ" کا شور مچانا شروع کیا کہ بغیر اجازت پارلیمنٹ کے کوئی رقم نہیں مل سکتی"۔ کنٹ کے ایک ایک شخص نے مخالفت پر کمر باندھ لی تھی۔ بکنگھم شائر میں خود حکام تک نے اس عطیہ کے طلب کرنے میں تساہل سے کام لیا۔ کارنوال کے وحشی کاشتکاروں نے یہ جواب دیا کہ "اگر ان کے پاس صرف دو گائیں ہونگی تو وہ ایک کو بیچکر بادشاہ کی نذر کرینگے مگر صرف پارلیمنٹ کے توسط سے"۔ آزادانہ عطیہ کی تجویز کے ناکام رہنے سے چارلس مجبور ہوگیا کہ علانیہ قانون کی مخالفت کرے اسنے جبری قرضے سے اس ضرورت کو پورا کیا۔ کمشنر نامزد کئے گئے کہ وہ اس امر کا اندازہ کریں کہ ہرایک زمیندار کو کسقدر قرض دینا چاہئے جو لوگ انکار کریں انکا حلفیہ بیان لیں۔ جبر و سختی کے ساتھ نرمی

۱۶ جون ۱۶۲۶ء

جبری قرضے ۱۶۲۷

واشتی سے بھی ہر طرح پر کام لیا گیا۔ لاڈ کے زیر اثر پادریوں نے ہر طرف منبر پر "بے چوں وچرا اطاعت" کا وعظ کہنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر مینوئرنگ نے خود چارلس کے روبرو وعظ میں یہ کہا کہ محصول لگانے کیلئے بادشاہ کیلئے پارلیمنٹ کی منظوری شرط نہیں ہے اور بادشاہ کی مرضی کے خلاف کرنا خود کو عذاب ابدی کا مستحق بنانا ہے"۔ جن غریب آدمیوں نے قرضہ دینے سے انکار کیا انہیں جبراً وقہراً بری یا بحری فوج میں داخل کر دیا گیا۔ جو تاجر قرضہ نہ دینے پر مصر رہے انہیں قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اُمرا اور شرفا کو مرعوب کرنے کا کام خود بکنگھم نے اپنے ذمے لیا۔ چارلس نے ججوں کی مخالفت کا تدارک یہ کیا کہ چیف جسٹس کریو کو فوراً اسکے عہدے سے ہٹا دیا۔ لیکن تمام ملک میں عام مخالفت پھیل گئی تھی۔ شمال کے تمام صوبے بالاتفاق بادشاہ کے خلاف ہوگئے تھے۔ لنکنشائر کے کاشتکاروں نے کمشنروں کو قصبے سے نکال دیا۔ شراپشائر ڈیون اور دارکشائر نے قطعی انکار کر دیا۔ آٹھ امیروں نے بسر کردگی لارڈ اسکس اور لارڈ وارک اس مطالبے کو خلاف قانون قرار دیکر اسکی تعمیل سے انکار کر دیا۔ مفصلات کے دوسو معززین ایک قید خانے سے دوسرے قید خانے کو منتقل کئے جاتے رہے اس پر بھی جب وہ اپنے خیال سے باز نہ آئے تو انہیں مجلس شاہی کے روبرو حاضر کیا گیا۔ انہیں میں بکنگھم شائر کا جان ہیمپڈن بھی تھا جو ابھی ایک نوعمر شخص تھا۔ جس

جان ہیمپڈن

حب الوطنی کی وجہ سے انگریز اسکے نام کو عزیز رکھتے ہیں، اسکا دور اسیوقت سے شروع ہوتا ہے۔ اس نے مجلس شاہی کے روبرو یہ کہا کہ "میں قرضہ دینے پر راضی ہو جاتا مگر میں ڈرتا یہ ہوں کہ منشور اعظم کی

خلاف ورزی کیلئے جو سنت درج ہے سال میں دوبار وہ سنت مجھپر بھی پڑیگی
اس اعتراض کے باعث اسے گیٹ ہاؤس میں اسطرح قید میں رکھا گیا
کہ "قید میں جانے کے قبل اسکی جو صورت تھی وہ بعد کو باقی نہیں رہی"
ایک طرف بددلی بڑہتی جارہی تھی دوسری طرف خزانہ کا دیوالہ نکلا جارہا تھا
اس صورت میں ڈیوک کی گلوخلاصی کی بھی ایک صورت تھی کہ وہ کوئی
بڑی فوجی کامیابی حاصل کرے۔ اس خیال سے اسنے ایک نہایت ہی
مجنونانہ ومسرفانہ مہم کیلئے چھ ہزار آدمیوں کی ایک فوج تیار کی۔ مذہب
کیتھولک کی عظیم الشان جدوجہد میں ہرایک پروٹسٹنٹ کی امید کا مدارکار
اس پر تھا کہ خاندانِ آسٹریا کے خلاف انگلستان، فرانس کے ساتھ متحد رہے
لیکن بکنگھم کی نخوت وغلط کاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر وہ خود اپنے ہی
حلیفوں سے الجھ گیا اور انگلستان کو یکایک فرانس واسپین دونوں کے
ساتھ جنگ کا سابقہ پڑگیا۔ فرانس کا وزیر کارڈنل رشلیو، انگریزوں سے
ساتھ اتحاد قائم رکھنے کا بیحد خواہاں تھا۔ وہ اسے ضروری سمجھتا تھا کہ فرانس
کے کسی یورپین جنگ میں دخل دینے کا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ خود
ملک کے اندر پروٹسٹنٹوں کے باغی شہر روشل کو پوری طرح زیر کرلیا جائے۔
سنہ ۱۶۲۵ء میں اس کام میں انگریزوں نے بادل ناخواستہ فرانسیسی فوجوں کو
مدد دی تھی مگر اب بکنگھم نے اپنے کو ملک میں ہر دلعزیز بنانے کا ایک
آسان ذریعہ یہ سوچا کہ وہ ہیوگیناٹ کی مقاومت میں ان کا معاون
ہو جائے۔ ہیوگیناٹ کی طرفداری کا جوش بہت بڑھا ہوا تھا اور بکنگھم
اس جوش سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا کہ شاہی فوجوں کی کامیابی
سے ہرقسم کی مخالفتوں کو دبا دے۔ پس خود اسکی سرکردگی میں سو

روشیل کا محاصرہ
سنہ ۱۶۲۰ء

جہازوں کا ایک بیڑا روشیل کی امداد کیلئے روانہ ہوا۔ اسکی فوج اگرچہ بہت شاندار تھی مگر اس مہم میں جیسی ناعاقبت بینی سے کام لیا گیا تھا ویسی ہی تباہی بھی دیکھنا پڑی۔ قلعہ سنٹ مارٹن کا بے سود محاصرہ کرنے کے بعد انگریزی فوج کو ایک ایسے تنگ راستے سے اپنے جہازوں پر واپس آنا پڑا جسکے دونوں طرف پانی اور نشیب تھا، اس بازگشت میں دو ہزار آدمی ہلاک ہوگئے اور دشمن کے ایک آدمی کا بھی نقصان نہیں ہوا۔

عرضداشت حقوق

بکنگھم کی اس حماقت کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوا کہ چارلس اگرچہ قرض سے زیر بار اور شرم سے سرنگوں تھا، مگر اسے ایک نئی پارلیمنٹ طلب کرنا پڑی۔ اس پارلیمنٹ کا انداز سابقہ پارلیمنٹ سے بھی زیادہ سخت تھا۔ دربار کے امیدوار ہر جگہ ناکام رہے اور محبّ وطن سرگروہ بہت شان کیساتھ منتخب ہوئے۔ جن لوگوں نے حال کے جبری قرضے کی مخالفت میں تکلیفیں برداشت کی تھیں، ان کے لئے پارلیمنٹ کی رکنیت یقینی ہوگئی تھی۔ شخصی آزادیوں کے خلاف جو زیادتیاں ہوئی تھیں انکے رفع کرنیکی درخواست کو مقدم سمجھا گیا اور باوجود الیٹ کے مشورے کے بکنگھم کی علیحدگی کو موخر کردیا گیا۔ سر ٹامس وینٹورتھ نے کہا کہ "ہمیں اپنی قدیم آزادی کے استحقاق پر قائم رہنا چاہئے، ہمارے بزرگوں نے جو قوانین بنائے ہیں ہمیں چاہئے کہ انہیں پھر بزور جاری کریں۔ ہمیں ان پر ایسی زبردست مہر لگا دینا چاہئے کہ آئندہ پھر کوئی مہمل شخص ان کے توڑنے کی جرأت نہ کرے"۔ انہوں نے نہ تو بادشاہ کے سخت و تہدید آمیز پیغاموں کی پروا کی اور نہ اسکے اس کہنے کا کچھ لحاظ کیا کہ وہ اپنی آزادی کیلئے اسکے "شاہی الفاظ" پر اعتماد کریں بلکہ وہ صرف اپنی عرضداشت

۱۶۲۸ء کی پارلیمنٹ

حقوق تیار کرنے کے عظیم الشان کام کیطرف ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اس درخواست میں ان تمام قوانین کا باقاعدہ حوالہ دیا گیا تھا جس میں رعایا کے تحفظ کا سامان مہیا کیا گیا ہے یعنی یہ کہ بادشاہ کی آزادانہ مرضی سے محصول، قرضے، اور پیشکشیں عاید نہ کئے جائیں گے کوئی شخص بغیر اپنے ہمسروں کے قانونی فیصلے کے نہ سزایاب ہوگا نہ قانون کی حفاظت سے خارج کیا جائیگا اور نہ اپنے مال و متاع سے محروم کیا جائے گا۔ علیٰ ہذا بغیر الزام کے بیان کئے ہوئے کوئی شخص کسی کے خود مختارانہ حکم سے قید نہیں کیا جائیگا۔ نہ رعایا کے مکانات سپاہیوں کے ٹھرانے کے کام میں لائے جائیں گے اور نہ امن کے زمانے میں فوجی قانون جاری کیا جائیگا آخری دو بادشاہوں کے عہد میں اور زیادہ تر گزشتہ پارلیمنٹ کی برطرفی کے بعد سے ان قوانین کی جسقدر خلاف ورزی ہوئی اسکا بھی باقاعدہ ذکر کیا گیا تھا۔ اس دقیع فہرست کے بعد دارالعوام نے یہ درخواست کی تھی کہ "اب آئندہ سے کوئی شخص بغیر پارلیمنٹ کی متفقہ منظوری کے کسی قسم کے "ہدیہ" قرضہ، نذرانہ، محصول یا اور اس قسم کے مطالبے کے ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اور نہ اس امر کے متعلق یا اسکے انکار کی بابت کوئی شخص باز پرس یا حلف اٹھانے پر مجبور کیا جائے گا، نہ قید کیا جائے گا، نہ کسی اور طرح پر اسے پریشان کیا جائیگا اعلیحضرت سپاہیوں اور ملاحوں کو (رعایا کے مکانات سے) ہٹا دیں اور آئندہ اپنی رعایا پر اس قسم کا بار نہ ڈالیں۔ فوجی قوانین کے لئے جو احکام جاری ہوئے ہیں وہ سب منسوخ کردئے جائیں اور آئندہ ایسا حکم کسی شخص یا اشخاص کے نام تعمیل کی غرض سے نہ جاری کیا جائے،

ایسا نہ ہونے پائے کہ اس حیلے سے حضور والا کی رعایا کو قانون ملک کے خلاف قتل وغارت کیا جائے۔ ہم لوگ ملک کے قوانین وضوابط کے موافق ان تمام امور کیلئے اپنے حق وآزادی کے طورپر اعلیحضرت سے بعجز تمام ملتجی ہیں کہ حضور والا اس امر کے اعلان کو بھی مرعی رکھینگے کہ رعایا کیساتھ جن عطیات، مراعات اور کارروائیوں کے وعدے ہوچکے ہیں وہ اس درخواست کے حقوق کے باعث واپس نہیں لئے جائینگے نیز حضور والا اپنی رعایا کے آرام وآسائش کے خیال سے ازراہ مرحمت اپنی اس مرضی کا بھی اعلان فرمادینگے کہ حضور کے تمام عمّال ووزرا ملک کے قوانین وضوابط کے موافق عمل کریں کیونکہ انہیں پر حضور والا کی نیک نامی اور ملک کی خوشحالی کا مدار کار ہے"۔ چارلس کے ہموار کرنے کیلئے دارالامرا نے یہ خواہش کی کہ اسکے "اختیار شاہی" کا تحفظ کردیا جائے لیکن اسکا کچھ اثر نہ ہوا۔ ہم نے خاموشی کیساتھ یہ جواب دیا کہ "ہماری درخواست انگلستان کے قوانین کیلئے ہے اور یہ شرط اختیار قانونی سے ایک جداگانہ شئے معلوم ہوتی ہے"۔ دارالامرا نے اسے تسلیم کرلیا مگر چارلس نے ٹالنے کا سا جواب دیا۔ الیٹ کی رائے کے خلاف جن لوگوں نے زیادہ اعتدال کی صلاح دی تھی انکی ناکامی نے الیٹ کو پھر سب سے آگے کردیا۔ اسنے یہ تحریک کی کہ سلطنت کی حالت کے متعلق بادشاہ کے سامنے ایک اعتراض پیش کیا جائے اور اس معاملے میں اسنے بے نظیر جرأت سے کام لیا لیکن جب اسنے یہ بیان کرنا چاہا کہ وقتی اصلاح کی شرط اول یہ ہے کہ بکنگھم کو علٰحدہ کردیا جائے تو اسپیکر (صدر) نے مداخلت کی اور کہا کہ اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ "بادشاہ کے

وزرا کی نسبت جو لوگ بدزبانی کریں انہیں روکدیا جائے"۔ آزادیٔ تقریر کے حق میں اسطرح دخل دینے سے دارالعوام میں ایک ایسی حالت پیش آگئی کہ سنٹ اسٹیون میں کبھی یہ کیفیت نظر سے نہیں گزری تھی۔ عام خاموشی کے درمیان الیٹ یکایک اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس زمانے کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ "اظہار جذبات کا ایک ایسا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا کہ اس قسم کی مجالس میں شاید ہی ایسا منظر دیکھنے میں آیا ہو۔ کچھ لوگ رو رہے تھے۔ کچھ بحث کر رہے تھے، کچھ سلطنت کی تباہی کی پیشینگوئی کر رہے تھے، بعض خدا کے سامنے اپنے اور اپنے ملک کے قصوروں کا اعتراف کر رہے تھے کہ ہمارے گناہ ہی اس حکم کا باعث ہیں۔ بعض اُن رونے والوں پر الزام لگا رہے تھے۔ سو سے زیادہ آدمیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بہت لوگوں نے بولنا چاہا مگر اپنے ہیجان وجوش کی وجہ سے بول نہ سکے" ہم کبھی تقریر کرنے کیلئے اٹھا مگر وہ بھی رُک کر رہ گیا۔ آخر سر اڈورڈ کک نے یہ الفاظ زبان سے نکالے کہ "میری ہی غلطی وکمزوری تھی کہ نشست کے شروع میں میں نے الیٹ کو روکا تھا درحقیقت اس تمام مصیبت کا بانی مبانی ڈیوک بکنگھم ہی ہے"۔

...نگھم کی موت

اس تعرض میں ڈیوک کے نام کے شامل کرنے کی تجویز زور شور کیساتھ منظور کیگئی۔ لیکن اس موقع پر چارلس دب گیا۔ روشیل کی ایک جدید مہم کے لئے روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے بکنگھم نے بادشاہ پر زور دیا کہ وہ عرضداشت حقوق کو منظور کرلے۔ چارلس اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس منظوری سے کچھ حاصل نہیں۔ اُسے فکر تھی تو

یہ کہ بغیر مقدمہ چلائے ہوئے اور بغیر وجہ بتائے ہوئے وہ لوگوں کو قید میں رکھ سکے۔ اسنے اس معاملہ میں ججوں سے مشورہ لیا اور انہوں نے یہ جواب دیا کہ عرضداشت کے منظور کرلینے سے اسکے اختیار پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور جب عرضداشت کی بحث انکے سامنے آوے گی تو دوسرے قوانین کیطرح اسکی بھی تاویل کیجاسکیگی اور اقتدار شاہی پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ باقی امور کے متعلق چارلس نے بغیر منظوری پارلیمنٹ محصول لگانے کے حق کو ترک کردینے پر آمادگی ظاہر کی مگر ان محصولوں کے برقرار رکھنے کے لئے اسنے اپنے حق کو محفوظ رکھنا چاہا جو حسب دستور بادشاہ کو ملتے تھے اور انہیں میں جہاز کا محصول اور مال واسباب کا محصول بھی شامل تھا لیکن دارالعوام نے کبھی ان مستثنیات کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ بادشاہ نے جب درخواست کو قبول کرلیا تو پارلیمنٹ نے بھی امداد کی منظوری دیدی اور عوام نے اسقدر شادمانی کے گھنٹے بجائے اور اسقدر الاؤ روشن کئے کہ "بادشاہ کے اسپین سے واپس آنیکے وقت کے سوا اورکسی موقع پر یہ کیفیت نظر نہیں آئی تھی"۔ مگر چارلس نے دوسری رعایتوں کیطرح اس رعایت پر بھی اسقدر دیر میں عمل کیا کہ مقصود حاصل نہیں ہوا۔ دارالعوام اسپنے تعرض کے پیش کرنے پر مصر رہا۔ چارلس نے سردمہری اور ترشروئی کیساتھ اس تعرض کو قبول کیا۔ بکنگھم پر دارالامرا میں جب الزام لگایا گیا تو وہ متکبرانہ انداز سے بادشاہ کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ اب اسکا یہ حال ہوا کہ گفتگو کرنے کیلئے اپنے گھٹنوں کے بل جھک پڑا بادشاہ نے "نہیں نہیں" کہتے ہوئے اسے اٹھایا اور اپنے برتاؤ سے یہ ظاہر کردیا کہ ڈیوک کے تقرب وخصوصیت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔

بادشاہ نے بعد میں یہ بھی لکھا کہ "جارج تو تباہ ہوگا تو تنہا نہیں تباہ ہوگا ہم دونوں ساتھ تباہ ہونگے"۔ پارلیمنٹ کے بند ہونے کے بعد جب یہ ممتاز مقرب شاہی روشیل کی خلاصی کی نئی مہم کی سرکردگی کے لئے روانہ ہوا تو اسے وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے مگر قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔ فوج کا ایک لفٹنٹ جان فلٹن اسکے تغافل اور اپنی حق تلفی کے باعث اس سے انتقام لینے کی فکر میں تھا تعرض نامے کے بعض بیانات سے اسنے یہ رائے قائم کرلی کہ وہ جو کچھ بھی کرے بجا ہے۔ ڈیوک کی روانگی کیوقت پورٹسمتھ کے ہال میں ایک ازدحام ہوگیا تھا وہ بھی اس مجمع میں ملگیا اور موقع پاکر بکنگھم کے قلب میں خنجر بھونک دیا۔ چارلس کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ روتے روتے پلنگ پر گرپڑا۔ لیکن دربار سے باہر بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ آکسفورڈ کے نوجوان طلبہ، لندن کے معمر آلڈرمین فلٹن کا جام صحت پینے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرنے لگے۔ قاتل جب زنجیروں میں جکڑا ہوا ایک بوڑھی عورت کے سامنے سے گزرا تو اس عورت نے کہا کہ "اے میرے چھوٹے سے داؤد، خدا تجھے اطمینان دے"۔ جب ٹاور کا دروازہ بند ہوا تو مجمع نے چلاکر کہا کہ "خدا تجھے راحت وآرام نصیب کرے"۔ بادشاہ جسوقت ڈیوک کے جہازوں کی روانگی کا معائنہ کررہا تھا تو ان جہازوں کے ملاحوں تک نے بادشاہ سے یہ التجا کی کہ "فلٹن کی جان بخشی کردیجائے کیونکہ وہ اس سے پہلے انہیں کے زمرے میں داخل تھا"۔ لیکن بکنگھم کے انتقال سے قوم میں جو امید کی شعاعیں طلوع ہورہی تھیں وہ بہت جلد

فنا ہوگئیں۔ ڈیوک کا ایک دست پرورد (وسٹن) وزیر خزانہ ہوگیا اور سابق طریقوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ الیٹ نے کہا "غارتگر کا تو خاتمہ ہوگیا مگر تباہ کاری بدستور باقی ہے"۔

مذہب کے اتنازعات

بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ چارلس کی بے باکانہ خلاف ضابطگیوں سے اسکے اور رعایا کے درمیان جو وسیع خلیج مغایرت کی حائل ہوگئی تھی اب اسیں چارلس کے کسی نئے فعل سے مزید وسعت کا امکان باقی نہیں رہا تھا مگر پارلیمنٹ کی آزادئ تقریر، مال ومتاع کی حفاظت، بلکہ ذاتی آزادی سے بھی زیادہ انگلستان کو جو شئے عزیز تھی وہ "انجیل" تھی۔ اس عہد کے شروع ہوتے ہی ہر پیوریٹین کے دل میں ایک طرح کی افسردگی پیدا ہوگئی تھی اور یہ افسردگی سال بسال بڑھتی جاتی تھی۔ دوسرے ممالک میں مذہب پروٹسٹنٹ کے خلاف جو عظیم جدو جہد جاری تھی وہ یوماً فیوماً سخت ہوتی جاتی تھی اور یہ معلوم ہونے لگا تھا کہ مذہب پروٹسٹنٹ کا آخری وقت قریب آگیا ہے۔ جرمنی میں پیروانِ کالون اور پیروانِ لوتھر دونوں یکساں طور پر آسٹریا کے کیتھولک خاندان کے قدموں کے نیچے پامال ہورہے تھے۔ بکنگھم کے قتل کے بعد روشیل کے سقوط سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ فرانس کے ہیوگیناٹ کو ایک رومن کیتھولک کارڈنل پامال کرڈالیگا۔ ادہر انگلستان خود اسی خیال میں غلطاں پیچاں تھا کہ کہیں ارمیڈا کے وقت کا سا مہلک خطرہ اسے پھر نہ پیش آجائے، اس صورت حال میں چارلس کا لاڈ کو لندن کا اسقف بناکر مذہبی معاملات کی سربراہی اسکے تفویض کردینا سخت پریشانی کا باعث ہوگیا، ان گھبرائے ہوئے پروٹسٹنٹوں کو لاڈ اور اسکے زیر اثر اہل کلیسا اب

پیروان لاڈ

کیتھولک مذہب سے زیادہ خطرناک معلوم ہوتے جسے دوسرے ممالک میں پرزور کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں۔ پیوریٹینوں کی نظر میں یہ لوگ خدا و ملک دونوں سے باغی تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جہاں تک ہوسکے انگلستان کے کلیسا کو پروٹسٹنٹ کلیساؤں سے علحدہ کرکے اس کلیسا سے قریب کردیں جسے پروٹسٹنٹ شیطانی مذہب سمجھتے تھے۔ لاڈ وغیرہ رومن رسومات کی پیروی کرتے اور حزم و تدبیر کیساتھ رومی عقائد کو رائج کر رہے تھے لیکن انہیں مذہبی معاملات میں وہ آزادی حاصل نہیں تھی جو ابتک روما میں کم وبیش قائم تھی۔ وہ بادشاہ کی ماتحتی کی ذلت میں مبتلا تھے۔ شاہی حفاظت کیوجہ سے وہ اپنے وقت کے مذہبی احساس کی پروا نہیں کرتے تھے اور اس حفاظت کی شکر گزاری کے طور پر انہوں نے نہایت ہی خطرناک دعاوی شاہی کو مذہبی عقاید میں داخل کرلیا تھا۔ اسقف اعظم ہٹگفٹ نے جیمز کی نسبت یہ بیان کیا تھا کہ اسے خدا کیطرف سے القا ہوتا ہے۔ بدترین مظالم کے مقابلے میں وہ خاموشانہ اطاعت کا وعظ کہتے رہتے تھے۔ انہوں نے یہ اعلان کردیا تھا کہ رعایا کی جان و مال کلیۃً بادشاہ کے اختیار میں ہے۔ وہ مذہب کو انگلستان کی آزادی پر ایک باقاعدہ حملے کا ذریعہ بنا رہے تھے۔ ابتک اس خیال والوں کی حیثیت ایک درباری گروہ سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ رعایا کی طرح عام پادری بھی پکے پیوریٹن تھے، مگر لاڈ کی مستعدی اور دربار کی سرپرستی سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ انکی تعداد و قوت میں بہت تیزی کیساتھ ترقی ہوجائے گی۔ دوربین اشخاص اسوقت کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جب ہر ایک منبر خاموشانہ اطاعت کی پند و نصیحت، کالونیت کی مذمت

اور روما کی جانبداری کے وعظ سے گونج اٹھیگا۔ دارالعوام کے تمام ارکانیں
الیٹ جوشِ مذہبی کے معاملہ میں سب سے ہیٹا تھا مگر اسوقت مذہب کی
نازک حالت نے اسکے دل سے تمام دوسرے خیالات کو محو کردیا تھا۔
اسنے اپنے دہات سے لکھا تھا کہ "خطرہ اسقدر بڑھتا جارہا ہے کہ خداہی
ہم لوگوں کو مایوسی سے بچائے تو بچائے"۔ تمام ارکانِ دارالعوام ایساہی
اندیشہ دل میں لئے ہوئے جمع ہوئے۔ پہلی کارروائی مذہب سے شروع
ہوی۔ الیٹ نے کہا کہ "انجیل ہی وہ صداقت ہے جسکے باعث اس سلطنت کو
ایسی ممتدوممتاز خوشحالی نصیب ہوی ہے۔ اسلئے اپنے تمام کاموں کی
بنا اسی پر رکھنا چاہیے کہ ہم الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال سے اس
صداقت کو قائم رکھیں۔ مشرقی کلیساؤں میں ایک رسم یہ بھی ہے کہ عقاید کی
تکرار کے وقت لوگ اپنی استقامت ظاہر کرنے کیلئے نہ صرف سروقد کھڑے
ہوجاتے ہیں بلکہ تلواریں کھینچ لیتے ہیں۔ میں اس کہنے کی اجازت چاہتا ہوں
کہ یہ دستور نہایت ہی قابل تعریف ہے"۔ ارکان نے اپنے سرگروہ کے اس
صلائے عام کا جواب ایک پرتمکین "اقرار صالح" کے ذریعہ سے دیا۔
انہوں نے یہ اقرار کیا کہ وہ اسی خیال پر قائم رہینگے کہ عقائد کا صحیح
مفہوم وہی ہے جسے پارلیمنٹ نے قائم کیا ہے اور جو کلیسیا کے افعال
اور مذہبی مصنفین کے عام خیال پر غور کرنے سے انہیں معلوم ہوا ہے
مگر مذہب کے متعلق تمام مباحثے دفعتہً روک دئے گئے۔ دارالعوام نے
محاصل بحری کی منظوری اسوقت تک کیلئے ملتوی کردی تھی جب تک
ان نقصانات کی تلافی نہ کیجائے جو ناجائز محاصل درآمد وبرآمد کے باعث
وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی دارالعوام نے ان محصولوں کے

اقرار صالح

ادا کرنے والوں کو باز پرس کرنے کیلئے طلب کیا - یہ لوگ حسب حکم حاضر
تو ہو گئے مگر جواب دینے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ بادشاہ نے انہیں
جواب دینے کی ممانعت کر دی ہے - دارالعوام اس پر اعتراض پیش کرنے
کی کارروائی کرنا چاہتا تھا کہ اسی اثناء میں اسپیکر نے یہ اعلان کر دیا کہ
اسے اجلاس کے ملتوی کرنے کا حکم ملگیا ہے - یہ صاف ظاہر تھا کہ اسکے
بعد ہی برطرفی عمل میں آئیگی - پس مدت کے دبے ہوئے غصے نے ایک ہنگامے
کی کیفیت پیدا کر دی - لوگوں نے اسپیکر کو زبردستی کرسی پر بٹھائے رکھا اور
الیٹ نے نئے وزیر خزانہ کو اس کارروائی کے صلاح دینے کیلئے نشانۂ ملامت
بنایا کیونکہ الیٹ ابھی تک اپنے اس اہم اصول پر قائم تھا کہ ذمہ داری
وزراپر عاید ہونا چاہیے - اسنے کہا کہ کسی نے بھی پارلیمنٹ کے توڑنے
کی فکر نہیں کی کہ آخر میں خود پارلیمنٹ ہی نے اسی کو نہ توڑ دیا ہو"-
اسکے ان الفاظ کی ہیبت ناک اہمیت بعد کو ثابت ہوی - دروازے میں
قفل لگا دیا گیا - اسپیکر نے ہرچند اعتراض کئے - باہر سے نقیب پارلیمنٹ
نے دروازے کو بہت کچھ کھٹ کھٹایا اندر کے مجمع نے بھی برہمی
پیدا کی مگر کسی کی کچھ پیش نہ گئی - انگلستان کی آزادی کی اس آخری کوشش
میں اکثر ارکان نے "شاباش و مرحبا" کے شور کے ساتھ الیٹ کی تائید
کی - متعدد تجویزیں منظور ہوئیں اور دارالعوام نے یہ طے کر دیا کہ
جو شخص مذہب میں کسی قسم کی بدعت لگائے گا یا جو وزیر ایسے محصول
لگائے گا جنہیں پارلیمنٹ نے منظور نہ کیا وہ سب "سلطنت و دولت کے
سخت دشمن سمجھے جائینگے" علیٰ ہذا رعایا میں سے جو شخص بخوشی خاطر ان
ناجائز افعال و مطالبات پر کاربند ہوگا وہ بھی "انگلستان کی آزادی کا

پارلیمنٹ کی برطرفی
۱۶۲۹

برباد کرنے والا اور ملک کا دشمن متصور ہوگا۔"

جزو چہارم

نیو انگلینڈ

اسناد۔ مسٹر بینکرافٹ نے "اپنی تاریخ ممالک متحدہ" (History of the United States) میں امریکہ کی آباد کاری کی کیفیت بہت خوبی سے بیان کی ہے، البتہ بعض جزئیات میں کچھ خلاف ہے، اسکی تصحیح مسٹر گارڈنر کی تاریخ سے ہوسکتی ہے۔ لاڈ کے متعلق خود اسی کا مشہور و معروف "روز نامچہ" اور اسکے مراسلات دیکھنے چاہیئے۔ کیمبرج میں اس نے جو کام انجام دئے انہیں پرائن کی ہجو آمیز کتاب "کنٹربری کی قسمت" Canter bury's Doom میں معائینہ کرنا چاہیے۔} (مسٹر ڈائل کی کتاب "امریکہ کے انگریزوں کے حالات" (The English in America) اس فہرست کے لکھے جانے کے بعد شائع ہوئی ہے۔ اڈیٹر)

انگلستان اور نئی دنیا

۱۶۲۹ء والی پارلیمنٹ کی برطرفی کا زمانہ انگلستان اور تمام دنیا میں مذہب پروٹسٹنٹ کیلئے روز سیاہ تھا مگر اسی مایوسی کے عالم میں پیوریٹنوں نے سب سے بڑی کامیابی حاصل کی۔ بقول کیننگ "وہ پرانی دنیا کے بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے نئی دنیا کی طرف متوجہ ہوئے"۔ ان الفاظ سے

کیننگ نے جو کچھ ہی مراد لی ہو مگر وہ اس سے زیادہ موثر واہم ثابت ہوئے جو اسوقت خیال میں آسکتے تھے۔ چارلس کی تیسری پارلیمنٹ کے بند ہونے کے بعد ظلم و ستم کا جو زمانہ آیا اسی زمانے میں پیوریٹنوں کی ایک جماعت کثیر نے ترک وطن کرکے نیوانگلینڈ کی ریاستیں قائم کیں۔

شمالی امریکہ کے بسنے والے انگریزوں میں پیوریٹن کسی اعتبار سے سب میں مقدم نہیں تھے۔ مغربی دنیا کے دریافت ہونے کے بعد ابتداءً جو حالات پیش آئے وہ ایسے نہیں تھے کہ ان سے وہاں کی آزادی کی نسبت کوئی اچھی امید قائم کیجاسکے۔ بلکہ نتیجہ بالکل برعکس ہوا یعنی یورپ کی سب سے زیادہ متعصب اور سب سے زیادہ ظالم سلطنت (اسپین) کو اس برّاعظم پر وسیع اقتدار حاصل ہوگیا اور مکسیکو اور پیرو کی دولت سے اسکا خزانہ مالا مال ہوگیا، مگر اسپین کے جہاز جنوبی سمندروں کیطرف جاتے تھے اور اسپین کے آبادکاروں کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ اس وسیع برّاعظم کا جنوبی حصہ کیتھولک بادشاہ کا حق ہے۔ حُسن اتفاق سے انگریز شمالی امریکہ کے پُرصعب وویران نواح میں اترے۔ درحقیقت انگلستان کا حق اس برّاعظم کے اصلی حصّے پر اسپین سے بھی پہلے قائم ہوچکا تھا کیونکہ کولمبس کے سواحل امریکہ پر پہنچنے کے قبل ہی سبیسٹین کیبٹ ۱۴۹۷ء میں انگریز جہاز رانوں کو لئے ہوئے برسٹل سے روانہ ہوکر سواحل امریکہ پر جنوب میں فلوریڈا تک اور شمال میں خلیج ہڈسن تک چکر لگا آیا تھا کیبٹ کا آبائی وطن جنیوا تھا مگر وہ انگلستان میں پیدا ہوا اور وہیں اُسنے پرورش پائی تھی لیکن اس صاحب ہمت جہاں گشت کے بعد کسی دوسرے انگریز نے ادہر کا رخ نہیں کیا اسپین نے نئی دنیا میں

اپنی شہنشاہی قائم کرلی اور انگلستان کے ملّاح نیوفاؤنڈلینڈ میں مچھلی ہی پکڑنے پر قناعت کئے بیٹھے رہے، الزبیتھ کے عہد تک انگریزوں کو دوبارہ نئی دنیا کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ برّاعظم امریکہ کے شمالی ساحل کیطرف ۱۵۷۶ سے ایشیا کا راستہ معلوم کرنے کے خیال میں مغربی انگلستان کاایک جہازران لیبریڈر پر جا پہنچا اور وہاں کانہائے طلا کے موجود ہونے کی خبر لیکر واپس آیا۔ اس خبر کو سنکر بہت سے جانباز خلیج بیفن کے تو دہائے برف کو جھیل کر وہاں پہنچنے پر آمادہ ہوگئے۔ حُسنِ اتفاق، کہ یہ لوگ سونے کی تلاش میں ناکام رہے، اور ان میں سے اکثر غیور طینت اشخاص نے یہ چاہا کہ وہیں نوآبادی قائم کرنا چاہیے۔ لیکن اس حصۂ ملک میں سردی کا زمانہ بہت دراز ہوتا تھا اور ملک کے اندر جابجا انڈین جنگجو قبائل موجود تھے اس وجہ سے ان ابتدائی آبادکاروں کو سخت وقت کا سامنا ہوا۔ سر ہمفری گلبرٹ اس زمانے کے بلند حوصلہ لوگوں میں سے تھا۔ اسے جب آبادی قائم کرنے کی کوشش میں ناکامی ہوی تو وہ انگلستان کی طرف پلٹا لیکن راستے ہی میں طوفان سے ہلاک ہوگیا۔ جب اسکی چھوٹی سی کشتی کی روشنی رات کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے گل ہوی تو لوگوں نے اسکی زبان سے یہ یادگار الفاظ نکلتے ہوئے سُنے کہ ”تری کے راستے سے بھی بہشت اتنا ہی قریب ہے جتنا خشکی کے راستے سے ہے“۔ اسکے سوتیلے بھائی سر والٹر رالے نے ایک مُہم روانہ کی جسنے آبنا، پیملکو کا پتہ چلایا۔ انکے دریافت کئے ہوئے اس ملک کو الزبیتھ نے اپنے لقب ورجن (یا دوشیزہ) کی بناپر ورجینیا کا نام عطا کیا اس ملک کے دریافت کرنے والوں کا خیال یہ تھا کہ وہاں لوگ ازمنۂ زریں کی زندگی گزارتے تھے“۔

رالے کی اسی انکشاف کے وقت سے یورپ میں تمباکو اور آلو کا رواج ہوا۔ لیکن ان بسنے والوں نے سونے کے خبط میں پڑکر اپنی قوت کو ضایع کیا اور اصل باشندگانِ ملک کی دشمنی نے انہیں ساحل سے نکال دیا۔ شمالی کیرولینا کے دارالحکومت رالے سے اب تک سر والٹر رالے کی یاد تازہ ہے مگر یہ نام اسکی کامیابی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ بعد کے لوگوں نے اسکی کوششوں کے اعتراف کے طور پر اپنی دارالحکومت کا یہ نام تجویز کیا تھا۔ چیسپیک کی مستقل آبادی جیمز اول کے اوائل عہد میں شروع ہوئی تھی اور اسکی کامیابی کا باعث یہ تھا کہ آباد کاروں کو یقین تھا کہ نئی دنیا کے فتح کا راز صرف محنت وجفاکشی میں مضمر ہے۔ اولاً جو ایک سو پانچ آباد کار یہاں آئے ۱۶۰۶ء ان میں سے اڑتالیس شخص معزز طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور صرف بارہ نفر کسان تھے۔ ان کے سرگروہ جان اسمتھ نے نہ صرف چیسپیک کی وسیع خلیج کی تحقیقات کی اور دریاء پوٹومیک و دریاء سسکوہانا کا پتہ لگایا بلکہ قحط وسرکشی کے باوجود اپنے چھوٹے سے گروہ کا اتفاق قائم رکھا یہانتک کہ ان لوگوں نے محنت ومشقت کا سبق سیکھ لیا۔ انگلستان میں آباد کاری کا ارادہ کرنے والوں کو اس نے جو خطوط بھیجے اس میں پُرزور الفاظ میں یہ لکھا تھا کہ "سونے کا خواب دیکھنا ترک کرو اور نئے ملک میں محنت کے سوا اور کسی ذریعہ سے نفع کی توقع نہ رکھو"۔ اسنے دانشمندی یہ کی کہ ہر نوواردکیلئے ایک حصہ زمین کا مخصوص کردیا اور اسطرح محنت پیشہ لوگوں کی آمد کے باعث پانچ برس کی کوشش میں ورجینیا کی قسمت چمک اٹھی۔

لوگ مکانوں کے بنانے اور غلّے کی کاشت پر جھک پڑے - دارالصدر جیمز ٹاؤن میں (جو بادشاہِ وقت کے نام سے موسوم تھا) سڑکوں تک پر تمباکو کی کاشت ہوئی تھی - پندرہ برس کے اندر اندر اس نوآبادی کے باشندوں کی تعداد پانچ ہزار نفوس تک پہنچ گئی -

آباد زائرین

انگلستان کے قوانین اور اسکے نیابتی تنظیمات دنیا میں سب سے پہلے ورجینیا ہی کی نوآبادی میں رائج ہوئے - چارلس کی ملکہ ہنریٹیامیریا کے نام پر ایک دوسری نوآبادی میری لینڈ کے نام سے قائم ہوی جسکی کیفیت یہ ہے کہ شاہانِ اسٹوارٹ کے بہترین مشیروں میں ایک شخص کیلورٹ (لارڈ بالٹیمور) تھا، اسنے مذہب کیتھولک اختیار کرلیا تھا اور اسلئے اسے اور اسکے ہم مذہب نوواردوں کو دریاے پوٹومیک کے پار اور چسپیک کے سرے پر اپنے لئے ایک جاے پناہ مہیا کرنے کیلئے مجبور ہونا پڑا - اس نئی بستی میں ایک ایسا اصول رائج کیا گیا جو اسوقت نہ انگلستان میں رائج ہوا تھا اور نہ یورپ کے بیشتر حصص میں شائع ہوسکا تھا اس نئی آبادی میں یہ ممکن نہیں تھا کہ سب کے سب بسنے والے مذہب کیتھولک ہی کے پیرو ہوں اسلئے وہاں سب سے پہلا قانون یہ بنایا گیا کہ "اس صوبے میں کسی شخص کو جو حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتا ہو کسی قسم کی زحمت یا تکلیف نہیں ہوگی نہ اسکے عقائد مذہبی کے باعث اسے کسی جہت سے آزار پہنچے گا، نہ اس کے فرائض مذہبی کی بجا آوری میں کسی قسم کی نخل اندازی ہوگی"- اسمتھ کے ورجینیا میں آباد ہونے سے چند برس بعد بالٹیمور نے میری لینڈ کی آبادی قائم کی لیکن پیروان براؤن جنھیں جیمز کے عہد میں ایمسٹرڈم کو

بھاگنا پڑا تھا، اس سے مدتوں پہلے یہ عزم کر چکے تھے کہ ہالینڈ کو چھوڑ کر نئی دنیا کے بیابانوں کو آباد کریں۔ ورجینیا کی آبادی کے مشکلات و تکالیف کو سنکر ان کی ہمتیں ذرا بھی پست نہیں ہوئی تھیں۔ انکے سرگروہ جان رابنسن نے لکھا تھا کہ "ہم وطن کے لطف و آرام کو خیرباد کہہ چکے ہیں اور شدائد غربت کے برداشت کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ ہم سب کے سب جفاکش و کفایت شعار ہیں۔ خداوند یسوع مسیحؑ کے مقدس عہد پر ہم سب یکدل و یکزبان ہیں اور اسکی خلاف ورزی کو ہم بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں، اس معاہدے کے رو سے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی انفرادی و مجموعی خیر سگالی کی سختی کے ساتھ پابندی کریں۔ ہمارا حال ان لوگوں کا سا نہیں ہے جو ذرا ذراسی باتوں سے ہمت ہار دیتے ہیں"۔ یہ لوگ ہالینڈ سے ساؤتھیمپٹن میں واپس آئے اور وہاں سے دو جہازوں میں سوار ہوکر نئی سرزمین کو روانہ ہوگئے۔ لیکن ان دو جہازوں میں سے ایک جہاز بہت جلد واپس آگیا اور صرف دوسرے جہاز میفلاور نے (جو کُل ایک سو اسی ٹن کا تھا اور جسپر اکتالیس تارکان وطن مع اپنے خاندانوں کے سوار تھے) اپنا سفر جاری رکھا۔ اس چھوٹے سے گروہ کو زمانۂ مابعد کے لوگ از راہِ محبّت "آباء زائرین" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ میسچوسٹس کے ویران ساحل پر اترے۔ اور اس انگریزی بندرگاہ کی یادگار میں جہاں آخری بار انکا جہاز ٹھیرا تھا، اپنی جائے ورود کا نام "پلیمتھ" رکھا۔ انہیں بہت جلد طویل و شدید موسم سرما سے سابقہ پڑا، بیماری و قحط کی مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں اسی طرح کی محنت و تکلیف میں کئی برس گزر گئے اور ایک وقت

۱۶۲۰

ایسا آگیا کہ "لوگ شام کو یہ نہیں جانتے تھے کہ صبح کو کیا کرنا ہے"۔ باوجودیکہ یہ لوگ بہت مستقل مزاج و محنتی تھے، پھر بھی ان کی ترقی میں بہت دیر لگی۔ دس برس گزر جانے کے بعد ان کی تعداد صرف تین سو نفوس تک پہنچی تھی۔ لیکن باوجود اس قلت تعداد کے ان کی نو آبادی آخرالامر بہت مستحکم بنیاد پر قائم ہوگئی اور محض تنازعۂ بقا کے سوال کا خاتمہ ہوگیا۔ ان غریب تارکانِ وطن کی مصیبت کے زمانے میں ایک ہم مذہب نے انہیں انگلستان سے لکھا تھا کہ "تمھیں اس امر پر افسوس نہ کرنا چاہیے کہ تم نے برف توڑ کر دوسروں کیلئے راستے صاف کردئے ہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے یہ عزت تمھارے ہی حصہ میں رہیگی"

پیورٹینوں کا ترکِ وطن

شمالی امریکہ میں جب سے پیورٹینوں کی یہ چھوٹی سی نو آبادی قائم ہوئی انگلستان کے تمام پیورٹینوں کی آنکھیں اسکی طرف لگی ہوئی تھیں چارلس کے ابتدائی زمانے میں یہ تجویزیں ہونے لگیں کہ اس چھوٹے سے بلی متھ کے قریب ہی ایک نئی آبادی قائم کیجائے۔ لنکنشائر کے شہر بوسٹن کے سوداگروں نے اس تجویز کے عمل میں لانے میں بڑی مدد دی اور ان کی اسی امداد کے اعتراف کے طور پر اس حصۂ ملک کے دارالصدر کا نام انہیں کے شہر کے نام پر رکھا گیا۔ اپنی تیسری پارلیمنٹ کو برطرف کرنے کے قبل چارلس نے ایک فرمان عطا کیا تھا جسکے رو سے مساچوسٹس کی نو آبادی قائم ہوئی تھی۔ عام پیورٹینوں نے اس عطائے فرمان کو خدا کی طرف سے وہاں جانے کا حکم خیال کیا ۱۶۲۹ اپنی عظیم الشان آئینی جدوجہد کی ناکامی اور انگلستان میں خدا پرستی کی راہ میں خطرات کی زیادتی کے باعث ان لوگوں نے یہ خواب دیکھنا شروع کیا کہ مغرب کی سرزمین پر مذہب و آزادی کو محفوظ و منتقل جانے امن

حاصل ہوسکتی ہے ۔ پارلیمنٹ کے بند ہوتے ہی تاجرین ومعززین ملک کو بحر اوقیانوس کی دوسری جانب ایک بڑی نوآبادی قائم کرنے کی تجویز ابھارنے لگی اور ہر ایک پیوریٹن کے گھر میں مساچوسٹس کے نئے حالات کا چرچا ہونے لگا ۔ اقتضائے زمانہ کے موافق اس تجویز کا خیر مقدم خاموش و پائدار جوش کے ساتھ کیا گیا، لیکن ایک تارک وطن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے باہمت وپرجوش اشخاص کیلئے۔ بھی وطن کو خیرباد کہنا کسقدر صبر آزما تھا ۔ اس قسم کے خیالات کے جواب میں ونتھراپ اصغر نے کہا تھا کہ "جہاں میں بہترین طریقے سے خدا کی عبادت کرسکوں، اور اور اپنے عزیز ترین دوستوں کی صحبت کا لطف حاصل کرسکوں اسی کو میں اپنا وطن سمجھتا ہوں" لوگوں نے اس جواب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور پیوریٹنوں نے اس کثرت کے ساتھ ترک وطن اختیار کیا کہ انگلستان میں کبھی یہ صورت پیش نہیں آئی تھی ۔ پہلے دوسو آدمی سیلم کو روانہ ہوئے اس کے بعد ہی جان ونتھراپ کے ہمراہ آٹھ سو آدمی اور چل کھڑے ہوئے اور بادشاہ کی شخصی حکومت کے پہلے سال کے ختم ہوتے ہوتے مزید سات سو آدمی ملک سے نکل گئے ۔ جنوب کے سابق تارکانِ وطن

۱۶۳۰ کیطرح یہ گروہ پریشان حال، اوباش، دیوالئے، اور جرائم پیشہ لوگوں کا غول نہیں تھا، نہ میفلاور کے "زائرین اولین" کے مانند یہ سب کے سب غریب دستکار اشخاص تھے، بلکہ ان میں زیادہ تر اہل پیشہ اور متوسط طبقے کے لوگ تھے ۔ بعض بہت بڑے صاحبِ جائداد بھی تھے ۔ کاٹن، ہکر اور راجر ولیمز جیسے پرجوش پادری بھی ان میں داخل تھے، لندن کے ہوشیار قانون پیشہ اور آکسفورڈ کے نوعمر طلبہ سے بھی یہ گروہ خالی

نہیں تھا مگر اسکا زیادہ حصہ لنکنشائر اور مشرقی صوبوں کے خداترس کسانوں پر
مشتمل تھا۔ اس کوشش میں شریک ہونے سے ان کی غرض صرف یہ تھی کہ
وہ اپنے "بہترین مقاصد" کو حاصل کرسکیں یہ لوگ کسی دنیاوی غرض، سونے
چاندی کی حرص، یا لوٹ مار کے شوق میں اپنے ملک سے نہیں نکلے
تھے بلکہ صرف خدا کے خوف اور خدا کی عبادت کے وفور شوق نے
انہیں ملک سے نکلنے پر مجبور کیا تھا لیکن اس بڑھے ہوئے جوش
کے باوجود ان کے دل اس صدمہ سے خالی نہیں تھے کہ وہ اپنے
انگلستان کے گھروں سے علٰحدہ ہونے پر مجبور ہوئے۔ انگلستان کا
ساحل جب ان تارکان وطن کی پہلی مختصر سی جماعت کی نظروں سے
غائب ہونے لگا تو بیساختہ انکی زبانوں سے نکلا کہ "

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں۔

ونتھراپ کے ہمراہیوں نے اپنے ان بھائیوں کو جو پیچھے رہ گئے تھے
لکھا تھا کہ "جب ہم بیابانوں میں اپنے غریبانہ جھونپڑوں کے اندر
رہتے ہونگے تو ہمارے دل تمھاری ابدی بہتری کیلئے آرزوؤں کے سرچشمے بنے ہونگے"

{لاڈ اور پیوریٹن}

الیٹ کے اندیشہ ناک خیالات کے باعث جو شدید خوف دفعتہً
طاری ہوگیا تھا جب وہ فرو ہوگیا تو آیندہ دو برس تک ترک وطن کی
رفتار سست رہی، لیکن لاڈ کی کارروائیوں نے پھر پیوریٹنوں میں اضطراب
پیدا کردیا۔ بکنگھم نے جب اوّل بار جیمز پر یہ زور دیا کہ لاڈ کو سنٹ ڈیوڈ
کا اسقف بنادیا جائے تو اس بوڑھے بادشاہ نے اپنے تفرّس سے
اس کی دلی کیفیت کا پورا پورا اندازہ کرلیا اور کہا کہ "وہ ایک
بےچین طبیعت کا آدمی ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ کام کا موقع ہے

یا نہیں - ہروقت ایک نیا خیال قائم کرتا رہتا ہے' اور جو خیال اس کے ذہن میں آجاتا ہے چاہتا ہے کہ تمام معاملات کو اسی رنگ میں رنگ دے۔ تم چاہو تو اسے اپنے ساتھ رکھ لو مگر یقین مانو کہ پچھتاؤ گے"۔ لاڈ درحقیقت ایک خشک مزاج' نقلی پسند ادہام پرست شخص تھا مگر دربار کے تمام مقتدایانِ دین میں وہی ایک شخص تھا جسنے اپنی ذاتی محنت' اپنی دلی بیغرضی اپنی نمایاں قوت انتظام کے باعث ترقی حاصل کی تھی اسکا توہم اس حدتک بڑھا ہوا تھاکہ اسکے پڑہنے کے کمرے میں ایک نغمہ سنج چڑیا آگئی تو اسنے اُسے بھی خاص اہمیت دی - بعدکو جب وہ ہمہ تن سلطنت کے معاملات میں مستغرق ہوگیا تو اسنے تجارتی معاملات سے ایسی کامل واقفیت پیدا کرلی تھی کہ لنڈن تک کے تاجر اسے اس کام میں ماہر سمجھنے لگے تھے - تدبر کا البتہ اس میں کہیں پتہ نہیں تھا' لیکن اسکے اثر وقوت کی اصلی بنا اسکے مقصد کی یکسانی تھی - اسمیں دوربینی' تنگخیالی پختگی موجود تھی اوراس نے اپنی تمام قوت صرف ایک مقصد کے حاصل کرنے پر صرف کردی تھی - اسکا خیال یہ تھا کہ انگلستان کے کلیسا کی واقعی حیثیت یہ ہونا چاہیئے کہ وہ کیتھولک کلیسائ کی ایک شاخ ہو اور اسمیں حسب ضرورت اصلاح کرلیجائے - انگلستان کے کلیسا کو اس حالت پر لانے کیلئے وہ عزم بالجزم کرچکا تھا - وہ روما اور کالون دونوں کی بدعتوں پر یکساں معترض تھا اور کلیسا کے رسوم وعقائد کو اس حالت پر لانا چاہتا تھا جو مجلس نکیا سے قبل کی صدیوں میں پائی جاتی تھی - اس مقصد کے حاصل کرنے کا پہلا قدم یہ تھا کہ برّاعظم کے مہذب کلیساؤں سے کلیسائے انگلستان کے جو روابط ابتک

باقی رہ گئے ہیں وہ یکقلم منقطع کردئے جائیں۔ لاڈ کی رائے میں اساقفہ کی جانشینی کا مسئلہ کلیسا کا اصل الاصول تھا، اور جرمنی اور سوئزرلینڈ میں چونکہ پیروانِ لوتھر وکالون نے اساقفہ کی ضرورت سے انکار کردیا تھا اسلئے (اسکے خیال کے موافق) کلیسا کے اندر انکا شمار باقی ہی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ فرانس کے ہیوگیناٹ اور فلینڈرز کے والون پناہ گزینوں کو عبادت کی جو آزادی عطا کیگئی تھی وہ اسی بناپر دفعتہً واپس لے لی گئی اور ان سے یہ کہا گیا کہ انگلستان کے طریقۂ عبادت سے اتفاق کریں اسلئے روا روی کی توقع میں یہ لوگ نہایت کثرت کے ساتھ جنوبی سواحل سے ہالینڈ کو چلے گئے۔ انگریز سپاہی وتجار جو ممالک غیر میں مقیم تھے وہ ابتک بے روک ٹوک کالونی کلیساؤں کی عبادت میں شامل ہوتے تھے اب ان سے بھی انگلستان کے طریق عبادت سے اتفاق کرنے کی خواہش کیگئی۔ انگریزی سفیر مقیم پیرس کو شاران تون کے ہیوگیناٹی عبادت گاہ میں جانے کی ممانعت کردیگئی۔ لاڈ برّاعظم کے پروٹسٹینٹوں سے جس قدر دور ہوتا جاتا تھا اسیقدر وہ بالارادہ یا بلا ارادہ روما سے قریب ہوتا جاتا تھا۔ اسکے کلیتہً کے موافق روما اگرچہ بعض غلطیوں اور بدعتوں کے باعث انگلستان سے الگ ہوگیا تھا مگر فی الحقیقت وہ کلیسا کی ایک جائز شاخ تھا اور لاڈ انہیں غلطیوں اور بدعتوں کے مٹانے کیلئے بہت بڑی کوشش کررہا تھا۔ ان موانعات کے رفع ہوجانے کا فطرتی نتیجہ یہی ہوتا کہ دونوں کلیسا پھر متحد ہوجاتے اور لاڈ بھی خواب دیکھ رہا تھا کہ اصلاح کے زمانے سے دونوں کلیساؤں میں جو خلیج حائل ہوگئی ہے اسپر ایک پُل بنادے۔ لاڈ کو خفیہ طور پر کارڈنل کی کلاہ کے

پیش کئے جانے سے ثابت ہوتا ہے کہ روما کا خیال یہ تھا کہ لاڈ اسی کا کام انجام دیرہا ہے لاڈ کا اس منصب کے قبول کرنے سے انکار کرنا اور بطور خود رسوم مروّجہ پر متواتر اعتراضات کرتے رہنا اپنی جگہ پر یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ فی الحقیقت نادانستہ طورپر روما ہی کا کام انجام دیرہا تھا اسکا خیال یہ تھا کہ مذہب کا عام اتحاد زمانے کے ہاتھ ہے مگر کلیسائے انگلستان میں کیتھولکوں کے خیالات اور کیتھولکوں کے طریقوں کو ایک بلند سطح پر لاکر وہ اس اتحاد کیلئے راستہ صاف کرسکتا تھا۔ اسکے راستے میں سب سے بڑی دقت مذہب پیوریٹن نے پیدا کررکھی تھی اور انگلستان کی آبادی کے دس حصوں میں سے نو حصے اسی مذہب کے معتقد تھے، اسلئے اس نے بےرحمی سے اس مذہب کے خلاف جہاد شروع کردیا کینٹربری کا اسقف اعظم ہوکر جب کلیسائے انگلستان کی باگ اسکے ہاتھ میں آگئی تو اسنے فوراً ہی ہائی کمیشن کو پیوریٹن پادریوں پرحملہ کرنے کے لئے ایک مستقل آلہ بنالیا۔ رکٹروں (Rector) اور وکاروں (Vicar) کی تنبیہ کیجاتی، انھیں معطل کیا جاتا اور وہ انجیل کا وعظ کہنے سے روکے جاتے تھے سفید عباؤں کا استعمال اور ناگوار رسومات کا بجالانا پیوریٹنوں کے علی الرغم ہرمذہبی طبقے میں بزور جاری کیاگیا۔ شہروں میں لکچر کیلئے جو مقامات بنائے گئے تھے وہ پیوریٹن واعظوں کے بہت مفید مطلب تھے ان لکچروں کے سلسلے کو بھی سختی کرکے روکا گیا۔ پیوریٹن واعظوں نے دیہات کے معززین کی پناہ ڈھونڈی مگر اسقف اعظم نے فوراً ان معززین سے اپنے لئے پیش نماز مقرر کرنے کے حق کو سلب کرلیا حالانکہ اسوقت تک یہ لوگ اس حق سے مستفید ہوتے رہے تھے۔

لاڈ بحیثیت اسقف اعظم ۱۶۳۳ء

دیہات میں پادریوں کی جسقدر جگہیں خالی ہوتی جاتی تھیں ہائی چرچ کے اساقفہ ان پر ایسے لوگوں کو مامور کرتے جاتے تھے جو کالونیت پر تبرا کرتے اور بادشاہ کی بیچون وچرا الطاعت کو قانونِ خدا کا ایک جزو بتاتے تھے - پیورٹین بہت جلد اس وقت کو محسوس کرنے لگے اور انہوں نے اسکا توڑ یہ سونچا کہ اوقاف کی آمدنی کو خریدلیں اور حقیت داروں کے توسط سے پروٹسٹنٹ پادریوں کو مقرر کرائیں مگر لاڈ نے ان حقیت دارول کو کورٹ آف اکسچکر (عدالت خزانہ) کے روبرو طلب کرکے یکقلم اس طریقے کا خاتمہ کردیا - یہ داروگیر پادریوں ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ عام لوگ بھی اسکی زد میں آگئے - دو آخری حکمرانوں کے دور میں جیبی انجیل (جسے جینوا کی انجیلین کہتے تھے) انگریزوں میں عام طورپر رائج ہوگئی تھیں، اس کتاب کے حواشی پر کالونیت کے اصول لکھے ہوئے تھے اس لئے ان کی درآمد کی بھی ممانعت کردیگئی - عشائے ربانی کے ادائے رسوم کے وقت بیٹھے رہنا طریقہ عام ہوگیا تھا لیکن اب گھٹنوں کے بل جھکنے پر زور دیا گیا اور اس حکم کی تعمیل سے انکار کرنے کے باعث سینکڑوں آدمی ملت سے خارج کردئے گئے - پریشان کرنے کا ایک اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ ذریعۂ یہ نکلا کہ دونوں مذہبی فرقوں میں اتوار کی حرمت کے بابت سخت اختلاف رائے تھا پیورٹین حضرت عیسیٰ کے اس دن کو یہودیوں کے سبت کے مثل قرار دیتے تھے اور جسطرح یہود سبت کی حرمت کرتے ہیں اسیطرح وہ اتوار کی حرمت کرنا چاہتے تھے - اسکے خلاف لاڈ کے ہمخیال پادری اتوار کو کلیسا کی اور تعطیلوں کے مانند ایک تعطیل سمجھتے تھے

اور اپنے پیروؤں کو عبادت کے بعد اس قسم کی سیرو تفریح کی رغبت دلاتے تھے جس کا رواج "اصلاح" کے قبل تھا جیمز اپنے وقت میں ہائی چرچ کے پادریوں کا طرفدار تھا اور اسنے کھیل تماشے کی ایک کتاب بھی شائع کی تھی جس میں چند کھیلوں کو اتوار کے روز جائز ومناسب قرار دیا تھا۔ لیکن پارلیمنٹ باصرار دوسری جانب مائل تھی اور اسنے ازروئے قانون اتوار کی تفریحوں کو ناجائز قرار دیدیا تھا اسمیں شک نہیں کہ ملک کا عام خیال اتوار کی حرمت کو زیادہ پابندی کے ساتھ مرعی رکھنے کی طرف مائل تھا۔ اس اثناء میں لاڈ نے یکایک اس معاملہ کو ایک معرکتہ الآرا مسئلہ بنادیا، چیف جسٹس رچرڈسن نے اس قانون کو مغربی اضلاع میں رائج کیا تھا لاڈ نے اسے مجلس شاہی کے روبرو طلب کرکے اس بری طرح اسکی سرزنش کی کہ بڈھا چیف جسٹس یہ کہتا ہوا نکلا کہ "میرے گلے میں صرف اسقف صاحب کی ریشمی آستینوں سے پھندا لگادینے کی کسر رہگئی تھی"۔ اسکے بعد لاڈ نے ہر ایک پادری کو یہ حکم دیا کہ اتوار کی تفریح کے متعلق منبروں پر اعلان کیا جائے۔ پیوریٹن پادریوں میں سے ایک پادری نے اس حکم کی تعمیل کرنے کیلئے اعلان کو پڑھ دیا مگر آخر میں یہ معنی خیز فقرہ بھی کہدیا کہ اے لوگو تمنے خدا کا حکم اور انسان کا حکم دونوں کو سُن لیا۔ اب جسکی چاہو اطاعت کرو"۔ لیکن پادریوں کی جماعت کثیر نے اسقف اعظم کے حکم کی تعمیل سے انکار کردیا۔ اسکا انجام وہی ہوا جو لاڈ نے سوچ رکھا تھا۔ یہ تمام پادری ہائی کمیشن کے روبرو طلب کئے گئے اور انہیں یا خاموش رہنے کا حکم دیا گیا یا وہ اپنی جگہوں سے

ہٹادئے گئے ۔ صرف ایک ناروچ کی اسقفی کے اندر تیس قصبوں کے پادری اپنی اپنی جگہوں سے خارج کردئے گئے ۔

لاڈ اور پادری

ادنیٰ درجے کے پیوریٹینی پادریوں کا یہ اخراج درحقیقت اس اصلی کام کی تمہید تھی جسکا تہیہ اسقف اعظم پہلے سے کرچکا تھا یعنی پادریوں کو کیتھولک عقائد اور کیتھولک رسوم کا پابند بناکر مذہب کیتھولک سے دوبارہ اتحاد قائم کرلیا جائے ۔ لاڈ علانیہ یہ کہتا تھا کہ وہ متاہل پادریوں پر مجرد پادریوں کو ترجیح دیتا ہے ۔ پیوریٹنی پادریوں کی جگہ پر جو پادری مقرر ہوئے تھے ان میں سے اکثر انہیں عقائد ورسوم کی پابندی کرتے تھے جن کو بڑے بڑے مصلحین پوپ پرستی کے عقائد قرار دیکر قابل لعنت ٹھیرا چکے تھے ۔ اکثر اساقفہ بھی لاڈ کے ہمخیال تھے ایک پادری مانٹیگو صدق دل سے چاہتا تھا کہ رُوما سے مصالحت ہوجائے ۔ دوسرے گڈمین نے مرتے دم یہ اقرار کیا کہ وہ پوپ کا پیرو ہے ۔ اس درمیان میں لاڈ اس مسلسل ان تھک کوشش میں مشغول تھا کہ "اصلاح" کی مہلک ضرب سے پادریوں کا ملکی وسیاسی درجہ جسقدر پست ہوگیا ہے اسیقدر وہ بلند ہوجائے ۔ اسکے اسقفی کے دفتر میں ایک بہت بڑی اور قیمتی کتاب صاف شدہ چمڑے کے کاغذ پر لکھی ہوئی رکھی ہوئی ہے، اس کتاب میں اسنے پادریوں کے حقوق کے متعلق وہ تمام تحریریں جمع کیں ہیں جو ٹاور میں محفوظ ہیں اسقف اعظم نے اپنے روزنامچے میں لکھا تھا کہ "اگر خدا کی مدد شامل حال ہوی تو میں اکیس کام انجام دونگا" ان اکیس کاموں سے ایک کام اس کتاب کا جمع کرنا بھی تھا ۔ انہیں سے

پندرہ کاموں کے سامنے اسنے زور دیکر لفظ "مکمل" لکھا تھا۔ انہیں میں
یہ کتاب بھی شامل تھی ۔ عدالتہائے اساقفہ کے اختیارات مدت سے
کمزور ہوگئے تھے مگر اب لاڈ کی سرپرستی سے انہیں پھر قوت حاصل
ہوگئی ۔ سنہ ۱۶۳۶ء میں اسنے بادشاہ کو اس امر پر آمادہ کردیا کہ سلطنت
کے ملکی عہدوں میں سے سب سے بڑا عہدہ یعنی خزانے کی وزارت اعلی
جکسن اسقف لندن کو دیدیجائے ۔ لاڈ نے فخریہ لکھاہے کہ "ہنری ہفتم
کے زمانے کے بعد سے کوئی پادری اس عہدے پر مقرر نہیں ہوا
تھا ۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جکسن کے ہاتھ سے یہ کام
اس طرح انجام پائے کہ کلیسا کی عزت اور سلطنت کی ترقی وبہبودی
کا باعث ہو ۔ اہل کلیسا اگر اب بھی اپنے آپکو نہ سنبھال سکیں تو
میں اس سے زیادہ کیا کرسکتا ہوں" جسطرح وہ چاہتا تھا کہ پادری
عقائد کے بارے میں کیتھولک معیار پر آجائیں اسی طرح وہ یہ بھی
چاہتا تھا کہ جہانتک ہوسکے عام عبادت میں طریقہ کیتھولک کی شان
وشوکت پیدا ہوجائے ۔ خود اپنے گرجا میں اسنے جو طریقہ اختیار کیا
اس سے صاف عیاں ہوگیا کہ وہ کس بے باکانہ جرأت کے ساتھ
اس زمانے کے مذہبی احساس کے خلاف چلنا چاہتا تھا ۔ اس زمانے
میں اکثر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جاگزیں ہوگیا تھا کہ عبادت
کے ظاہری و رسمی پہلو کے بجائے (جسمیں نفاست پسندی کا شائبہ بھی
شامل تھا) اسکے روحانی پہلو پر زیادہ لحاظ کرنا چاہئے لاڈ جب
پہلی بار لیمبتھ میں داخل ہوا ہے تو دریا سے گزرتے وقت
کشتیوں کا پل ٹوٹ گیا اور اگرچہ گھوڑے اور ملازمین بچ گئے۔

ڈ اور رسوم مذہبی

لیکن اسقف اعظم کی گاڑی دریائے ٹیمز ہی میں رہگئی - لوگوں نے اس حادثے
کو فال بد سمجھا مگر خود اسکی ہمت واستقلال میں ذرا بھی فرق نہ آیا اسنے
خود اس حادثے کی کیفیت پوری پوری قلمبند کی ہے - اسنے فخریہ یہ
لکھا تھا کہ "میں نے پھر اپنے معبد کو اسکی اصلی حالت پر پھیر دیا" جسکا منشا
یہ تھا کہ "اصلاح" کے وقت سے اسکے پیشروؤں نے جو کچھ کیا تھا ان
سب کو پلٹ دیا - لیمبتھ کے محل کی عبادت گاہ اسوقت کی کلیسائی
عمارتوں میں بہت ممتاز وشاندار عمارت تھی - کرینمر کے وقت سے
ہر ایک مقتدائے اعظم روزانہ اسمیں عبادت کرتا رہا تھا - اور اکثر
اُمرا، جج، پادری، اور ہر قسم کے ملکی وغیر ملکی اشخاص وہاں آتے
رہتے تھے - لیکن عبادت کی تمام شان و شوکت آہستہ آہستہ مٹ گئی
تھی - کرینمر کے وقت میں کھڑکیوں کے تصویردار شیشے توڑ ڈالے گئے
الزبیتھ کے وقت میں عشائے ربانی کی میز عبادت گاہ کے وسط میں رکھدی
گئی اور تبرک کی بغلی میز توڑ ڈالی گئی - جیمز کے وقت میں اسقف اعظم
ایبٹ نے آخری کارروائی یہ کی کہ تمام رسومات کا خاتمہ کردیا عبادت کے
وقت لمبی لمبی عباؤں کا پہننا ترک ہوگیا - اسقف اعظم اور اسکے مقتدیوں نے
حضرت عیسیٰؑ کے نام پر جھکنا چھوڑ دیا - راگ اور باجا قطعًا متروک ہوگیا
اور عبادت میں اسقدر سادگی پیدا کیگئی کہ کالون بھی اسے دیکھکر خوش
ہوجاتا - لاڈ سے عبادتگاہ کی یہ حالت دیکھی نہ جاسکتی تھی - اسے سابقہ حالت
کی بحالی میں اسقدر غلو تھا کہ کھڑکیوں میں تصویردار شیشوں کے لگاتے
وقت وہ خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتا، ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کے
جوڑنے میں اسنے اپنی انتہائی قابلیت صرف کردی تھی - آئینہ ساز کو خاص طور

یہ حکم دیا تھا کہ "ٹوٹی ہوئی صلیب" کی مرمت کر کے اسکو دوبارہ پورب والی کھڑکی میں لگا دے۔ مقدس میز پھر وسط سے ہٹا کر قربان گاہ کے طور پر مشرقی دیوار سے ملا کر رکھ دی گئی۔ اسکے پیچھے ایک گلدار قالین لٹکایا گیا جس پر حضرت عیسیٰؑ کے آخری کھانے کا نقشہ گل بوٹوں میں دکھایا گیا تھا لکڑی کے باریک نقش و نگار کے کام' بغلی میز' باجے' شاندار مراسم عبادت' حضرت عیسیٰؑ کے نام پر جھکنا' منبر کے قریب گھٹنوں کے بل کھڑے ہونا' ان تمام باتوں نے آخر معبد کو اس حد پر پہنچا دیا جسکی تمنا لاڈ کے دل میں تھی۔ دوسرے مقامات میں اگرچہ وہ عبادت کو اسقدر شاندار نہ بنا سکا مگر جہانتک اس سے ہوسکا اسنے کوتاہی نہیں کی منبر کے سامنے جھکنے کا رواج تمام بڑے بڑے گرجوں میں رائج ہو گیا۔ عشائے ربانی کی میز تقریباً نصف صدی سے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے گرجا کے اندر وسط میں رکھی رہتی تھی اب وہ شاہی حکم سے پھر اسجگہ رکھدی گئی جہاں "اصلاح" کے قبل رکھی ہوئی تھی اور بے ادبی سے بچانے کیلئے اسکے گرد ایک کٹھرا لگا دیا گیا۔ منبر کے اس نقل مکان سے مقصود یہ تھا کہ حضرتِ عیسیٰؑ کے حقیقتہً موجود ہونے کا یقین کیا جائے اور عشائے ربانی کے متعلق انگریزوں کا جو عام خیال تھا اسے باطل قرار دیا جائے۔ لوگ بھی اس نقل مکانی کا یہی مطلب سمجھتے تھے اور اس سے لاڈ کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا مگر اسکی ہٹ اور تشدد نے سب کو دبالیا جن پادریوں نے منبر پر سے اس تغیر کی مذمت کی انہیں جرمانے اور قید کی سزا دیگئی اور ان کے وظائف بند کر دئے گئے۔ گرجوں کے جن محافظوں نے اس حکم کی

تعمیل سے انکار کردیا یا اس میں تاخیر روا رکھی، انہیں ہائی کمیشن کے سامنے بلاکر سرزنش کیگئی اور ڈرا دھمکا کر اطاعت پر مجبور کیاگیا۔

[پیوریٹن پریشان ہوگئے تھے]

دار العوام نے بادشاہ کے حضور میں اپنا آخری تعرض جو ظاہر کیا اسمیں اسنے لاڈ پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہی خاص طورپر کلیسائے انگلستان کے پروٹسٹنٹی طریق کے خلاف ہے، اور اسکے منصب اسقف اعظم پر فائز ہونے کے بعد سال بسال یہ ثابت ہوتا جاتا تھا کہ یہ الزام صحیح ہے۔ وہ اب پارکر یا وہٹگفٹ کیطرح صرف مستحفظ روش کا پیرو نہیں تھا بلکہ وہ اپنی چیرہ دستی سے ایک انقلاب پیدا کردینا چاہتا تھا۔ اسکے حملوں کے مقابلے میں کلیسائے انگلستان کی قدیم روش کی حفاظت کرنے والے اب صرف پیوریٹن رہگئے تھے اور اسلئے مقتدائے اعظم کے "نئے مشوروں" کے بعد اس خیال حفاظت میں جو کچھ قوت باقی تھی وہ محض پیوریٹنوں کے دم سے تھی۔ لاڈ کو اگرچہ بادشاہ کی پشت گرمی حاصل تھی مگر اس جد و جہد میں وہ یوماً فیوماً مایوس ہوتا جاتا تھا کیتھولک یہ کہتے تھے کہ انہیں جوسکون اسوقت حاصل ہے وہ پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا، تفریق پسندوں کے جرمانے بھی گھٹا دئے گئے تھے اور ان کو گھروں کے اندر عبادت کرنے کی اجازت ملگئی تھی مگر پیوریٹن یہ دیکھتے تھے کہ ان کے تمام پادری خاموش یا معزول کردئے گئے ہیں، ان کے سبت کی بیحرمتی کیجاتی ہے اور ان کے خیال کے موافق ان کی عبادت کے مقدس ترین حصّے کی یہ حالت کردیگئی ہے کہ وہ رومن کیتھولک عبادت کے مثل ہوگیا ہے۔ اس صورت حالات میں اگر انگلستان کے باخدا لوگ مساچوسٹس کی نوآبادی کو خدا کا عطیہ سمجھتے اور

وہاں پہنچنے کیلئے بےچین تھے" تو اسمیں تعجب کی کوئی وجہ نہیں ہے"۔ کمزور طبیعت کے لوگ وہاں سے اگر وہاں کے شدائد و خطرات کا قصّہ سناتے اور کہتے تھے کہ نئے آنے والوں میں سے دوسو آدمی پہلے ہی جاڑے میں مرگئے مگر ان قصوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ونتھراپ کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ باقی لوگ مردانہ وار محنت سے بسر کررہے ہیں۔ اس نے لکھا تھا کہ" ہم اب آزادی سے خدا تعالےٰ اور مسیح کی عبادت کرتے ہیں۔ کیا یہ بجائے خود کافی نہیں ہے۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ مجھے یہاں آنے پر افسوس نہیں ہے۔ اگر یہ تمام مصائب و تکلیفات مجھے پہلے سے معلوم ہوجاتے تب بھی میں اپنے ارادے کو نہ بدلتا۔ مجھے جو سکون دلی اسوقت حاصل ہے اسکے قبل ایسا سکون حاصل نہیں ہوا تھا"۔ پیورٹین اپنے اس دلیرانہ عزم وقوت کے ساتھ اپنا تعصب اور اپنی تنگدلی بھی بحر اوقیانوس کے پار لیتے گئے تھے۔ ایک نوجوان پادری راجر ولیمز کا عقیدہ یہ تھا کہ آزادئ ضمیر ہر شخص کو حاصل ہونا چاہئے۔ اسے اس بنا پر نوآبادی سے نکالدیا گیا اور وہ "روڈ آئلینڈ" میں جاکر وہاں کی نوآبادی کا واعظ بن گیا۔ انگلستان کے تشدد مذہبی کے باعث ان تارکانِ وطن کے دلوں میں بھی سخت ناراضگی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ اسقفی حکومت کے منکر ہوگئے اور انہوں نے نوآبادی میں انگلستان کی کتاب ادعیہ کے لانے کو ممنوع قرار دیدیا تھا مذہبی خیال کی شدت نے اس نوآبادی کو ایک مذہبی حکومت بنادیا۔ "اس غرض سے کہ وہاں کے عوام میں ایمانداری اور نیک کرداری قائم رہے انہوں نے بالاتفاق یہ حکم دیدیا کہ آئندہ سوائے ان لوگوں کے جو ہمارے

کلیساؤں کے اندر داخل ہوں کسی اور شخص کو آزادیٔ عام کے حقوق حاصل نہ ہونگے"۔ انگلستان میں مذہبی مخاصمت جسقدر بڑہتی جاتی تھی اسیقدر یورٹین تارکانِ وطن کی تعداد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی صرف ایک برس کے اندر تین ہزار نئے آباد کار انگلستان سے امریکہ بھیج گئے۔ تارکانِ وطن کی اس ترقی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسقدر سخت دباؤ پڑ رہا تھا۔ ونتھراپ کی مہم کی روانگی "اور طویل العہد پارلیمنٹ کے درمیان دس گیارہ برس کا وقفہ پڑتا ہے اتنے ہی زمانے مین تارکانِ وطن کے دوسو جہازوں نے بحر اوقیانوس کو قطع کیا اور بیس ہزار انگریزوں نے مغرب کو اپنا مامن بنایا۔

جزو پنجم

حکومتِ شخصی

۱۶۲۹-۱۶۴۰

اسناد۔ اس زمانے کے عام واقعات کیلئے اجزاے ماقبل کے اسناد دیکھنا چاہیے۔ "اسٹریفرڈ کے خطوط (Strafford Letters) اور بادشاہوں کی ذاتی تحریرات کی فہرست سے اس عہد کی اصلی تاریخ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اسکاٹلینڈ کے عام حالات مسٹر برٹن کی تاریخ اسکاٹلینڈ (History of Scotland) سے واضح ہوتے ہیں۔ وسٹن

اور اس دور کے دوسرے بہت سے مدبّروں کی تصویریں کلیرنڈن کی تاریخ بغاوت History of the Rebellion کے ابتدائی حصّے میں ملتی ہیں}

پارلیمنٹ کا التوا}

اپنے عہد کی تیسری پارلیمنٹ کے افتتاح کے وقت چارلس نے یہ معنی خیز اشارہ کردیا تھا کہ پارلیمنٹ کا جاری رہنا اس امر پر موقوف ہے کہ وہ بادشاہ کی مرضی کے موافق رہے، اسکے الفاظ یہ تھے کہ "اگر تم اپنے فرض کو انجام نہ دوگے تو میں اپنے فرایض کی انجام دہی کیلئے ان دوسرے ذرائع سے کام لونگا جو خدانے مجھے عطا فرمائے ہیں"۔ لیکن یہ تہدید پارلیمنٹ کی مقاومت کے رفع کرنے میں چل نہ سکی اور چارلس کی بدشگونی نے الفاظ سے گزرکر عملی صورت اختیار کرلی۔ پارلیمنٹ کی برطرفی کے بعد ایک اعلان یہ شایع ہوا کہ "ہمنے بارہا رعایا کے قائم مقاموں کو جمع کرنے سے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہم پارلیمنٹ کو کسقدر پسند کرتے ہیں لیکن سابق خرابیوں کے اعادہ نے ہمیں اپنی مرضی کے خلاف اس روش کے ترک کردینے پر مجبور کردیا اور اب اگر کوئی شخص پارلیمنٹ کے اجتماع کیلئے ہم سے کسی خاص وقت کا تقاضا کریگا تو ہم اس امر کو اس شخص کی گستاخی پر محمول کرینگے"۔

مارچ ۱۶۲۹ء

چارلس کی طرز عمل

فی الواقع گیارہ برس تک پارلیمنٹ کا اجلاس نہیں ہوا، لیکن اس ابتدائی زمانے میں بادشاہ پر یہ الزام کسی طرح نہیں آسکتا کہ اسنے مطلق العنان حکومت کے قیام کی کوئی قطعی تجویز قرار دے لی تھی یا وہ سلطنت کے قدیم نظام حکومت کو بدلنا چاہتا تھا۔ اسکا یقین یہ تھا کہ کچھ عرصہ بعد انگلستان کے خیالات درست ہو جائینگے اور اسوقت پارلیمنٹ کے اجتماع سے بادشاہ کو کوئی زحمت

بہتر نہیں آئیگی۔ اس وقفے میں وہ "ان ذرائع کی اعانت سے جو خدا نے اسے عطا کئے تھے" تنہا حکومت کرنا چاہتا تھا' البتہ مقاومت ومخالفت کے پامال کرنے پر وہ عزم مصمم کئے ہوئے تھا۔ سابقہ پارلیمنٹ کے فریق عام کے سرگروہ قید خانہ میں ڈال دئے گئے' الیٹ ٹاور ہی میں مرگیا اور انگلستان کی آزادی پر وہی سب سے پہلے قربان ہوا۔ پارلیمنٹ کے دوبارہ اجتماع کے متعلق گفتگو کرنے کی ممانعت کردیگئی تھی لیکن بادشاہ اسی حد پر رکا رہا۔ رشلیو جیسے شخص کو اگرایسا موقع ملتا تو ایک باقاعدہ مطلق العنانی کے قائم کرنے کا خواب دیکھنے لگتا مگر چارلس نے اس موقع سے صرف اتنا ہی فائدہ اٹھایا کہ "کسیطرح اپنا خزانہ بھرلے۔ ایک خلقی مطلق العنان میں جیسی عظمت وشان اور اسکے ساتھ ہی جیسی ذلت پسندی ہوا کرتی ہے وہ ان دونوں سے معرّا تھا۔ وہ اپنی رعایا پر اختیار مطلق کا خواہاں نہیں تھا کیونکہ اس کو یقین تھا کہ نظامِ حکومت کے رُو سے یہ اختیار مطلق اسے پہلے ہی سے حاصل ہے۔ اسنے اس اختیار کے قائم کرنے کیلئے کوئی مستقل فوج نہیں رکھی' جسکی وجہ کچھ تو یہ تھی اسکے پاس روپیہ نہیں تھا مگر بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے اقتدار شاہی کو اسقدر محفوظ سمجھتا تھا کہ اسے خواب میں بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ بزور اسکی مخالفت کیجائیگی۔ اسکا غرور اسے پارلیمنٹ کی دست نگری کی اجازت نہیں دیتا تھا اسلئے اسنے تاج کو اسوقت سے خلاصی دلانے کیلئے امن وکفایت شعاری کو ذریعہ بنانا چاہا۔ قیام امن کے خیال سے اسنے ایک ایسا موقع ہاتھ سے نکل جانے دیا کہ اسکے باپ کو

کبھی ایسا موقع نصیب بھی نہیں ہوا تھا۔ گسٹاوس اڈولفس کے سویڈن کی فوج کے ہمراہ وسط جرمنی میں آجانے سے جرمنی کی جدو جہد عظیم کی صورت حال یکایک بدل گئی تھی۔ ٹلی شکست کھاکر مارا گیا اور کیتھولک لیگ خاک میں ملگئی اور اسکے سرگروہ والئی بیویریا کے دارالحکومت میونچ پر سویڈن کی فوج نے قبضہ کرلیا اور شمال جرمنی کے لوتھر کے پیرو حکمراں نہ صرف شہنشاہ کی سپاہ کے اثر سے آزاد ہوگئے بلکہ خود شہنشاہ ہراساں وترساں وائنا کی دیواروں کے اندر بند ہوگیا، اور اس پروٹسٹنٹ فاتح کی ترقی کو روکنے کیلئے اسے صرف ایک والنسٹائن کی فوج کا سہارا نظر آتا تھا۔ والنسٹائن ایک تو دولت شخص تھا اور شہنشاہ اسکی اولوالعزمیوں سے خائف تھا مگر اسوقت بدرجۂ مجبوری اسی سے مدد کا خواہاں ہوا۔ جیمز کی پیدا کی ہوی تباہی یکایک رفع ہوگئی، مگر جسطرح پروٹسٹنٹوں کی شکست سے جیمز اپنے ناکارہ تدابیر سیاسی سے باز نہیں آیا، اسی طرح ان فتوحات کے باعث چارلس اپنے اندرون ملک کے سیاسیات کے محدود حلقے سے باہر نہیں نکلا۔ گسٹاوس نے جسوقت جرمنی پر حملے کا ارادہ کیا اسنے انگلستان وفرانس سے مدد کی درخواست کی مگر پارلیمنٹ کی برطرفی کی وجہ سے چارلس کا ہاتھ خالی تھا اور اسنے صلح کی روش پرہی قائم رہنا مناسب سمجھا۔ اپنے جہازوں کو بحر بالٹک سے واپس بلالیا، اسپین سے گفت و شنود جاری کردی اور آخرالامر ۱۶۳۰ اسپین سے ایک عہدنامہ ہوگیا اور پیلیٹینیٹ کو اسکے حال پر چھوڑدیا گیا۔ جنگ کی طرح صلح کی حالت میں بھی بدنصیبی نے اسکا پیچھا نہیں چھوڑا، عہد نامہ کی تکمیل کو ابھی کچھ دیر نہیں ہوئی تھی کہ گسٹاوس کی

حیرت انگیز فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چارلس نے فوراً ہی اسکی کامیابی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور پیلیٹینٹ کے دوبارہ فتح کرنے میں اسکاٹلینڈ اور انگلستان کی فوجوں کے چند دستے گستاوس کے ساتھ شریک ہوگئے لیکن فاتح نے پیلیٹینٹ پر دوبارہ فریڈرک کو والی بنانے کیلئے یہ شرط کی کہ چارلس پھر اسپین کے خلاف اعلان جنگ کردئے۔ بادشاہ کو یہ منظور نہیں تھا کیونکہ وہ یہ ارادہ کرچکا تھا کہ ایسی جنگ میں نہ پھنسے جسکی وجہ سے اسے پھر پارلیمنٹ کے بلانے پر مجبور ہونا پڑے۔ اسکی توجہ تمامتر اپنی آمدنی کیطرف منعطف تھی۔ اسیکا اس پر سخت بوجھ پڑا ہوا تھا، قرض بہت بڑھ گیا تھا، بادشاہ کی مقررہ آمدنی میں اگر پارلیمنٹ مزید اضافہ نہ کرتی تو معمولی اخراجات کے لئے وہ کافی نہیں تھی۔ چارلس خود کفائت شعار اور جفاکش تھا اور بکنگھم کے دور اقتدار میں جسقدر اسراف وفضولخرچی جاری تھی اسکے مقابلے میں نئے وزیر خزانہ ارل پورٹلینڈ کی جزرسی بسا غنیمت تھی۔ لیکن جزرسی وکفایت شعاری خزانہ کی کمی کے پورا کرنے کیلئے کافی نہیں تھی اور مالی مشکلات کے باعث چارلس جس روش کے اختیار کرنے پر مجبور ہوا اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ دارالعوام نے کسقدر صحیح رائے قائم کی تھی کہ آئینی آزادی کو سب سے زیادہ خطرہ خود مختارانہ محصول سے ہے۔

بادشاہ کی حکمرانی

بادشاہ کی خواہش یہ تھی کہ اپنے خزانہ کو بھی معمور کرلے اور اسکے ساتھ ہی جہانتک ممکن ہو اپنے خاص اختیار سے محصول عاید کرنے میں آئینی قوانین کی خلاف ورزی سے بھی بچا رہے۔ اسنے اپنے غور کی

وجہ سے عجیب وغریب طریقے اختیار کئے۔ اقتدار شاہی کے جو اختیارات عملاً معطل ہوچکے تھے ان سے انتہائی حدتک کام لیا بادشاہ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ معزز زمینداروں کو "نائٹ" کا خطاب حاصل کرنے پر مجبور کرے، اس کی تجدید کی گئی اور جن لوگوں نے انکار کیا ان سے روپیہ وصول کیا گیا۔ جن زمینداروں کی دستاویز ملکیت میں کسی قسم کا نقص نکلا ان پر جرمانے کئے گئے۔ جنگلوں کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا اور گردو نواح کے جن زمینداروں نے شاہی زمینوں پر قبضہ کرلیا تھا ان سے بہت بڑی بڑی رقمیں حاصل کی گئیں۔ لندن اپنے پیوریٹنی خیالات کی وجہ سے خاص طور پر معتوب تھا۔ اس سے جیمز کے ایک بے ضابطہ اعلان کی خلاف ورزی پر بہت سخت رقم وصول کی گئی۔ جیمز نے یہ حکم دیا تھا کہ لندن کے حدود میں اضافہ نہ کیا جائے اس حکم کے خلاف شہر کے وسیع مضافات میں جسقدر مکانات بنے تھے وہ مسمار ہونے سے صرف اسطرح بچے کہ مالکوں نے تین تین برس کا کرایہ بادشاہ کے خزانے میں داخل کیا کیتھولکوں پر اگرچہ اب کسی قسم کا جبرو تشدد نہیں ہوتا تھا اور وزیر خزانہ خود دربردہ کیتھولک تھا مگر خزانہ کی ضرورت نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ "عدم اتفاق کے لئے جرمانے کا قدیم طریقہ قائم رکھے۔ جبرو تشدد کی یہ تمام کارروائیاں سلطنت کیلئے اسقدر مضر ثابت نہیں ہوئیں جسقدر کہ اسٹار چیمبر کے ذریعۂ سے عدالتی کارروائی سے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش مضر ثابت ہوئی۔ وولزی نے امرا کی روک کیلئے مجلس شاہی کے عدالتی اختیارات کو زندہ کردیا تھا اور شاہان ٹیوڈر کے عہد میں اسے بہت ترقی ہوگئی تھی

اسٹار چیمبر

خاصکر فوجداری کے معاملات میں دغا فریب، شورش، سپاہیوں کا رکھنا، جعلسازی، ازالۂ حیثیت عرفی اور سازش، وہ خاص جرائم تھے جو اس عدالت میں پیش ہوسکتے تھے مگر اور قسم کے جرائم بھی اسکے حد اختیار سے باہر نہیں تھے خاصکر ایسے الزامات جہاں عام قانون کے ناممکل ہونے یا ملزم کے اقتدار کے باعث عدالت ماتحت میں مشکل پیش آجائے، وہ تمام معاملات اس عدالت میں منتقل ہوتے تھے۔ اسکی کارروائی کا طریق وہی تھا جو عدالت خزانہ کا تھا۔ سلطنت کے مقدمات میں وہ وکیل شاہی کی اطلاع پر کارروائی کرتی تھی۔ گواہ وملزم دونوں سے حلفیہ سوالات کئے جاتے تھے اور سزائے موت کے سوا اور ہرطرح کی سزا دینے کا اس عدالت کو اختیار تھا۔ عام مقدمات میں اسٹار چیمبز کے ججوں کی علمیت اور ان کے بے لوث فیصلے کی شہرت کیسی ہی کچھ کیوں نہ ہو مگر ایک ایسی عدالت سے جو تمامتر مشیرانِ شاہی پر مشتمل ہو سیاسی مقدمات میں بے لاگ فیصلے کی توقع مشکل تھی۔ کسی بڑے مطلق العناں بادشاہ کے ہاتھ میں یہ عدالت آزادی پر چھری پھیرنے کیلئے کافی تھی۔ مگر چارلس نے اس سے صرف اتناہی کام لیا کہ وہ اپنے خزانہ کو معمور کرلے اور اپنی آزادانہ حکومت کو قائم رکھے۔ شاہی مرضی کے خلاف عمل کرنے پر نہایت سخت جرمانے ہوتے تھے اور اگرچہ یہ جرمانے اکثر معاف کردئے جاتے تھے مگر اس سے لوگوں کو بیحد تکلیف پہنچتی تھی۔ پھر بھی ان جرمانوں کی زدکم لوگوں پر پڑتی تھی۔ لیکن وسٹن نے اجاروں کے تجدید کرنے کی جو کارروائی اختیار کی اسکا اثر بہت ہی وسیع ہوگیا۔ الیزبیتھ نے اجاروں کا طریقہ متروک کردیا تھا اور جیمز کے وقت میں پارلیمنٹ نے قانونا

اسے بالکل مٹادیا تھا مگر اب پھر اسے جاری کیاگیا اور سابق کی نسبت
اسے بہت زیادہ وسعت دیگئی - جو کمپنیاں یہ اجارے حاصل کرتی تھیں
وہ حصول رعایت کے وقت ایک بڑی رقم ادا کرنے کے علاوہ اپنے
منافع پر ایک معینہ محصول بھی دیتی تھیں - شراب، صابون، نمک اور خانگی
استعمال کی قریب قریب تمام چیزیں اجارہ داروں کے ہاتھوں میں آگئی
تھیں - بادشاہ کو اس سے جو نفع ہوتا تھا اسکے مقابلے میں قیمتیں بدرجہا
زیادہ بڑھ گئی تھیں - کولپیپر نے بعد کو لانگ پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ "یہ اجارہ دار
ہمارے پیالوں میں پیتے، ہماری رکابیوں میں کھاتے ہیں اور ہمارے آتشدان
کے پاس اگر آگ تاپتے ہیں - کپڑوںکے رنگنے، دھونے اور سکھانے سب
میں شریک ہیں، باورچیخانہ میں دخیل ہیں - غرض سر سے پاؤں تک انہوں
نے ہمپر قبضہ کر رکھا ہے" لیکن ان تدبیروں کے باوجود بھی اگر بادشاہ
وہ تحصیل بے جا کی وہ کارروائیاں نہ اختیار کرتا جن پر پارلیمنٹ اعتراض کرچکی تھی تو خزانہ خالی
ہی رہتا - بندرگاہوں پر حسب سابق محصول درآمد وبرآمد بدستور وصول کیا
جاتا تھا - لندن کے تاجروں نے اس محصول کے اداکرنے کی مخالفت
کی مگر انکی مخالفت بزور دبادیگئی - ان میں سے تاجر چیمبرز نے جب
شکایتًا یہ کہا کہ "انگلستان میں تاجروں کی حالت ترکی سے بدتر ہے" تو اسے
اسٹار چیمبر کے سامنے پیش کیاگیا اور دوہزار پونڈ جرمانہ کرکے اسے بالکل
تباہ کردیا گیا - انہیں کارروائیوں کی وجہ سے لندن کا وسیع شہر چارلس
کا سخت دشمن ہوگیا اور آئندہ کی جنگ میں اس شہر کی دولت وقت
اسکے حق میں مہلک ثابت ہوئی - صوبوں کے اراضی داروں کی جانب
سے بھی ایسے ہی مشکلات پیش آئے - ایک موقع پر کارنوال کے اراضی دار

بادشمن میں اسی غرض سے جمع کئے گئے تھے کہ وہ خود اپنی مرضی سے قرض دیں۔ ان میں سے نصف حلقوں نے انکار کردیا اور جن حلقوں نے قرضہ دینا منظور کیا اس سے صرف دوہزار پاؤنڈ سے کچھ اوپر وصول ہوئے تشخیص قرضہ کیلئے جو کمشنر (مامورین) مقرر ہوئے تھے ان سے جو معاملات پیش آئے اسکی کیفیت کارنوال کے ایک شخص نے بہت دلچسپ پیرایہ میں لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "کسی سے باتیں بناکر، کسی کو ڈرا دہمکاکر، کسی کو لالچ دلاکر اس جال میں پھنسا دیا گیا۔ قریب تھا کہ میں بھی روپیہ دیکر کچھ تعریف حاصل کرلوں مگر میں جانتا تھا کہ مجھے کس سے سابقہ پڑنے والا ہے اسلئے میں جب زبان سے ان کمشنروں سے باتیں کررہا تھا تو اپنے ہاتھوں سے اپنی جیبوں کو مضبوط پکڑے ہوئے تھا"۔

عام خوشحالی

اس قسم کی تدبیروں سے قرضہ کم کیاگیا اور بادشاہ کی سالانہ آمدنی بڑھائی گئی۔ بددلی کے قوت سے فعل میں آنے کے زیادہ آثار نہیں پائے جاتے تھے۔ بادشاہ کی کارروائیاں اگرچہ تکلیف دہ اور خلاف قانون تھیں مگر شخصی حکومت کے اس ابتدائی زمانہ میں عام ملک کی آزادی کے لئے کسی مستقل خطرے کا کچھ ایسا اندیشہ نہیں تھا۔ اس زمانے کے خطوط پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والوں کو کسی نہ کسی وجہ سے یہ عام اعتقاد ہوگیا تھا کہ آخرکار "قانون ہی" کو فتح حاصل ہوجائیگی۔ چارلس ضدی ضرور تھا مگر ضدکوئی ایسی اخلاقی خرابی نہیں سمجھی جاتی تھی جس سے انگریزوں میں سخت اشتعال پیدا ہوجاتا۔ بادشاہ کی طرح رعایا بھی اپنی ہٹ کی پوری تھی۔ وہ اپنی سیاسی دوربینی سے یہ سمجھے ہوئی تھی کہ چارلس اپنی آمدنی کی جو عمارت آہستہ آہستہ تعمیر کررہا ہے۔

وہ ایک ادنیٰ سے اضطراب سے منہدم ہو جائیگی اور پھر اسے
پارلیمنٹ کے طلب کرنے اور پارلیمنٹ ہی سے امداد لینے پر مجبور ہونا
پڑیگا۔ رعایا چاہتی تھی کہ اچھے موقع کا انتظار کرے۔ ملک کی عام خوشحالی
سے انکے اس انتظار کو اور مدد ملتی جاتی تھی۔ برّاعظم کی جنگ وجدال
کے باعث انگریز دولت مند ہوتے جاتے تھے۔ اسپین وفلینڈرز کے
درمیان آمد وشد بالکل انگریزی جہازوں پر ہوتی تھی، پرتگال کے بندرگاہوں
اور افریقہ، ہندوستان اور بحرالکاہل کی نو آبادیوں کے درمیان عام طور پر
انگریزی ہی جہاز چلتے تھے۔ طولانی امن کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تجارت
میں وسعت ہو، یارکشائر کے وسٹ رائڈنگ کے قصبات
صنعت میں برابر ترقی کرتے جاتے تھے۔ نئی زمینوں پر کاشت ہوتی جاتی
تھی اور ایک بہت بڑی تجویز یہ درپیش تھی کہ فنز (نارفک اور سفک
کے دلدلوں) کو خشک کرکے زراعت کے کام میں لاسکیں۔ کرایوں کے
بڑھ جانے سے دیہات کے متوسط الحال لوگوں کی آمدنی میں اضافہ
ہوگیا تھا، اور وہ لوگ بڑے بڑے مکان بنارہے تھے۔ برّاعظم کی
خونریزی وتباہی کے مقابلے میں انگلستان کی اس امن وخوشحالی سے
ایک قوی دلیل ان لوگوں کے ہاتھ آگئی تھی جو بادشاہ کے طرزِ عمل
کے موئد تھے۔ ملک کی ظاہری حالت میں اسقدر سکون تھا کہ درباری
حلقوں میں خطرے کا اندیشہ ذرا بھی نہ تھا۔ مے لکھتا ہے کہ "بعض
بڑے بڑے مُدبّر اور مشیران شاہی آزادی رعایا کے الفاظ پر بالعموم
ہنسا کرتے تھے"۔ ایسے بھی درباری تھے جنکی جرأت یہاں تک
بڑھی ہوئی تھی کہ وہ علانیہ کہتے تھے کہ "اب بادشاہ کو کبھی پارلیمنٹ کی

ضرورت نہیں پڑیگی"۔ لیکن اس سطحی خاموشی کے پردہ میں حالت کچھ اور ہی تھی۔ کلیرنڈن نے اس امن کی تعریف کرتے کرتے ایمانداری سے یہ لکھا ہے کہ "ملک، غرور، بغاوت، اور بددلی کے خیالات سے بھرا ہوا تھا"۔ ہزاروں آدمی انگلستان کو چھوڑکر امریکہ جارہے تھے۔ شرفا و معززین دربار سے کنارہ کش تھے۔ "عوام اور قصبات کے اراضی دار خود صحیح طورپر اپنے حقوق اور ان تکلیفوں پر بحث کرسکتے تھے جنمیں وہ مبتلا تھے"۔ چارلس نے اگرچہ اپنے کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا مگر اسکے وزرا میں ایک شخص تھا جو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ رعایا کی یہ خاموشی بہت معنیٰ خیز ہے اور اگر کچھ اور کارروائیاں نہ اختیار کیگئیں تو مخالفت کی ہوا چلتے ہی مطلق العنانی کی ساری عمارت مسمار ہو جائیگی۔

{ونٹورتھ}

سرٹامس ونٹورتھ، یارکشائر کا ایک بڑا زمیندار اور پارلیمنٹ میں اپنے صوبے کا قائم مقام تھا۔ ۱۶۲۸ء میں وہ دارالعوام کے "فریق عام" میں خصوصیت سے ممتاز تھا مگر جسوقت اسنے امور عامہ میں دخل دینا شروع کیا تھا اسیوقت سے اسے بے انتہا شوق تھا کہ وہ بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہوجائے۔ شاہ سابق کا دور حکومت ابھی ختم نہوا تھا کہ اسنے دربار سے تعلق پیدا کرلیا اور بادشاہ کے ایک وزیر کو یارکشائر کی طرف سے منتخب کرایا، لوگوں کو یقین تھا کہ وہ جلدتر امرا کے زمرے میں شامل کرلیا جائے گا مگر اپنی جس سیاسی قابلیت کے احساس سے اسکے حوصلے بڑھ گئے تھے اسی قابلیت کی وجہ سے بکنگھم کو اس سے رقابت ہوگئی تھی

وہ اپنے پُر غرور تفاخر کے باعث بکنگھم کی متواتر اہانتوں کو برداشت نہ کرسکا اور مخالفت کا پہلو اختیار کرلیا، اسکی فصیح البیانی نے اس مخالفت کو اور خوفناک بنادیا۔ اسکی تقریر میں الیٹ کی سی صداقت وپختگی تو نہیں تھی مگر اسکی قادرالبیانی کے اسطرح یکایک ظاہر ہونے سے ایک خاص عظمت پیدا ہوگئی تھی۔ بکنگھم کو اپنے اس رقیب کی ذہانت وفطانت سے بالطبع خوف پیدا ہوگیا تھا، اور جب اسنے دربار میں سازشیں شروع کردیں تو بکنگھم اسے نہایت ذلت کے ساتھ پامال کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ ونٹورتھ، یارکشائر کا ناظم ضلع تھا اسے عدالت ہی میں یہ اطلاع دیگئی کہ اسے اس عہدے سے برطرف کرکے اسکے حریف سرجان سیول کو اس عہدے پر مقرر کیا گیا ہے۔ اس حکم سے مطلع ہوکر اسنے ایک خاص حقارت آمیز غرور کے ساتھ کہا کہ "چونکہ یہ لوگ اپنی کمزوری کی وجہ سے مجھے ملک میں بدنام کیا چاہتے ہیں اسلئے میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میں علانیہ اس ذلت کو رفع کرسکوں، اور یہ میرے لئے بہت آسان ہے۔" ونٹورتھ مضبوط اور عاقلانہ حکومت کے خیال میں غرق تھا، اس مقربِ بارگاہ کی تباہ کن حکومت سے اسکے تمام خیالات میں سخت برافروختگی پیدا ہوگئی۔ الیٹ جس قسم کی آزادی کا متمنی تھا اور جس کے لئے وہ بادشاہ کو مجبور کرنا چاہتا تھا، اس قسم کی آزادی ونٹورتھ کے مدنظر نہیں تھی بلکہ وہ شاہانِ ٹیوڈر کے طریق کار کا موئید تھا جب کہ ایک وسیع اور کشادہ دل طرزِ عمل کیوجہ سے بادشاہ بذاتِ خاص قوم کا سرتاج بن گیا تھا اور پارلیمنٹ کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ وہ بادشاہ کے

امداد زر کیا کرتی تھی، لیکن اس کام کے انجام پانے کے قبل یہ ضروری تھا کہ بکنگھم کا قصہ پاک کیا جائے۔ اس خیال سے "عرضداشتِ حقوق" کے سرگرم حامیوں میں ونٹورتھ دارالعوام کے اندر یکایک سب سے پیش پیش نظر آنے لگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس نازک موقع پر ونٹورتھ کے جوش انتقام کے ساتھ کوئی شریفانہ خیال اور آزادی کا صحیح جذبہ بھی شامل تھا یا نہیں۔ اسوقت جس آزادی کیلئے وہ زور لگا رہا تھا بعد میں خود اسی نے اس آزادی کو پامال کیا۔ لیکن اس موقع پر تو اسکے الفاظ نے آگ لگادی۔ "عرضداشتِ حقوق" کے متعلق اسنے اپنی ایک تقریر کو ان الفاظ پر ختم کیا کہ "اگر میں رعایا کی مشترکہ آزادی کے تمام وکمال قائم رکھنے پر ایمانداری کے ساتھ ثابت قدم نہ رہوں تو میری خواہش یہ ہے کہ مجھے ایک عجیب وغریب شئے کے طور پر کسی پہاڑی پہ رکھدیا جائے تاکہ دوسرے مجھسے عبرت حاصل کریں"۔

ونٹورتھ کی وزارت

درحقیقت اسوقت سے آج تک اسکا نام نشان عبرت بنا رہا ہے اسکی حوصلہ مندی اور اسکے حصول مقاصد کے درمیان جو موانع تھے وہ جب بکنگھم کی موت سے رفع ہوگئے تو اُسنے فوراً ہی حُبُ الوطنی کا جامہ اتار کر پھینک دیا۔ وہ مجلس شاہی میں داخل کرلیا گیا، اور بقول خود اس عزم کے ساتھ اسنے اس مجلس میں شرکت کی کہ "رعایا کے شرائط وقیود سے بادشاہی کو ہمیشہ کیلئے پاک وصاف کردے"۔ اسکے جوش اور اسکی قوتِ عمل پر اسقدر اعتماد تھا کہ وہ فوراً ہی طبقۂ اُمراء میں داخل کرلیا گیا اور بقول لاڈ بادشاہ کا خاص الخاص مشیر بن گیا۔ اسنے اپنے جوش وقوت سے بادشاہ کو بھی موثر کردیا تھا۔ اپنے اس نئے وزیر پر

۱۶۲۹

اسقدر جلد اعتماد کرلینے کیلئے چارلس کے پاس کافی وجوہ موجود تھے۔
مطلق العنان حکومت کیلئے جس وزیر کی ضرورت تھی، ونٹورتھ اسکا مجسم
نمونہ تھا۔ اسنے اپنی اختتام زندگی کے قریب ارل اسٹریفرڈ کا خطاب
اختیار کرلیا تھا، اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہے۔ وہ اپنے
آقا کے اس یقین میں شریک تھا کہ بادشاہ جن مطلق العنان اختیارات
سے کام لے رہا ہے وہ اختیارات ملک کے قدیم نظام سلطنت
کا جزو ہیں اور دارالعوام، اپنے قدیمی حدود سے تجاوز کرگیا ہے
لیکن اسکے ساتھ ہی اسے صاف طورپر یہ بھی نظر آرہا تھا کہ انگلستانمیں
مطلق العنان حکومت کے مستقلاً قائم کرنے کیلئے صرف بحث وحجت
یا رواج کے زور سے کام نہیں چلیگا بلکہ اسکے لئے تخویف کی ضرورت
ہے۔ اسکا طریق انتظام اسکے باطنی خیال کا آئینہ تھا۔ اسکی تصویریں
اسکا تاریک وپژمردہ چہرہ اور اسکی بھاری بھاری آنکھیں، بہت اچھی
طرح اُس شخص کی دلی کیفیت کو ظاہر کردیتی ہیں جو اپنے ہرکام
کو پورا کرنے کا خواہاں تھا۔ اسکا زورِ قابلیت اُن دنی الطبع لوگوںپر
جنہیں بکنگھم چھوڑ گیا تھا اسکی سخت گیری کا خوف، اسکی طاقت کا عام
احساس، یہی وہ باتیں ہیں جنکی وجہ سے وہ سارے دربار پر چھاگیا تھا۔
عام درباریوں کی سی خفیف الحرکاتی اسمیں مطلق نہیں تھی اسکا انداز ایک
خاموش، متکبر، پرجوش شخص کاسا تھا۔ وہ جب پہلی مرتبہ وہائٹ ہال
میں آیا تو اسکی آداب دربار کے خلاف وضع سے بادشاہ کے
حاشیہ نشین مسکرانے لگے مگر یہ مسکراہٹ بہت جلد عام نفرت سے بدلگئی۔
ملکہ جو ایک مشتعل مزاج عورت تھی اور جا وبیجا دخل دیا کرتی تھی، وہ اس سے

متنفر ہوگئی اسکے شریک کار وزرا اسکے خلاف سازشیں کرنے، اور بادشاہ کی نگاہ میں اسے ذلیل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ اسنے اُمراءِ عُظام کے خلاف سخت تقریریں کیں، بادشاہ کے خانگی ملازموں سے اختلافات پیدا کرلئے، خود مجلس شاہی میں اپنے غصّے کے اظہار میں تامّل نہ کیا، مخالفین نے ان باتوں سے اسکے خلاف کام لینا چاہا۔ بادشاہ کی حالت یہ تھی کہ اگرچہ اسکے حریفوں کے مقابلے میں برابر اسکی تائید کرتا جاتا تھا مگر اسکے اصلی مقصد کے سمجھنے سے وہ بھی قاصر تھا۔ چارلس اسوجہ سے اسکی قدر کرتا تھا کہ وہ ایک اچھا منتظم تھا، ذاتی اغراض سے اسے نفرت تھی وہ کسی کی الفت ونفرت کی پروا نہیں کرتا تھا اور چھوٹے بڑے سب کو پامال کردیتا تھا، وہ صرف ایک خیال میں غرق تھا کہ بادشاہ کی قوت کو مستحکم کردے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ آزادی کے مقابلے میں سخت جدوجہد ہونے والی ہے اور اسکے لئے تیاری ضرور ہے، وہ انگلستان میں بزور اسی قسم کی مطلق العنانی قائم کرنا چاہتا تھا جیسی ریشلیو نے فرانس میں قائم کردی تھی تاکہ یورپ میں انگلستان کو وہی عظمت حاصل ہوجائے جو رشلیو کے باعث فرانس کو حاصل ہوگئی تھی مگر ان کاموں میں اسے بادشاہ کی جانب سے رفاقت واعانت کی بہت کم اُمید تھی۔

ونٹورتھ آئرلینڈ میں

ونٹورتھ اپنی اظہار قابلیت کیلئے بیصبر تھا اسنے اس غرض کیلئے ایک ایسا موقع تجویز کیا جہاں وہ تنہا کام کرسکتا ہو، اور انگلستان میں جو دقتیں پیش آتی تھیں ان سے آزاد ہوجائے۔ اسکا مقصد یہ تھا کہ آنے والی جدوجہد کیلئے مستقل آمدنی، سلاح خانے، قلعے اور مستقل فوج کا

انتظام کرے، اور اُسنے ارادہ کرلیا تھا کہ آئرلینڈ میں اس کام کو انجام دے۔ اسنے انگلستان کی آزادی کو برباد کرنے کیلئے اس ملک سے کام لینا چاہا جو ابتک شاہی محاصل پر ایک بارعظیم بنا ہوا تھا۔ آئرلینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے توازنِ باہمی سے یہ کام لیا جاسکتا تھا کہ دونوں فریق اقتدار شاہی کے تابع ہوجائیں۔ ونٹورتھ اس اصول کا قائل تھا کہ حقوقِ فاتحانہ کیوجہ سے مُلک کی تمام زمین بلاشرکت غیرے بادشاہ کی مِلک ہے، اور اس اصول کی بناپر اسے اپنی انتظامی قابلیت کا جوہر دکھانے کیلئے ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا۔ باقی امور کیلئے اسے اپنی طباعی اور اپنے عزم پر اعتماد تھا اور بجا اعتماد تھا۔ ۱۶۳۳ء میں وہ لارڈ ڈپوٹی (نائب السلطنت) مقرر کیاگیا اور پانچ برس بعد یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسکا مقصد بالکل حاصِل ہوگیا ہے۔ اسنے لاڈ کو لکھا تھا کہ "دنیا میں کسی حکمراں کو جسقدر اقتدار مطلق حاصِل ہونا ممکن ہے وہ یہاں بادشاہ کو حاصِل ہے"۔ درحقیقت ونٹورتھ کی حکمرانی نے ایک عام خوف پیدا کردیا تھا۔ آئرلینڈ کے دینی اور دنیوی عمائدین مثلاً اسقف اعظم اشر اور لارڈ چانسلر لافٹس اور بوائل ارل کارک اس کے نشانہ ہائے ملامت و اہانت تھے۔ کوئی قانونی پابندی اسکے ظلم وستم میں مانع نہیں ہوسکتی تھی۔ لارڈ ماؤنٹ نارس کی زبان سے کچھ گستاخانہ الفاظ نکل گئے تھے ان الفاظ کو بغاوت قرار دیکر اسے ایک مجلس جنگ کے روبرو حاضر کیا۔ اور موت کی سزا دیدیگئی لیکن ان تمام مظالم سے اسکی غرض یہ ہوتی تھی کہ عام فوائد حاصل ہوں۔ آئرلینڈ میں ایک پُرزور مطلق العنان سے اتنا فائدہ تو ہوا کہ

رعایا سینکڑوں مطلق العنانوں کی جور و تعدی سے محفوظ ہوگئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آئرلینڈ کے زمینداروں نے یہ سمجھا کہ وہ بھی کسی قانون کے تابع ہیں۔ انصاف کا نفاذ ہونے لگا تھا، زیادتیوں کو روکا جاتا تھا، پادریوں کی حالت کسیقدر درست ہوگئی تھی، سمندر قزاقوں سے پاک ہوگیا تھا۔ کتان کی کاریگری (جسنے زمانہ مابعد میں السٹر کو مالا مال کردیا) اور آئرلینڈ کی تجارت کی ابتدائی ترقی ونٹورتھ ہی کے دور حکومت سے شروع ہوئی۔ لیکن ونٹورتھ اس باامن حکومت کو اپنے دوسرے مقاصد کے حصول کا محض ایک ذریعہ سمجھتا تھا۔ آئرلینڈ میں اس سے زیادہ شریفانہ کوئی کام نہیں ہوسکتا تھا کہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں مصالحت کرادیجائے اور السٹر کی آبادکاری کے باعث غیظ و انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی اسے فرو کیا جائے۔ لیکن ونٹورتھ نے اسکے خلاف کیتھولک عبادت کی رواداری کی اجازت دیکر اور اس باب میں جو تھوڑی بہت دارو گیر پادریوں کے دباؤ سے شروع ہوگئی تھی اسے موقوف کرکے پروٹسٹنٹوں کے غصے کو مشتعل کردیا دوسری طرف کناٹ میں نوآبادی کے قائم کرنے کی تجویز سے کیتھولکوں کو بھی برہم کردیا۔ اسکا مقصد یہ تھا کہ آپس میں ایسی نااتفاقی ہو جائے کہ کسی فریق کو بادشاہ کی اطاعت وحفاظت کے بغیر چارۂ کار باقی نہ رہے۔ اس طرز عمل کا انجام یہ ہوا کہ آئرلینڈ میں ہولناک بغاوت ہوگئی، کرامول کو انتقام لینا پڑا اور دونوں جانب سے جسقدر کشت وخون ہوا، اسکا قصہ اسقدر دردناک ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ یہ تمام تباہی ونٹورتھ کے سبب سے آئی۔ مگر فی الوقت اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

آئرلینڈ بالکل اسکے بس میں اگیا - اسنے آمدنی کو دونا کردیا فوج مرتب کرلی، فوج کی ضروریات مہیا کرنے کیلیئے وہ یہانتک کر گزرا کہ آئرلینڈ کی ایک پارلیمنٹ طلب کی حالانکہ چارلس اس تجویز کے سُننے ہی سے مضطرب ہوگیا تھا - اسکی غرض یہ تھی - وہ انگلستان کو اور بادشاہ کو دکھادے کہ وہ ہیبتناک شئے جسے پارلیمنٹ کہتے ہیں کسطرح شاہی اغراض کے زیر اثر لائی جاسکتی ہے - اس مقصد میں اسے پوری کامیابی حاصل ہوی - آئرلینڈ کے دارالعوام میں دوتہائی قائم مقام ان بدنصیب دیہاتوں کے تھے جو "بادشاہ کے جیبی قصبے" کہلاتے تھے - اسکے ساتھ ہی غیر حاضر امراکو مجبور کیاگیا تھا کہ وہ اپنی طرف سے رائے دینے کا اختیار مجلس شاہی کو دیدیں لیکن فی الحقیقت اس قسم کی احتیاطوں کی کچھ ضرورت بھی نہیں تھی - دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ اس سخت گیر آقا کے نام سے کانپ رہے تھے جس نے ارکانِ پارلیمنٹ سے تحکمانہ طور پر یہ کہدیا تھا کہ "ایسا نہو کہ بادشاہ انکی نسبت یہ خیال کرے کہ وہ صرف کونوں میں گھس کر بڑبڑاتے ہیں یا صاف الفاظ میں یہ کہیئے کہ فساد پیدا کرتے ہیں" - پارلیمنٹ نے کامل اطاعت کے ساتھ پانچ ہزار پیدل اور پانچسو سوار رکھنے کے اخراجات منظور کرلئے اگر یہ رقم نہ بھی منظور ہوتی تو بھی نتیجہ یہی ہوتا ونٹورتھ نے لکھا تھا کہ "میں اپنی جان پر کھیل جاؤنگا مگر بادشاہی فوج کی ضروریات پوری کرکے رہونگا" یہ ضروریات انہیں کے ملک سے بلا انکی امداد کے حاصل کی جائینگی "

۱۶۳۴

جس زمانے میں ونٹورتھ .وہ بادسنٹ جارج کے مغربی جانب اپنا

نظام "تکمیل" دکھا رہا تھا اسی زمانے میں ایک دوسرا شخص رُو دبار کے
مشرقی جانب سرگرم کار تھا۔ یہ شخص اگرچہ طباعی وذہانت میں ونٹورتھ
کا مدمقابل نہیں تھا مگر ہمت واستقلال میں اس سے کم بھی نہیں تھا
۱۶۳۵ء میں وسٹن کے انتقال کے بعد لاڈ نے انگلستان کی مجلس شاہی
میں سب وزراپر تقدّم حاصل کرلیا تھا وہ جس بیباکانہ وناعاقبت اندیشانہ
زور کیساتھ کلیسائے انگلستان کے اندر پیوریٹنیت کو پامال اور
اور پیوریٹنی پادریوں کو اس کلیسا سے خارج کررہا تھا اسکا ذکر اوپر
ہوچکا ہے۔ لاڈ اپنے اس کام کو ملکی ومذہبی دونوں سمجھتا تھا۔ اسنے
انضباطِ کلیسا کے کام کو سلطنت کی مطلق العنانی کا ایک جزو بنادیا
تھا۔ وہ ایک طرف کلیسا کی آزادی کو پامال کرنے میں بادشاہ کی
طاقت سے کام لیتا تھا اور دوسری طرف کلیسا کے اثر سے ملکی
آزادی کو تباہ کررہا تھا۔ لیکن اسکا اختیار اسکاٹلینڈ کی سرحد تک
منتہی ہوجاتا تھا۔ سرحد کے دوسرے جانب ایک ایسا کلیسا تھا جسمیں
اساقفہ تو تھے مگر عقائد ومراسم میں وہ جینوا کا پیرو تھا۔ تعلیم دین کالون
کے اصُول پر ہوتی تھی اور کلیسا کی حکومت بھی ایک حد تک
اسی طریقے کی پیرو تھی۔ اس قسم کے کلیسا کا وجود ہی فی نفسہ انگلستان
میں پیوریٹنی کی تقویت کا سبب تھا اور اندیشہ یہ تھا کہ اگر مذہبی
قوت کسی وقت ذرا بھی کمزور ہو جائے تو انگلستان پر اسکا خطرناک
اثر پڑ جائیگا۔ لیکن اسکاٹلینڈ کے معاملے میں لاڈ صرف چارلس کے
توسط سے ہی کارروائی کرسکتا تھا کیونکہ بادشاہ کو یہ امر پسند نہیں تھا
کہ اسکے انگریز وزرا یا انگلستان کی پارلیمنٹ اسکی شمالی سلطنت میں دخل دیں

مگر چارلس کو خود اس معاملہ میں سخت فکر تھی۔ اسے ہر اس شئے سے نفرت تھی جسمیں پریسبٹریت کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہویہ نفرت اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ وہ اپنے اوائل عہد سے مکمل اسقفیت قائم کرنے کیلئے قدم بقدم آگے بڑھتا جاتا تھا۔ لیکن جو کچھ وقوع میں آیا اور اسکاٹلینڈ اور اسکے بادشاہ کے درمیان جو تعلقات رونما ہوئے انہیں سمجھنے کیلئے ہیں پھر اس ملک کی تاریخ کی کڑی اس زمانے کے سلسلہ سے ملانا پڑیگی جب کہ میری بھاگ کر انگلستان کی سرحد میں داخل ہوئی ہے۔

اسکاٹلینڈ اور شاہانِ اسٹوارٹ

چند برس تک ہوشیاری وقابلیت کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد ارل مرے قتل ہوگیا اور اسکے قتل ہونے کے بعد ملک کی شورش انگیزی اور خانہ جنگی کی تجدید سے مذہب پروٹسٹنٹ کی کامیابی میں خلل پڑگیا۔ مرے کے بعد خورد سال بادشاہ کا دادا متوّلی مقرر ہوا مگر وہ ایک جھگڑے میں مارا گیا۔ اور مارٹن کے پُرزور انتظام میں ملک کو ذرا سانس لینے کا موقع ملا۔ اوڈنبرا آخری قلعہ تھا، جسپر میری کے نام سے قبضہ تھا، اس قلعے نے الیزبیتھ کی بھیجی ہوی ایک انگریزی فوج کی اطاعت کرلی۔ اور اسکے محافظ کرک کیلڈی ساکن گرینج کو سربازار پھانسی دیدیگئی۔ اسکے ساتھ ہی مارٹن کے پُرزور انصاف نے متخاصم امراکو باامن روش اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ لولینڈز کے لوگ اب مضبوطی کے ساتھ نیا عقیدہ اختیار کرچکے تھے، ناکس کے انتقال کے بعد پروٹسٹنٹ کلیسا جلد جلد ترقی کرکے ایک قوت بن گیا تھا اور ہر نازک موقع پر اسکا اثر عام قوم کے اندرونی جذبات پر پڑتا تھا۔ مذہب

کیتھولک کے جدال وقتال کے دوران میں اساقفہ قدیم مذہب کی طرفداری
پر تُلے رہے اسلئے نئے مذہب میں انکی مداخلت باقی نہیں رہی اور
ناکس کی جینوا کی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ جسطرح اس کلیسا کے عقائد وعبادات
کالون کی تعلیم سے لئے گئے تھے اسیطرح اسکا طریق حکومت بھی کالون
سے اخذ کیا گیا۔ یہ پرسٹرین مذہب برابر ترقی کرتا گیا مگر قانوناً اسے
تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اسنے تمام اسکاٹلینڈ کو اسطرح متحد کردیا تھا کہ
انتظامی قوت، مذہبی مجالس اور عام اجتماعات سے کبھی یہ اتحاد پیدا نہ ہوسکا
تھا۔ اس مذہب نے بزرگان عوام کو اپنی مجلسوں میں جو اختیارات
دئے اور اپنے ابتدائی مجمعوں میں عام لوگوں کو جس کثرت کے ساتھ
بلایا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انتظامی معاملات میں عام لوگوں کو رائے اور
موثر رائے دینے کا خیال پیدا ہوگیا۔ اس مذہب میں پادریوں
کی حکومت بظاہر مطلق العنان معلوم ہوتی تھی مگر درحقیقت کلیسا کے
کسی نظام حکومت میں اسکاٹلینڈ سے زیادہ جمہوریت کا اثر غالب نہیں تھا
چنانچہ جسوقت سے یہ مذہب مستقلاً قائم ہوگیا اسیوقت سے تاریخ
اسکاٹلینڈ سے واضح ہوتا ہے کہ قوم کے عام لوگوں میں اپنی قوت کا
احساس پیدا ہوگیا تھا۔ اسنے قوم کو جس میدان عمل کیطرف بلایا
وہ صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ قومی بھی تھا اور اسلئے کلیسا کا اثر امرا
اور بادشاہ پر یوماً فیوماً زیادہ محسوس ہونے لگا تھا۔ پانچ برس بعد ۱۵۷۷
جب مارٹن کے حریفوں نے متحد ہوکر اسکی تولیت کا خاتمہ کردیا تو
ہر فریق اس فکر میں پڑگیا کہ نوعمر بادشاہ جیمز ششم کو اپنے اثر میں رکھکر
اسکے نام سے اختیار شاہی کو عمل میں لائے اس سے اسکاٹلینڈ کا

شیرازہ بکھر گیا۔ لیکن جب جیمز سنِ بلوغ کو پہنچا تو اسے اتنی قوت حاصل ہوگئی تھی کہ اسنے امرا کے جوے کو اپنے کندھے سے اتار پھینکا اور ان بڑے بڑے خاندانوں کو اپنے زیر اثر کرلیا جنہوں نے اسوقت تک حکمرانوں کو مغلوب کر رکھا تھا مگر اسکی طبیعت سے یہ بہت بعید تھا کہ اپنی مملکت پر حکومت مطلق کا خواہاں نہ ہو۔۔۔ "اصلاح" کے شور و شغب میں ایک نئی قوت نے عروج حاصل کرلیا تھا۔ یہ نئی قوت عام لوگوں کی قوت تھی جسنے اسکاچ "کرک" (کلیسا) کے پردے میں اپنی ہستی کو مضبوط کرلیا تھا۔ ناکس کے جانشینوں میں ملویل سب سے بڑا شخص ہوا ہے، اسنے کلیسا کی جماعت کیلئے سلطنت سے آزاد رہنے کا مطالبہ کیا اور جیمز اس سے اختلاف کرنے کی جرائت نہ کرسکا۔ اسکے ساتھ ہی کلیسا کی مجلس عامہ کے وسیلے سے حکومتِ ملکی کے متعلق عوام کی جس رائے کا اظہار ہوتا تھا جیمز اس سے بری طرح مغلوب ہوتا جارہا تھا۔ آرمیڈا کی آمد کے نازک ترین موقع پر انگلستان کے اتحاد کیوجہ سے اسکے ہاتھ بندھ گئے تھے اور یہ اتحاد اسی رائے عامہ کی مجبوری سے کرنا پڑا تھا۔ کالونیت میں جمہوریت کا زور اور پرسبٹیرین پادریوں کو اپنی روحانیت کا غرہ تھا، تاج سے معاملت کرنے میں یہ دونوں قوتیں ایک ساتھ ملگئی تھیں ملویل نے ایک عام مجلس میں جیمز کی آستین پکڑلی اور اسے "خدا کا نادان بندہ" کہکر مخاطب کیا۔ اسنے جیمز سے کہاکہ "اسکاٹلینڈ میں دو بادشاہ اور دو سلطنتیں ہیں۔ ایک بادشاہ مسیح ہیں اور انکی سلطنت کرک (کلیسا) ہے اور جیمز ششم انکی رعایا میں داخل ہے اور وہ اس

اینڈریو ملویل

مذہبی سلطنت کے اندر نہ بادشاہ ہے، نہ امیر ہے، نہ کوئی سردار ہے بلکہ ایک عام شخص ہے"۔ جیمز جب تخت انگلستان پر متمکن ہوا تو اسنے اس واعظ کے الفاظ کو اور اسکی حرکت کو تلخی کیساتھ یاد رکھا۔ کئی سال بعد ہیمپٹن کورٹ کی کانفرنس میں اسنے یہ کہا کہ "اسکاٹلینڈ کا طریقہ پریسبٹرین بادشاہ سے ایسی ہی مناسبت رکھتا ہے جیسے شیطان خدا سے! اسقف نہوتو بادشاہ بھی نہیں"۔ لیکن اسکاٹلینڈ یہ عزم کرچکا تھا کہ وہاں اسقف نہوں۔ زیادہ پرجوش اہالیانِ اسکاٹلینڈ حکومت اساقفہ کو اسی مذہب کیتھولک کا مرادف سمجھے تھے جس سے انہوں نے گلو خلاصی حاصل کی تھی۔ ملویل جب بعدکو ایک مرتبہ انگلستان کی مجلس شاہی میں حاضر ہوا تو اسنے اسقف اعظم کنٹربری کے جبّے کی آستینیں پکڑکر ہلائیں اور انہیں روما کے چیتھڑے اور حیوانیت کی علامتیں کہا۔ غرض آرمیڈا کی تباہی کے چار برس بعد اساقفہ کی حکومت باضابطہ منسوخ کردیگئی اور کلیسائے اسکاٹلینڈ کی حکمرانی کے لئے پریسبٹرین طریقہ باضابطہ قائم ہوگیا۔ کلیسا کی حکومت کا یہ طور قرار پایا تھا کہ اوّل ایک مجلس عامّہ تھی اسکے تحت میں صوبوں کی پریسبٹر مجلسیں تھیں، اور اسکے بعد ضلع کی مجلسیں تھیں اور سب سے آخر میں مجلس کرک (کلیسا) تھی۔ اسطرح اس مذہب کا ہر رکن ایک انضباط عام کے تحت میں آگیا تھا۔ جیمز اس انتظام میں اپنا جو کچھ حق قائم رکھ سکا وہ صرف یہ تھا کہ وہ بھی مجلس عامّہ میں موجود رہے اور اسکے سالانہ انعقاد کیلئے وقت ومقام کا تعین اسی کے اختیار میں ہو۔ لیکن تخت انگلستان پر متمکن ہوتے ہی اسنے اپنی

نئی قوت سے یہ فائدہ اٹھانا چاہا کہ جو کام ہوچکا ہے اسے پلٹ دے۔
باوجودیکہ وہ اس قانون کی منظوری دے چکا تھا کہ مجلس عامّہ کا
اجلاس سالانہ ہوا کرے گا مگر پے درپے التوا سے اسنے پانچ برس تک
اسکا اجلاس منعقد نہ ہونے دیا۔ پادریوں کے تعذرات کا جواب درشتی
۱۶۰۵ کے ساتھ دیا گیا۔ اُنیس پادریوں نے اپنے کو مجلس (عامہ) قرار دیکر
کام کرنا چاہا مگر انہیں باغی قرار دیکر ملک سے نکال دیا۔ جو سرگروہ
زیادہ صاحبِ جرأت تھے وہ سب اینڈرو ملویل کے ہمراہ تغیرات
۱۶۰۶ کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کرنے کیلئے انگلستان بلائے گئے اور
جب انہوں نے کلیسا کی آزادی کے ساتھ بیوفائی کرنے سے
انکار کیا تو وہ قیدخانے میں ڈال دئے گئے ملویل نے انگریزی
دستوروں کے متعلق ایک نظم لکھی تھی' اس بناپر وہ انگلستان کی
پریوی کاونسل کے روبرو بازپرس کیلئے بلایا گیا اور ٹاور میں بھیجدیا
گیا۔ چند برس بعد اسے اس شرط سے رہا کیا گیا کہ وہ ملک سے
باہر چلا جائے۔ جب اسکاٹلینڈ کے پادری اس طرح اپنے
سرگروہوں کی رہبری سے محروم ہوگئے تو انہیں قید وجلا وطنی کا خوف
دلایا گیا' اُمرا نے انکا ساتھ چھوڑ دیا۔ عوام ابھی کماحقہٗ ان کی
پشت پناہی نہیں کرتے تھے' ناچار انہیں بادشاہ کا دباؤ ماننا پڑا۔ انہوں نے
اپنی مذہبی مجلسوں میں اساقفہ کی صدارت کو جائز رکھا اور آخرالامر
کلیسائے اسکاٹلینڈ نے حکومتِ اساقفہ کو باضابطہ تسلیم کرلیا واعظونکو
اساقفہ کی بحالی رشوتیں دیں۔ مجلسِ عام کو مطیع کرلیا' احکام مذہبی کی پابندی نکرنے پر
۱۶ کسیکو ملّت سے خارج کرنے کا اختیار پادریوں اور بزرگانِ قوم کے

ہاتھ سے نکال کر اسقف کی منظوری کے تابع کردیا ۔ ہائی کمیشن کی ایک
عدالت نے تاج کی فوقیت کو جبراً رائج کردیا ۔ جیمز اپنے شاہی حق کے
اس حد تک تسلیم کرلئے جانے پر قانع تھا ۔ اسکا مقصد اصلی مذہبی نہیں
بلکہ سیاسی تھا اور اپنے مقتدایان دین کی منتظم جماعت کیوجہ سے
کلیسا پر قابو حاصل کرلینے سے اسنے یہ سمجھ لیا کہ "اصلاح" کے باعث
ملک کی جو عنانِ حکومت اسکاٹلینڈ کے بادشاہوں کے قابو سے
نکل گئی تھی، وہ پھر اسکے ہاتھ میں آگئی ۔ چارلس کا ابتدائی طرز عمل
اسکے باپ کے طرز عمل کے مطابق تھا ۔ اس کارروائی کا اثر اس سے
زیادہ نہیں ہوا کہ اُمرا کو مجبور کرکے کلیسا کی کچھ زمینیں واپس دلادی گئیں
لیکن لاڈ کی پرزور کارروائی کا اثر بہت جلد محسوس ہونے لگا ۔

لاڈ اور کلیسائے اسکاٹلینڈ

اسنے مذہب پرسبٹرین کے واقعی انتظامات پر حملہ کرنے کے بجائے
اولاً اسکے اضافی وخارجی امور پر اعتراضات شروع کئے "طبقات" کو اس امر پر
آمادہ کیا کہ وہ مذہبی لباس کی نگرانی کو مجلس عامّہ (مذہبی) کے ہاتھ سے
نکالکر بادشاہ کے اختیار میں دیدیں ۔ اسکے بعد ہی اسکاٹلینڈ کے

۱۶۳۳

اساقفہ نے اپنے قدیم اسقفی لباس پھر پہن لئے ۔ مورے کے اسقف نے
چارلس کے ورودِ اڈنبرا کے وقت جبّہ پہنکر اسکے سامنے وعظ کہا ۔
"اصلاح" کے بعد سے اس لباس کے استعمال کا یہ پہلا موقع تھا ۔
اس بدعت کے بعد ایک شاہی حکم یہ جاری ہوا کہ تمام پادری عبادت
کے وقت سفید عبا پہنا کریں ۔ اب یہ مستعد کار پادری لباس سے
گزر کر اہم معاملات کی طرف بڑھا ۔ کئی برس پیشتر اس نے جیمز سے
یہ درخواست کی تھی کہ وہ اپنی رعایائے اسکاٹلینڈ کو انگریزی قوم کے

عقاید و عبادات سے زیادہ قریب کردے" مگر اس ذہین بڈھے بادشاہ نے اس کے متعلق کہا تھا کہ "میں نے اسکے لایعنی مسودے کو واپس کردیا مگر اسپر بھی اسنے میری ناگواری کا کچھ خیال نہ کیا اور پھر ایک دوسری تجویز تیار کرکے میرے پاس لے آیا کہ میں اسکاٹلینڈ کے ضدی کلیسا کو انگریزی کلیسا سے زیادہ متصل کردوں مگر میں اس قسم کی لایعنی کارروائی کی جرأت نہ کرسکا۔ وہ اس قوم کی اصل کیفیت سے واقف نہیں ہے"۔ لیکن لاڈ کو انتظار کرنا خوب آتا تھا اور آخر موقع آہی گیا۔ وہ اس بات پر تلا ہوا تھا کہ کلیسائے اسکاٹلینڈ سے پرسبٹیرین خصوصیت کو بالکل مٹادے اور اسے ہر اعتبار سے کلیسائے انگلستان کے مثل بنادے۔ بادشاہ نے خاص اپنے اختیار سے قواعد مذہبی کی ایک کتاب شایع کی اور اس کتاب کے رو سے کلیسا کی حکمرانی کا تمام اختیار اساقفہ کے ہاتھ میں دیدیا گیا۔ کلیسا کی مجلس عامّہ کو بادشاہ کے سوا اور کوئی طلب نہیں کرسکتا تھا اور بغیر بادشاہ کی منظوری کے عبادت یا انضباط کلیسا میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ ناکس نے جینوا کے طرز پر ایک کتاب ادعیّہ تیار کی تھی اور تمام اسکاٹلینڈ میں عام طور پر یہی کتاب رائج اور ناکس کی کتاب ادعیّہ کے نام سے مشہور تھی۔ چارلس نے اپنے اقتدار شاہی سے کام لینے میں اسقدر جسارت کی کہ اس کتاب کو خارج کرکے ایک نئی کتاب ادعیہ جو انگلستان کے مروجہ طریق پر مرتب ہوئی تھی جاری کرنے کا حکم دیا۔ یہ کتاب ادعیہ اور قواعد مذہبی اسکاٹلینڈ کے چار اسقفوں نے تیار کرکے لاڈ کے روبرو پیش کئے تھے' اسکی تیاری میں

نئی کتاب ادعیہ

نہ تو مجلس عامہ سے صلاح لی گئی تھی اور نہ اس مجلس کو باضابطہ تسلیم کیا گیا
بہ حیثیت مجموعی وہ ایک طرح کا سیاسی و مذہبی ضابطہ تھا جسکا مقصود یہ تھا
کہ اسکاٹلینڈ کلیتہً بادشاہ کا مطیع ہوجائے۔ ان قواعد کا مُلک میں جاری
کرنا ایک سخت انقلاب برپا کرنا تھا۔ لیکن اس کتاب کے اجرا کو
ایک شاہی حکم سے تقویت دیگئی تھی اور لاڈ نے اپنے دل میں
یہ سمجھ لیا کہ انقلاب پورا ہوگیا۔

ملٹن بمقابلہ ہارٹن

لاڈ نے اپنے خیال میں یہ سمجھ لیا تھا کہ اسکاٹلینڈ کا کلیسا
اسکے قدموں کے نیچے آگیا ہے اور اس مُلک میں اسے پوری فتح
حاصل ہوگئی ہے پس اسنے انگلستان کے پیورٹنوں پر بدستور سختی جاری
رکھی لوگوں کے انداز کچھ ایسے بدلے ہوئے معلوم ہورہے تھے
کہ لاڈ سے زیادہ صاحبِ جرأت اشخاص بھی اِس موقع پر رک جاتے
ملک کے ہزاروں "بہترین اشخاص" جنمیں عالم' تاجر' قانون پیشہ' زمیندار
سب ہی شامل تھے بحر اوقیانوس کے دوسری طرف فرار ہورہے تھے
تاکہ وہاں کے ویرانوں میں وہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کریں اور
اپنے مذہب کو پاک رکھ سکیں۔ بڑے بڑے زمیندار اور اُمرا بھی
ان کے عقب میں جانے کی تیاریاں کررہے تھے۔ بادشاہ کے
حکم کی تعمیل میں سبت کی بے حرمتی کرنے کے بجائے پادری اپنی
جگھوں سے کنارہ کش ہوتے جاتے تھے۔ پادریوں میں جو پیورٹین
باقی رہ گئے تھے وہ مقدس میز کو قربانگاہ میں تبدیل کرنے اور نئے
مذہب پوپ کے رواج پر اعتراض سے محترز رہنے کے بجائے
اپنے گھروں ہی کو خیرباد کہہ رہے تھے۔ اس زمانے کے سب سے زیادہ

معزز انگریز نے اس کلیسا میں پادری کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کردیا جس میں یہ عہدہ صرف "غلامی اور دروغ بیانی" سے حاصل کیا جاسکتا تھا - اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ ملٹن اس ارادے کے ساتھ کیمبرج سے رخصت ہوا تھا کہ "اقتضائے زمانہ اور خدا کی مرضی سے جو کام بھی اعلیٰ یا ادنیٰ اسے ملجائے گا وہ اسے قبول کرلیگا"۔ لیکن جس کام کیلئے وہ بچپن سے مخصوص ہوچکا تھا یعنی خدمتِ کلیسا وہ کام اسے نہیں ملا - بعدکو وہ بہت ناگواری کے ساتھ یہ قصّہ بیان کیا کرتا تھا کہ "کس طرح مقتدایانِ دین نے اسے کلیسا سے نکال دیا تھا" وہ لکھتا ہے کہ "کچھ پختگی حاصل ہونے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ملک میں کسقدر ظلم ہورہا ہے - جو شخص کلیسا کی خدمت کرنا چاہے اسے غلامی اختیار کرنا اور حلف اٹھانا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ اس ارادے کے ساتھ حلف نہ اٹھائے کہ اسے حلق ہی سے اگل دے گا تو وہ حال سے خالی نہیں یاتو اسنے ریاکاری کی یا اپنے ایمان کو غارت کیا - ان حالات کو دیکھکر میں نے وعظ وپند کے مقدّس کام کے بہ نسبت خاموش رہنا ہی زیادہ مناسب سمجھا کیونکہ اس خدمت کا حصول اور اسکی ابتدا غلامی و دروغ بیانی سے ہوتی تھی"۔ اسوجہ سے وہ اپنے باپ کی رنجیدگی کے باوجود اس نئے مکان میں گوشہ گزیں ہوگیا جسے اسکے ساہوکار باپ نے ونڈسر کے قریب موضع ہارٹن میں تعمیر کرایا تھا اور وہاں کتابوں کے دیکھنے اور نظم لکھنے میں مشغول ہوگیا۔ "نشاۃٔ جدیدہ" کا شاعرانہ جوش شاہانِ اسٹوارٹ کے زمانے میں بتدریج گھٹتا جاتا تھا - تھیٹر اب محض نو

۱۶۳۳

اور ہوسناک مناظر کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ ملٹن کے بچپن ہی میں بمقام اسٹریٹفرڈ
شیکسپیر کا انتقال ہوچکا تھا اور جس سال وہ (ملٹن) ہارٹن میں اقامت
پذیر ہوا ہے اسی سال جانسن کا آخری اور بدترین ڈراما تیار ہوا فورڈ
اور مینجر اگرچہ ابھی زندہ تھے مگر شرلے اور ڈیوننٹ کے سوا کوئی
انکا جانشین نظر نہیں آتا تھا۔ البتہ اِس زمانے کے فلسفیانہ و مزاحیانہ
مذاق کے حسب حال شاعروں کے خاص گروہ پیدا ہوگئے تھے ہال
(جو بہ حیثیت اسقف کے زیادہ مشہور ہے) اسکی شاعرانہ ہجوئیں بہت
مقبول ہوگئی تھیں جارج وِدَر نے اس طرز کو زور کے ساتھ جاری
رکھا تھا۔ ایک قسم شاعری کی الٰہیاتی شاعری کہلاتی تھی جس میں
مفید باتوں کو زوردار الفاظ میں سادگی و بے کیفی کے ساتھ بیان کیا
جاتا تھا۔ اسکی ابتدا مرجان ڈیوس سے ہوئی اور اسکا خاتمہ ڈون کے
پُر تصنع خیالات پر ہوا۔ مذہبی نظم کو کارلس کی خشک حکایات و تمثیلات
اور جارج ہربرٹ کی لطیفہ سنجی و نزاکت آفرینی اور مبالغے سے فروغ
حاصل ہوا۔ لیکن حقیقی شاعرانہ رنگ اگر کچھ تھا تو ہیرک کے طرح کے
تخیُّل آفریں و بذلہ سنج نغمہ نوازوں کی شاعری میں تھا۔ ہیرک کے لطف بیان
میں جذبات کو مطلق دخل نہیں ہے بلکہ اکثر جگہ اسکی کرختگی اور
علم نمائی نظم کی خوبی کو زائل کردیتی ہے۔ انکے علاوہ اسپنسر کی
طرز کے زندہ رکھنے والوں میں بھی شاعری کا کچھ وجود باقی تھا،
ان میں براؤن کے چند مواعظ اور دونوں فلیچر فینیاس اور جائلز کے
ناقابل فہم کنایات و تمثیلات میں اگرچہ اسپنسر کی استادانہ قادر الکلامی کا
کوئی اور اثر نظر نہیں آیا مگر کلام میں اسکی سی حلاوت ضرور پائی جاتی ہے۔

ملٹن کی ابتدائی شاعری

ملٹن بھی اسپنسر کے تتبع کرنے والوں میں تھا۔ اسنے خود بعد میں ڈرائیڈن سے یہ اعتراف کیا تھا کہ "اسنے ابتداءً اسپنسر ہی کا تتبع کیا تھا"۔ اور اپنے ہارٹن کے ابتدائی کلام میں اسنے بہت شوق کے ساتھ "فری کوین" کے "موقر ومتین انداز" کی نقل کی ہے، لیکن اسپنسر کے جانشینوں میں کمزوری وتصنّع کا جو عیب موجود تھا اسکا شائبہ تک بھی ملٹن میں نہیں پایا جاتا۔ ہارٹن میں گوشہ گزیں ہونے کے بعد اسکے ابتدائی نتیجۂ افکار "ایلگرو" اور "پنسیروسو" کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ ان میں عہد الزبتھ کی سی تخیّل پرستی اور رنگینی پائی جاتی ہے۔ خیالات کی وسعت وفطرت وانسان کے ساتھ وسیع ہمدردی کا بھی وہی عالم ہے۔ "نشاۃ جدیدہ" کے زمانے کی سی آزادی وآمد میں شاید کچھ کمی ہوگئی ہے مگر شاعر کی طبیعت میں جوش کے بجائے قافیہ سنجی کا میلان زیادہ پایا جاتا ہے ناٹک کا سا زور بالکل مفقود ہے اور اسکے دلکش فقروں تک میں ہوبہو نقشہ نہیں کھینچتا۔ ملٹن کی قوت خیال میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ جس عالم کا وہ تصوّر باندھتا ہو خود اسمیں نو ہوجاتا ہو۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دور سے کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا ہے اور اپنی مرضی کے موافق اس میں ترتیب وتنظیم قائم کرتا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس خصوصیت میں وہ اپنی اوّلین وآخرین سب نظموں میں شیکسپیر واسپنسر سے دبا ہوا ہے، تو اس کمی کی تلافی اور طرح پر ہوجاتی ہے۔ اسکے احساس واظہار کی بلندی، اسکے مذاق طبیعت کی سختی وپابندی، اسکا وقار، اسکی نظموں کا مکمل ومحتشم ہونا، اس نقص کو پورا کردیتے ہیں۔ اسکے زمانۂ شباب کی ہلکی نظموں میں بھی ایک ایک مصرع سے

پیوریٹنوں کی عظمت اخلاقی کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔ "کومس" کو اسنے ۱۶۳۴ء
ابتداءً ارل برجواٹر کے لڈلو کیسل کی ضیافتوں کیلئے محض ناٹک کے طورپر
مرتب کیا تھا مگر اسکا اختتام نیک کرداری کی رغبت کے پرجوش
پندو نصیحت پر ہوتا ہے۔

ہیمپڈن ا
محصول ج

اس زمانے میں تشدد کیوجہ سے عام پیوریٹنوں میں سخت تعصب
پیدا ہو رہا تھا مگر زیادہ تعلیم یافتہ پیوریٹنوں نے اسے پسندیدگی کی
نظر سے نہیں دیکھا اور ملٹن کے "کومس" کی تاریخی دلچسپی یہی ہے کہ تعلیم یافتہ
اشخاص نے جو اعتراض نامہ تیار کیا تھا اسمیں اس نظم کو بھی شامل
کردیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ رفتہ رفتہ انگریزوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوتا
جارہا تھا۔ قدیم مارٹن مارپریلیٹ کے رسائل کے انداز پر نہایت زہر
اُگلنے والے رسالے یکبیک بڑی کثرت سے شایع ہونے لگے تھے۔
تاجر اور اسکوائر (متوسط الحال شرفائے دیہات) سب کے دروازے پر
لوگ ان اہانت آمیز رسالوں کو بیچتے پھرتے تھے مگر نہ کوئی ان بیچنے
والوں کے نام دریافت کرتا تھا اور نہ کوئی یہ جانتا تھا کہ ان کے
مصنّف کون ہیں۔ پارلیمنٹ کے انعقاد کی توقع جسقدر گھٹتی جاتی تھی
اور لوگ قانونی تدارک سے جسقدر مایوس ہوتے جاتے تھے اسیقدر
جوشیلے اور کم عقل متعصب سب میں پیش پیش ہوتے جاتے تھے اور
ایسے موقعوں پر ہمیشہ یہی ہوتا رہتا ہے۔ ولی صفت اسقف اعظم لیٹن کے
باپ کی ایک تقریر سے اس دور کے شروع زمانے کی کیفیت کا
کچھ کچھ اندازہ ہوسکتا ہے‘ اسنے مقتدایان دین کو خونخوار اسقفوں کو
دجّال‘ اور رومن کیتھولک ملکہ کو ہتھ کی بیٹی قرار دیا تھا۔ پرن ایک

قانون پیشہ شخص تھا اور دستور کے ماہرین میں اسکی خاص شہرت تھی مگروہ ایک نہایت ہی تنگدل اور ضدی طبیعت کا آدمی تھا۔ اسنے ایک کتاب "ہسٹریو میسٹکس" کے نام سے لکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر لاڈ کا تشدد بڑھتا جاتا تھا اسیقدر پیوریٹنوں کا تعصب بھی گہرا ہوتا جاتا تھا۔ اس کتاب میں تھیٹر میں تماشہ کرنے والوں کو شیطان کا پادری اور تھیٹر کو ابلیس کا معبد کہا گیا تھا۔ ماسوا اسکے شکار کھیلنے تاج کے ستونوں کو آرستہ کرنے میلاد مسیح کے زمانہ میں مکانوں پر بندھن وار باندھنے' تاش کھیلنے' گانے بجانے' اور مصنوعی بال لگانے سب باتوں پر اعتراضات کئے تھے۔ تھیٹر پر اس طرح حملہ کرنا جسقدر اہل دربار کو ناگوار ہوا اسیقدر خود پیوریٹن فریق کے زیادہ تعلیم یافتہ اصحاب کو بھی گراں گزرا۔ انز آف کورٹ (مدرسہ ہاء قانون) نے یہ تہیّہ کیا کہ اس حملے کے جواب میں بہت وسیع پیمانے پر ایک تماشہ کیا جائے اس تماشے میں سلڈن اور وھائٹلاک نے بہت نمایاں حصّہ لیا' اور دوسرے برس لڈلو کاسل کے تماشے کیلئے ملٹن نے "کومس" لکھی' لیکن پرغضب اسقف اعظم اتنا معقول پسند نہیں تھا کہ وہ پرن کیلئے عقلمند اشخاص کی ملامت کو کافی سمجھتا۔ ایسے لایعنی ہفوات کے متعلق اس سے قبل کوئی شخص قید نہیں کیا گیا تھا مگر اسنے اس کتاب کے بعض جملوں کو ملکہ پر اعتراض قرار دیکر پرن کو سزا دیدی اور سزا بھی بہت ہی ظالمانہ۔ پرن زمرۂ وکلا سے نکالدیا گیا' اسکی دارالعلوم کی سند ضبط کرلیگئی' شہر میں اسکی تشہیر کیگئی اور اسکے کان کاٹ کر اسے قیدخانے میں ڈال دیا گیا لیکن اس زمانے میں شاہی وزرا کے متعلق عام غیظ وغضب کا جو طوفان ہرطرف سے جمع ہورہا تھا

وہ ان کیلئے اسقدر باعثِ تشویش نہیں تھا جسقدر خزانے کی پُرانی مشکلات
نے انہیں پریشان کر رکھا تھا ۔ دربار کے قانون دانوں کی جدت طرازیاں،
اقتدارات شاہی کی تجدید، خلاف قانون محصول کروڑگیری، ضبطی و جرمانہ
یکے بعد دیگرے ہر درجے کے لوگوں کو بادشاہ سے متنفر کرتے جاتے،
اور ایک ایک گھر میں بغض و عداوت کا تخم بو رہے تھے مگر اسپر بھی
خزانے کی ضروریات پوری نہیں ہوتی تھیں، مزید رقوم کی ضرورت
بدستور باقی تھی اور بددلی کی حالت یہ ہو رہی تھی کہ ہر ایک نئی جبریہ
تحصیل بغاوت کیلئے ایک اور صلا ئے عام ہو جاتی تھی فرانس
اور ہالینڈ کے متحد ہو جانے سے ایک نیا خطرہ یکبیک پیدا ہوگیا
تھا اور اندیشہ تھا کہ رُودبارِ انگلستان ، اقتدار سے نکل جائے ۔ یہ بھی
افواہ تھی کہ ان دونوں سلطنتوں نے ہسپینی ندرلینڈز کو آپس میں تقسیم کرلینے کی
تجویز کرلی ہے ۔ اس حالت میں لازمی تھا کہ سمندر میں ایک زبردست
بیڑۂ جہازات موجود رہے ۔ اس کام کیلئے روپیہ انگلستان ہی سے
وصول کرنا تھا اور جہانتک ہوسکتا تھا "شاہی اقتدار" سے کام لیا گیا
اور اسی سے "محصول جہاز" کی عظیم الشان جنگ و جدال پیدا ہوئی ۔ نوئے
جو ایک قانونی عہدہ دار تھا اپنی تحقیقات و جستجو سے ٹاور کے کاغذات
میں سے ایسی نظیریں نکالیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ سلطنت کی
بندرگاہوں کا یہ فرض ہے کہ شاہی ضرورت کیلئے جہاز مہیا کریں، اور
ساحلی صوبجات ان جہازوں کے سازو سامان کے کفیل ہوں ۔ یہ نظیر
اس زمانے کی تھی جب مستقل بیڑے کا کہیں وجود بھی نہیں تھا
اور بحری جنگ کا دارومدار ان جہازوں پر تھا جو عین وقت پر مختلف

بندرگاہوں سے عارتیاً لیلئے جاتے تھے۔ مگر ان نظائر کی بناپر اب یہ کہا گیا کہ تراانے پر بارڈ اسلے بغیر مستقل بیڑے کا انتظام کیا جائے۔ اولاً جہازوں کا مطالبہ کیا گیا اسکے بعد ہی جہازوں کے عوض میں روپیہ طلب کیا جانے لگا۔ لندن اور انگلستان کے دوسرے خاص خاص بندر گاہوں کے نام جو احکام جاری کئے گئے تھے ان کی عدم تعمیل میں جرمانے اور قید کی سزائیں دی گئیں۔ جب معاملات کی باگ لارڈ کے ہاتھ میں آئی تو اس کارروائی کی شدت و ناعاقبت اندیشی اور بڑھ گئی۔ ونٹورتھ کی طرح لارڈ کا بھی یہ خیال تھا کہ بادشاہ ضرورت سے زیادہ محتاط ہے، اسٹار چیمبر کمزور ہے اور جج بیکار ضابطہ پیمائیوں پر شیدا ہیں۔ اپنے کاموں کی سست رفتاری پر طیش کھاکر دونوں ایک دوسرے کو لکھا کرتے تھے کہ "میں 'تکمیل' کا خواہاں ہوں" ونٹورتھ اس تشویش میں تھا کہ "رود بار کے دوسری جانب اسکے عمدہ کارنامے برباد نہ ہو جائیں"۔ ادھر سے لارڈ اسکے جواب میں یہی کلمے لکھتا۔ لارڈ نائب السلطنت کے آزادانہ اختیار پر رشک کرتا تھا۔ اسنے لکھا کہ "تمھیں وہاں اپنے کاموں سے عزت حاصل کرنے کیلئے بہت کچھ سامان مہیا ہیں۔ خدا کا نام لیکر اپنا کام کئے جاؤ۔ میں 'تکمیل' کی امید میں اس جانب اپنا کام کر رہا ہوں" ان دونوں نے مالی مشکلات کو ایک بناقرار دیکر بادشاہ پر زور ڈالا کہ وہ زیادہ دلیرانہ روش اختیار کرے۔ ونٹورتھ نے حجتہً یہ کہا کہ "تاج کا قرضہ بیباق ہو جائے تو پھر آپ اپنی مرضی کے موافق حکومت کریں"۔

نیا محصول جہاز ۱۶۳۵ء

نظائر سابقہ کے حیلے برطرف کر دئے گئے اور لارڈ نے یہ ارادہ کر لیا کہ محصول جہاز کو ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ بنادے۔ ابتک یہ محصول صرف

بندرگاہوں اور ساحل کے صوبجات پر عاید ہوتا تھا مگر اب اسے ایک
عام محصول قرار دیکر بادشاہ کے حکم سے تمام ملک پر عاید کردیا گیا۔
ونٹورتھ نے بہت زور دے کے لکھا تھا کہ "کوئی وجہ سمجھ میں نہیں
آتی کہ جس طرح میں ایک حقیر وذلیل شخص یہاں پر عام قانون پیشہ
لوگوں کو اپنی مرضی کا تابع بناسکتا ہوں، اسیطرح آپ انگلستان میں
کیوں نہیں کرسکتے"۔ ججوں نے جسوقت اس جبری محصول کو حسب قانون
قرار دیا اسیوقت ونٹورتھ نے اس سے یہ منطقی نتیجہ نکال لیا کہ "چونکہ
بادشاہ کیلئے ازروئے قانون یہ جائز ہے کہ وہ بحری فوج کے
ساز و سامان کیلئے محصول عاید کرے اسی طرح اسکے لئے یہ بھی
جائز ہے کہ وہ برّی فوج کیلئے محصول لگائے اور جس مصلحت سے
اسے یہ اختیار ہے کہ وہ مدافعت کیلئے فوج جمع کرے اسی مصلحت
سے اسے یہ اختیار بھی ہونا چاہئے کہ حملے کے روکنے کیلئے بیرون ملک
میں فوج لیجائے۔ اسکے علاوہ جو امر انگلستان میں حسب قانون جائز
ہے وہ اسکاٹلینڈ و آئرلینڈ میں بھی جائز ہوگا۔ ججوں کے اس فیصلے سے
بادشاہ کو اپنے ملک میں اختیار مطلق حاصل ہو جائے گا اور اسکا
نتیجہ یہ ہوگا دوسرے ملکوں میں اسکی ہیبت طاری ہو جائیگی۔ وہ صرف
چند برس جنگ سے رکا رہے، اور رعایا کو اس محصول کی ادائی
کا عادی بنادے پھر وہ دیکھیگا کہ وہ اپنے تمام پیشرووں سے زیادہ
صاحب قوت وصاحب عزت ہوگیا ہے یا نہیں" لیکن ونٹورتھ کے سوا اور بھی ایسے
لوگ تھے جو اسکے مانند صاف طور پر دیکھ رہے تھے کہ اس محصول
جہاز کے اجرا سے آزادی کس درجہ خطرے میں پڑ جائے گی۔

دیہاتی جماعت کے حصہ کثیر نے انگلستان کی آزادی کی تمام امیدیں
منقطع کردی تھیں۔ لوگوں نے پھر ترک وطن کرکے "نیو انگلینڈ" کیطرف
جانا شروع کردیا تھا، اور اب عالی نسب و صاحبِ دولت اشخاص
بھی مغرب میں توطّن اختیار کرنے کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ لارڈ
وارک نے وادی کونیکٹیکٹ کی ملکیت حاصل کرلی تھی۔ لارڈ سے
وسیل اور لارڈ بروک، نئی دنیا میں نقل مکان کرنے کیلئے نامہ و پیام کررہے
تھے۔ ایک مشتبہ روایت یہ بھی ہے کہ اولیور کرامول بھی سمندر پار جانے سے
صرف شاہی حکم امتناعی کیوجہ سے رک گیا۔ مگر یہ زیادہ یقینی ہے
کہ ہیمپڈن نے دریائے نارا گینسٹ کے قریب ایک قطعہ زمین کا خرید
لیا تھا۔ جان ہیمپڈن ایلیٹ کا دوست اور ایک پختہ قابلیت
کا شخص تھا۔ اسمیں لوگوں کو سمجھانے کی بےمثل قوت تھی۔ اسکی
جدت ذہن، اسکی مہارت علمی اور اسکی محبت آمیز اخلاقی پاکیزگی،
اپنی نظیر آپ ہی تھی۔ سنہ ۱۶۲۶ کے جبری قرضے کی شرکت سے انکار
کرکے وہ پہلے ہی اپنی طبیعت کی مضبوطی کا ثبوت دیچکا تھا۔ اسنے
اب پھر اسی قسم کے انکار سے کام لیا۔ اور محصولِ جہاز کو ایک
خلاف قانون استحصال قرار دیکر ملک سے حفاظت قانونی کا مطالبہ کیا۔

سنہ ۱۶۳
وری
مقاومت

شمال کی مقاومت کی خبر سنکر لوگوں میں جوش پیدا ہی ہو رہا
تھا کہ عین اسی حالت میں ہیمپڈن کی مقاومت کا حال معلوم ہونیسے
تمام انگلستان میں ایک سنسنی سی پیدا ہوگئی۔ اسکاٹلینڈ کا پیمانۂ صبر لبریز
ہوچکا تھا۔ انگلستان میں لوگ محصول جہاز کے متعلق جدّ و جہد کے
شروع ہونے کا انتظار کررہے تھے کہ بادشاہ نے اپنے قطعی

وآخری احکام سے اڈنبرا کے پادریوں کو مجبور کردیا کہ وہ گرجوں میں نیا طریقۂ عبادت جاری کریں۔ لیکن سنٹ جائلز کے گرجا میں نئی کتاب عبادت کے کھلتے ہی ہنگامہ برپا ہوگئی اور اس ہنگامے نے بہت جلد ایک خوفناک شورش کی صورت اختیار کرلی۔ جب گرجا خالی ہوگیا اسوقت پادری نے اس کتاب کو پڑھا۔ لیکن بددلی کی ترقی نے جوں کو خوفزدہ بنادیا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے حکم کا منشا یہ تھا کہ کتاب خرید لیجائے اسکے استعمال کرنے نہ کرنے کی کوئی شرط نہیں تھی۔ چنانچہ اس کتاب کا استعمال فوراً ترک کردیا گیا اور اسکے دوبارہ جاری کرنے کے متعلق جو غضبناک احکام انگلستان سے آئے اس پر اسکاٹلینڈ کے ہر حصے سے اعتراضات کی بھرمار ہونے لگی۔ صرف تنہا ڈیوک لیناکس اپنے ساتھ اڑسٹھ درخواستیں عدالت میں لایا تھا۔ اسکے ساتھ ہی پادری، امرا اور معززین سب کے سب اڈنبرا میں جمع ہوگئے تاکہ ایک قومی مقاومت کا انتظام کریں۔ اسکاٹلینڈ کے ان حالات کا فوری اثر یہ ظاہر ہوا کہ سرحد کے جنوب جناب بددلی کا علانیہ اظہار ہونے لگا۔ لاڈ نے پرن کی ضخیم کتاب کا صلہ یہ دیا تھا کہ اسے قید خانے میں ڈال دیا تھا لیکن اس سے اسکی ہمت میں ذرا بھی فرق نہیں آیا اور قید خانے ہی میں اسنے ایک نیا رسالہ لکھ ڈالا جسمیں اساقفہ کو گرگ درندہ اور شیطان کے امرا کہا گیا تھا۔ اسکے ساتھی قیدی جان بیسٹ وک نے اپنی "لیٹینی" میں لکھا تھا کہ "دوزخ کے دروازے کھل گئے ہیں اور شیاطین، جبے وعمامے پہنے ہوئے ہم لوگوں میں آملے ہیں۔" لندن کے

۲۳ جولائی

ایک پادری کو ہائی کمیشن نے خاموش کر دیا تھا۔ اسنے تمام عیسائیونکے نام
یہ استدعا شایع کی کہ "اساقفہ کو روحوں کے تباہ کرنے والے 'خونخوار
درندے' اور دجّال کے دوست سمجھکر" ان سے مخالفت کیجائے۔ ان
تحریرات کے ساتھ عام ہمدردی نے اگر یہ ظاہر نہ کر دیا ہوتا کہ عام
جوش کا طوفان کس زور سے اوٹھ رہا ہے تو اس قسم کے ہفوات
کی کوئی پروا بھی نہ کرتا۔ پرِن اور اسکے رفیق رسالہ نویسوں کو جب
لاڈ نے "مفسدہ پردازی کے نقّارے" کہکر اسٹار چیمبر کے سامنے حاضر کیا
اور اس عدالت نے انکی تشہیر اور قید مادام الحیات کا حکم دیا تو ان
لوگوں نے بے پروائی سے اس حکم کو سُنا' ان کی سزا کے دیکھنے کیلئے
جو مجمع پیلیس یارڈ (صحن ایوان) میں جمع ہوگیا تھا وہ ان لوگوں کے
کان کٹتے ہوئے دیکھکر آہیں اور سسکیاں بھرنے لگا اور جب پرِن
نے بزور یہ کہا کہ یہ حکم قانون کے خلاف ہے تو تمام مجمع میں
ایک شور مچگیا۔ جب یہ لوگ قید خانے کو جارہے تھے تو سڑک کے
کنارے پر ایک لاکھ باشندگانِ لندن جمع تھے۔ لوگ انہیں "شہید" کا
خطاب دیتے تھے اور ان "شہیدوں" کی یہ روانگی ایک شاندار جلوس
معلوم ہوتی تھی۔ عام جوش کے اسطرح یکبیک ظاہر ہوجانے سے
لاڈ گھبرا سا گیا مگر اسکی جُرأت میں فرق نہیں آیا۔ پرِن کے سفر میں
جن لوگوں نے اسکی خاطر مدارات کی تھی وہ سب اسٹار چیمبر کے روبرو
طلب کئے گئے اور اسکے ساتھ پیوریٹن چھاپے خانوں پر بھی احتساب
کی سختی اور بڑھا دیگئی لیکن اصلی خطرہ ان ناسمجھ جوشیلوں کے ہتک آمیز
رسالوں سے نہیں تھا بلکہ اصلی خطرہ اسکاٹلینڈ کی روش اور ہیمپڈن کے

ن کا مقدمہ
بر ۱۶۳۷ء

مقدمے کے اثر عام کے اندر مخفی تھا۔ ججوں کے پورے اجلاس میں
بارہ روز تک محصول جہاز کے معاملہ میں تقریریں ہوتی رہیں۔ یہ
ثابت کیا گیا کہ گزشتہ زمانے میں یہ محصول صرف شدید و ہنگامی ضرورت
کے وقت عاید کیا جاتا تھا اور بندرگاہوں اور ساحلی شہروں ہی تک
محدود رہتا تھا۔ نیز یہ کہ باضابطہ قانون کے رو سے اسکا اجرا قطعاً
ناجائز تھا۔ یہ محصول علانیہ طور پر انگلستان کے "قوانین بنیادی" کے
خلاف تھا۔ مقدمہ ملتوی کردیا گیا مگر اس بحث کا اثر نہ صرف
انگلستان بلکہ اسکاٹلینڈ پر بھی پڑا چارلس نے اہل اسکاٹلینڈ کی
درخواستوں کا صرف یہ جواب دیا تھا کہ تمام بیرونی اشخاص دارالسلطنت
سے چلے جائیں۔ لیکن اڈنبرا کی مجلس شاہی اس حکم کو عمل میں لانے سے
مجبور تھی اُمراء وشرفا نے اپنے گھروں کو روانہ ہونے کے قبل اپنے
قائم مقاموں کی ایک جماعت نامزد کردی تھی اور اس جماعت نے
تمام موسم سرما میں بادشاہ سے مسلسل مراسلت جاری رکھی۔ دوسرے
موسم بہار میں اس مراسلت کا سلسلہ ٹوٹ گیا کیونکہ ان کے منتشر ہوجانے
اور رد "کتاب عبادت" کے قبول کرنے کیلئے دوبارہ احکام آگئے تھے
اس اثناء میں انگلستان کے ججوں نے ہیمپڈن کے مقدمے میں بعد
مدت اپنا فیصلہ سُنایا۔ صرف دو ججوں نے اسکے موافق رائے دی
اور تین ججوں نے قانونی وجوہ سے ان سے اتفاق کرلیا تھا مگر
باقی سات ججوں نے کثرت رائے سے اسکے خلاف فیصلہ کردیا۔
ایک عام اصول یہ قرار دیا گیا کہ خودسرانہ محصول کے خلاف جسقدر
قانون ہیں وہ بادشاہ کی مرضی کے مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتے۔

جون ۱۶۳۸ء

جج بارکلے نے کہا کہ "میں نے کبھی نہ پڑھا نہ سُنا کہ قانون بادشاہ ہے مگر یہ ایک عام بات اور بہت صحیح ہے کہ بادشاہ قانون ہے"۔ چیف جسٹس فنچ نے دوسرے ججوں کی رائے کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد یہ کہا کہ "پارلیمنٹ کے وہ تمام قوانین جو بادشاہ سے حفاظت مُلک کے اختیار کو سلب کرتے ہوں کالعدم ہیں۔ پارلیمنٹ کے جقدر قوانین یہ قرار دیتے ہیں کہ بادشاہ کو اپنی رعایا پر اور اسکے جان و مال پر کوئی اختیار نہیں ہے وہ سب ناجائز ہیں کیونکہ پارلیمنٹ کے قوانین اس قسم کی متضاد باتیں جائز نہیں رکھتے"۔

نائب السلطنت نے آئرلینڈ سے سختی کے ساتھ لکھا تھا کہ "میری خواہش تو یہ تھی کہ ہیمپڈن اور اسی قسم کے دوسرے لوگوں کو اتنے کوڑے لگائے جاتے کہ انکے حواس درست ہو جاتے"۔ جو ٹکے فیصلے پر اہل دربار بڑی خوشیاں منا رہے تھے مگر ونٹورتھ صاف طور پر دیکھ رہا تھا کہ ہیمپڈن کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اسکی مقاومت نے انگلستان کو اپنی آزادی کیطرف سے متنبہ کر دیا ہے' اور بادشاہ کے دعاوی کی اصلی حقیقت عیاں ہوگئی ہے۔ آخر میں اعلیٰ سے اعلیٰ پیورٹین کے مزاج میں جیسی درشتی و سختی پیدا ہوگئی تھی اسکا اندازہ ملٹن کے قصیدے "لیسیڈاس" Lycidas سے ہو سکتا ہے جو اسی زمانے میں لکھا گیا تھا۔ اسنے اولاً متانت و نرمی کیساتھ اظہارِ رنج کیا ہے مگر پھر یکایک اسکا غصہ بھڑک اٹھا ہے کیونکہ کلیسا خطرات میں گھرتا جاتا تھا۔ "لوگوں کے مُنھ بند ہیں۔ اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ یہ لوگ ایک بھیڑ کو بھی نہیں سنبھال سکتے۔

بھوکی بھیڑیں ان کی طرف تکتی ہیں اور کھانے کو نہیں پاتیں مگر دوما کے ہیبت ناک بھیڑئے خوب فراخی کے ساتھ روزانہ شکم سیر ہوکر کھاتے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا۔ لیکن ونٹورتھ، لاڈ اور چارلس کو ابھی اس دو دستی کل سے سابقہ نہیں پڑا تھا جو دروازے پر تیار کھڑی تھی اور اسکی صرف ایک ضرب کافی تھی۔ عام مخالفت اگرچہ بہت سخت ہوگئی تھی مگر فوری کارروائی کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تھی کیونکہ شمال میں ایسی دقتیں پیدا ہورہی تھیں جن سے یقین تھا کہ حکومت مشکل میں پڑجائیگی اور مجبور ہوکر اسے رعایا سے مدد مانگنا پڑے گی۔ بادشاہ کیطرف سے فوری اطاعت کا حکم اڈنبرا میں اسوقت پہنچا ہے جب انگلستان ہیمپڈن کے مقدمے کے فیصلے کا انتظار کررہا تھا۔ اس حکم کے پہنچنے پر تمام وہ لوگ جنہیں اس حکم سے عذر تھا "میزوں" کے گرد جمع ہوگئے اور جانسٹن ساکن وارسٹن کی صلاح سے یہ تجویز قرار پائی کہ پھر خدا کے حضور میں اسی قسم کا ایک عہد کیا جائے جیسا اس زمانے میں ہوا تھا جب میری، مذہب پروٹسٹنٹ کے خلاف سازش کررہی تھی اور اسپین آرمیڈا کی تیاری میں مشغول تھا، اور لوگ ازروئے حلف اسکی پابندی کا اقرار کریں۔ اس موقر عہد کے آخری الفاظ یہ تھے کہ "ہم خدائے عزوجل کا نام لیکر یہ وعدہ کرتے اور قسم کھاتے ہیں کہ ہم مذکورۂ بالا مذہب کی پابندی و اطاعت پر ثابت قدم رہینگے اور بتوفیق ایزدی اس قوت کو کام میں لا کے جو خداوند تعالٰے نے ہمکو بخشی ہے اسکے خلاف تمام لغزشوں اور خرابیوں کو رد کرینگے"۔ اڈنبرا کے گرے فرائر کے صحن کلیسا میں

اس میثاق پر نہایت جوش و خروش کے ساتھ دستخط ہوئے۔ اطمینان و مسرت کا یہ عالم تھا کہ جو لوگ قانون کی ذگی سے خارج ہو چکے اور فتنہ پرداز قرار پا چکے تھے وہ پھر خدا کے اس عہد میں داخل کر لئے گئے۔ اعیان واشراف کاغذ کو اپنی جیبوں میں رکھے ہوئے تمام ملک میں روانہ ہو گئے اور اسپر لوگوں کے دستخط حاصل کرنے لگے۔ پادری اپنے وعظوں میں عہد و میثاق سے اتفاق عام کیلئے زور دیتے تھے۔ لیکن درحقیقت کسی قسم کے اثر ڈالنے کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ "دستخط کرنے والوں کے جوش کی یہ کیفیت تھی کہ دستخط کرتے وقت انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے"۔ بعض لوگوں کا جوش یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ "دستخط کرنے کے لئے اپنے جسم سے خون نکال کر روشنائی کے بجائے کام میں لاتے تھے"

اسکاٹلینڈ کا انقلاب

اس جوش مذہبی کی تجدید سے اسکاٹلینڈ کی آزادی میں جو قوت آگئی تھی وہ ان "عہد کنندوں" کے لب و لہجہ سے ظاہر ہے۔ اس مناقشے کو ختم کرنے کیلئے بادشاہ نے مارکوئس ہملٹن کو خاص اپنی طرف سے مامور کر کے بھیجا مگر اسکاٹلینڈ پہنچتے ہی اسکے سامنے یہ مطالبات پیش کئے گئے کہ ہائی کمیشن کی عدالت بند کر دیجائے، قواعد مذہبی و کتاب ادعیہ دونوں واپس لے لی جائیں، ایک آزاد پارلیمنٹ اور ایک آزاد مذہبی مجلس عامہ قائم کیجائے۔ مارکوئس نے جنگ کی دھمکی دی مگر اسکا بھی کچھ اثر نہ ہوا اسکاٹلینڈ کی شاہی مجلس تک نے چارلس پر یہ زور ڈالا کہ وہ رعایا کو اطمینان دلانے میں زیادہ فراخدلی سے کام لے۔ بادشاہ نے ہملٹن کو لکھا تھا کہ "میں ان گستاخانہ قابل نفرین

مطالبات کو قبول کرنے کے بجائے مرنا زیادہ پسند کرتا ہوں" لیکن ضرورت اسکی تھی کہ کچھ وقت حاصل کیا جائے۔ لارڈ نارتھمبرلینڈ نے ونٹورتھ کو لکھا تھا کہ "یہاں وطن میں بددلی گھٹنے کے بجائے بڑھ رہی ہے" اور چارلس کی حالت یہ تھی کہ اس کے پاس نہ روپیہ تھا نہ آدمی۔ اسنے اس وعدے پر اسپین سے قرض مانگا کہ وہ ہالینڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیگا اور اڈنبرا پر قبضہ کرنے کیلئے اسنے فلینڈرز سے دو ہزار سپاہی لینا چاہے مگر دونوں کوششیں خالی گئیں نہ قرض ہی ملسکا نہ سپاہی آسکے' انگلستان کے کیتھولکوں نے کچھ رقم چندے کے طور پر پیش کی مگر اس سے خزانے کو کچھ ایسا نفع نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چارلس نے مارکوئس کو یہ ہدایت کی تھی کہ جبتک شاہی بیڑہ دہانہ دریاء فورتھ میں نمودار نہ ہو اُس وقت تک وہ کامل تفریق کو روکے رہے لیکن بیڑے کا تیار کرنا ہی فی نفسہ دشوار تھا۔ درحقیقت بادشاہ سے پہلے اسکاٹلینڈ ہی جنگ کیلئے تیار ہوگیا۔ اسکاٹلینڈ کے وہ رضاکار جو جنگ سی سالہ میں کام کررہے تھے اپنے بھائیوں کی طلب پر جُوق درجُوق وطن میں آنے لگے۔ جنرل لزلی ایک آزمودہ کار سپہ سالار تھا اور گستاوس کے زیر نظر اسنے فنِ جنگ کی مہارت حاصل کی تھی وہ اس نئی فوج کی سپہ سالاری کیلئے سوئیڈن سے اسکاٹلینڈ آگیا۔ ہر ضلع میں جنگ کا ایک محصول لگایا گیا اور یہ یقینی تھا کہ تمام لوگ اسمیں شرکت کرینگے۔ اس خطرے نے آخرالامر بادشاہ کو مجبور کردیا کہ وہ اہل اسکاٹلینڈ کے مطالبات کو منظور کرلے مگر پھر بہت جلد اس رعائت کو واپس لے لیا گیا اور مذہبی مجلس عامہ ابھی پوری طرح

جمع بھی نہیں ہوی تھی کہ اسکے بند کر دینے کا حکم دیدیا گیا۔ لیکن مجلس نے قریب قریب عام اتفاق رائے سے یہ طے کر دیا کہ وہ اپنے اجلاس جاری رکھے۔ طریق عبادت اور قواعدِ مذہبی میں جو بدعتیں کی گئی تھیں وہ سب خارج کر دیگئیں۔ حکومت اساقفہ کو باطل قرار دیکر اسقفوں کو انکی جگھوں سے معزول کر دیا گیا اور طریق پرسبٹرین پوری وسعت کے ساتھ پھر قائم کر دیا گیا۔ اس اثنا میں یہ خبر ملی کہ چارلس، یارک میں ایک فوج جمع کر رہا ہے اور خود اسکاٹلینڈ کے منتشر شاہ پرستوں کی قوت کو یکجا کر رہا ہے، اسکا جواب یہ دیا گیا کہ اڈنبرا، ڈمبارٹن، اور اسٹرلنگ پر قبضہ کر لیا گیا اور دس ہزار سپاہی سازوسامان سے درست لزلی اور ارل مونٹروز کے تحت میں ابرڈین میں داخل ہوگئے، اور کیتھولک ارل ہنٹلی کو قید کر کے جنوب میں لیگئے۔ شاہی بیڑہ جب دریاء فورتھ میں نمودار ہوا تو بجائے اسکے کہ اس سے ملک پر کچھ رعب طاری ہوتا لزلی کیلئے جنگ کی ایک وجہ ہوگئی اور اسنے بیس ہزار آدمیونکے ساتھ سرحد کی طرف کوچ کر دیا۔ چارلس بمشکل دریاء ٹوئیڈ کے پار پہنچا تھا کہ "وہ بڈھا خمیدہ کمر سپاہی (یعنی لزلی)، ڈنس لا کی پہاڑی پر خیمہ زن ہو کر چارلس کے مقابلے کیلئے تیار ہوگیا۔

اساقفہ کی جنگ

روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے چارلس کیلئے جنگ کا جاری رکھنا مشکل تھا۔ اسے مجبور ہو کر ایک آزاد مجلس مذہبی اور اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ کے اجتماع کی منظوری دینا پڑی۔ لیکن وہ بروِک کی اس مصالحت کو التوائے جنگ سے زیادہ نہیں سمجھا تھا۔ ونٹورتھ کا

آئرلینڈ سے بلایا جانا یہ ثابت کرتا تھا کہ سخت کارروائی کا انتظام ہو رہا ہے۔ اہل اسکاٹلینڈ نے اس صلائے جنگ کا جواب یہ دیا کہ انہوں نے فرانس سے مدد مانگی۔ اسکاٹلینڈ کے سرگروہوں اور فرانسیسی دربار کے درمیان جو مراسلت ہو رہی تھی اس میں سے ایک مراسلت چارلس کے ہاتھ آگئی اور اس سے اسکے دل میں یہ امید پیدا ہوئی کہ اہل انگلستان اپنی وفاداری کے باعث اسکاٹلینڈ کی اس غداری کا مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیں گے۔ ونٹورتھ جو اب ارل اسٹریفرڈ بنا دیا گیا تھا، برابر اس امر پر زور دیرہا تھا کہ اہل اسکاٹلینڈ کو سرحد پار بھگا دینا چاہیئے۔ اسنے اب چارلس کی اس رائے سے اتفاق کرلیا کہ ایک پارلیمنٹ طلب کیجائے اور یہ مراسلت اسکے سامنے پیش کیجائے۔ اس سے بادشاہ کے خیال کے موافق لامحالہ ایک جوش پیدا ہو جائے گا اور اس جوش سے فائدہ اٹھاکر ایک بڑی رقم منظور کرالی جائے گی۔ ادہر چارلس نے وہ پارلیمنٹ طلب کی جو اپنے قلیل زمانۂ اجلاس کی وجہ سے مختصر العہد پارلیمنٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اودہر اسٹریفرڈ فوجیں جمع کرنے کیلئے بعجلت تمام آئرلینڈ پہنچا۔ چودہ روز اندر اندر اسنے اپنی مطیع پارلیمنٹ سے روپیہ و آدمی منظور کرالئے اور کامیابی سے مسرت وقت پر انگلستان آپہنچا تاکہ وسٹ منسٹر کی پارلیمنٹ کے اجلاس میں شریک ہو سکے مگر جو سوچا گیا تھا اسمیں ناکامیابی ہوئی دارالعوام کے ہرایک رکن کا یہ خیال تھا کہ اہل اسکاٹلینڈ درحقیقت انگلستان کی آزادی کیلئے لڑ رہے ہیں اور اسلئے اہل اسکاٹلینڈ پر ان کے حملہ آور ہونے کی ہرایک توقع غلط ثابت ہوی۔ گرفتارشدہ

مختصر العہد پارلیمنٹ
اپریل ۱۶۴۰ء

خطوط کو خاموشی کے ساتھ علیحدہ رکھدیا گیا اور دارالعوام نے حسب دستور سابق یہ اعلان کردیا کہ عطائے رقوم کے پہلے شکایات کا رفع ہونا ضروری ہے۔ جب تک مذہب، حقیت اور پارلیمنٹ کی آزادی کی ضمانت نہ ہوجائے گی اسوقت تک کوئی رقم منظور نہیں کیجاسکتی۔ "محصول جہاز" کے ترک کردینے کے وعدے پر بھی پارلیمنٹ اپنے عزم سے باز نہ آئی۔ آخر تین ہفتے کی نشست کے بعد اسے برطرف کردیا گیا۔ اسپر ایک محبّ وطن سرگروہ سنٹ جان نے یہ کہا کہ "کام کے بننے کے پہلے اسکا بگڑنا ضروری ہے"۔ ملک میں اس سے ایک عجیب و غریب حرکت پیدا ہوگئی۔ لارڈ نارتھمبرلینڈ نے لکھا کہ "کسی شخص کو یاد نہیں کہ ملک میں اسکے قبل کبھی ایسا انحراف عام پیدا ہوا ہو"۔ صرف ایک اسٹریفرڈ تھا جو اس سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ اسنے یہ حجت نکالی کہ پارلیمنٹ نے جو بادشاہ کے ضروریات کو پورے کرنے سے انکار کردیا ہے اسلیئے بادشاہ "اب حکومت کی تمام پابندیوں سے آزاد ہوگیا ہے" اور اسے حق ہے کہ جس طرح چاہے اپنی ضرورت کو پورا کرے۔ ارل جنگ پر تلا ہوا تھا اور شاہی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لیکر شمال کے طرف پیش قدمی کی۔ لیکن اہل اسکاٹلینڈ بھی سرحد کو عبور کرنے کیلیئے تیار تھے۔ وہ ایک انگریزی دستے کی آنکھوں کے سامنے ٹائن سے گزرکر نیوکیسل پر قابض ہوگئے اور اپنے تجاویز صلح اسی شہر سے روانہ کیئے۔ انہوں نے بادشاہ سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ انکی شکایات پر غور کرے اور "انگلستان کی پارلیمنٹ کے مشورے و منظوری سے ایک مستحکم و قابل اطمینان صلح قرار دے"۔ اس درخواست کے ساتھ ہی یارک کی طرف (جہاں چارلس مایوسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا)

کوچ کرنے کی بھی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اسٹریفرڈ کی فوج ایک بھیر سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی تھی اور تہدید و ترغیب کیطرح سے بھی وہ اسے اپنے فرایض کی انجام دہی پر آمادہ نہیں کرسکتا تھا۔ مجبور ہوکر اسے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ابھی دو مہینے گزریں تو یہ فوج کام کے قابل ہوسکے گی۔ چارلس نے مُہلت حاصل کرلی مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اسکے عقب میں انگلستان بھی بالکل بغاوت پر آمادہ تھا۔ لندن کے مزدوروں نے لیمبتھ میں لاڈ کو گھیرلیا۔ سنٹ پال میں ہائی کمیشن کے اجلاسوں کو منتشر کردیا۔ ہرجگہ اس جنگ پر "اساقفہ کی جنگ" کے نام سے لعنت بھیجی جارہی تھی۔ نئے سپاہیوں نے اپنے ان افسروں کو قتل کرڈالا جنکی نسبت کیتھولک ہونے کا شک تھا۔ راستے میں جسقدر گرجے ملے، سبکے قربان گاہ کے کٹھروں کو توڑ ڈالا اور اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔ لارڈ وہارٹن اور لارڈ ہاورڈ دو امیروں نے جُرأت کرکے خود بادشاہ کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ اسکاٹلینڈ سے صلح کرلیجائے۔ اسپر اسٹریفرڈ نے انہیں گرفتار کرلیا اور یہ تجویز کی کہ انہیں باغی قرار دیکر گولی ماردیجائے۔ مگر انگلستان کی مجلس شاہی ایسی بیباکانہ کارروائی کی جُرأت نہ کرسکی۔ بادشاہ ابتک اس فکر میں تھا کہ پارلیمنٹ کے طلب کرنے کی ذلّت سے بچ جائے۔ اس نے امرا کی ایک مجلس عظمےٰ یارک میں طلب کی، لیکن اُمرا کے عام طور پہ انکار کردینے سے یہ تجویز بیکار ہوگئی۔ چارلس کا دل غصّے و شرم سے بھرا ہوا تھا مگر آخر مجبور ہوکر اسنے پھر وسٹ منسٹر میں ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ کو طلب کیا۔

جزو ششم

طویل العہد پارلیمنٹ

۱۶۴۰ —— ۱۶۴۴

{اسناد- کلیرنڈن کی تاریخ بغاوت" (History of the Rebelion)

کے متعلق ہیلم نے بہت صحیح کہا ہے کہ وہ تاریخ کے بجائے ایک تذکرہ ہے۔ رانکے نے بڑی خوبی سے اس کتاب کا تجزیہ کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کے مختلف حصوں کی قدر قیمت مختلف ہے۔ اس کے اعلیٰ طرز بیان اور واقعہ نگاری کی وجہ سے اس کتاب کا ادبی ذوق ہمیشہ قائم رہے گا مگر جنگ کے قبل کے جس قدر واقعات اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ سب اسوجہ سے ناقص ہوگئے ہیں۔ کہ مصنف نے اسوقت جو روش اختیار کی اور بعد کو اسنے جس طرح پارلیمنٹ کی کارروائیوں کو بیان کیا ہے ان میں سخت تخالف پیدا ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے دیدہ و دانستہ اپنے پارلیمنٹ والے مخالفین کے متعلق حاسدانہ دروغ بیانی سے کام لیاہے اور انہیں بُرا کرکے دکھایا ہے۔ مے کی "طویل العہد پارلیمنٹ کی تاریخ" (History of the long Parliament)

ایک حدتک صحیح و بے لوث ہے لیکن پارلیمنٹ کے کاموں کی اصلی کیفیت خود اسی کی کارروائیوں سے معلوم ہوسکتی ہے جنہیں سر والف ورنی اور سر سائمنڈز ڈیوز نے اپنی یادداشتوں میں محفوظ رکھا ہے۔ ڈیوز کی یادداشت ابھی شائع نہیں ہوئی ہے مگر مسٹر فاسٹر نے

اپنی دو تصنیفوں (تعرض اعظم" (The grand remonstration) اور "پانچ ارکان کی گرفتاری" (The arrest of the five members) میں اس سے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ رشورتھ اور نیلسن نے سرکاری کاغذات کا جو مجموعہ جمع کیا ہے وہ اس عہد کے لیئے لابدی ہیں۔ بہت سے تذکروں سے بھی اس عہد پر روشنی پڑتی ہے جن میں وائٹ لاک، لڈلو، سر فلپ وارک وغیرہ کے تذکرے خاص ہیں۔ مسز ہچین نے اپنے شوہر کا ایک تذکرہ لکھا ہے، بیکسٹر نے خود اپنی سوانح عمری لکھی ہے۔ یہ کتابیں بھی کار آمد ہیں۔ آرمنڈی کا غذات اور ان خطوط سے جو کارٹ نے جمع کئے ہیں آئرلینڈ کے متعلق بہت وسیع سامان فراہم ہوجاتا ہے۔ اسکاٹلینڈ کے متعلق بیلی کے خطوط" اور مسٹر برٹن کی تاریخ دیکھنا چاہئے۔ انگلستان اور آئرلینڈ میں کیتھولکوں نے جو سازشیں کیں ان کی بابتہ لنگرڈ کی تصانیف سے مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ گیزو نے غیر ملکی تعلقات کے متعلق خاص توجہ کی ہے۔ مسٹر فارسٹر نے اپنی کتاب "مدبرین دولتِ عامہ" (Statesmen of the Common wealth) میں اسوقت کے دوسرے مدبرین کیساتھ پم کے حالات بھی بہت اچھی طرح بیان کئے ہیں اور مسٹر گولڈون اسمتھ نے ایک مضمون خاص پم کے متعلق لکھا ہے اس عہد کے عام حالات کے متعلق مسٹر سینڈ فورڈ کی انتخابی "تشریحات بغاوت عظمیٰ" (Illustration of the great rebellion) سے بہت سے قابل قدر حالات کا پتہ چلتا ہے }

(اس تحریر کے لکھے جانے کے بعد مسٹر گارڈنر نے اپنی

تاریخ ۱۶۴۳ء تک پہنچادی ہے۔ مدیر)

پم

جس طرح اسٹریفرڈ، ظلم مجسم تھا، اسی طرح جان پم قانون مجسم تھا وسٹ منسٹر میں نئی پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس کے وقت سے آخر زمانے تک پم دارالعوام کا سرگروہ بنا رہا۔ وہ سمرسٹ شائر کے ایک معزز خاندان کا رکن تھا اور دولت بھی اس کے پاس کافی تھی۔ وہ ۱۶۱۴ء کی پارلیمنٹ میں منتخب ہوا تھا اور اسی وقت سے اس کی سیاسی سوانح عمری کا دور شروع ہوتا ہے پارلیمنٹ کے بند ہونے کے وقت وہ قید کردیا گیا تھا مگر ۱۶۲۲ء کی پارلیمنٹ کے ممتاز ارکان میں وہ بھی شامل ہے، اور جیمز نے جن بارہ "سفرائے سلطنت" کے لیے وہائٹ ہال میں کرسی لانے کا حکم دیا تھا، ان میں ایک پم بھی تھا۔ چارلس کے ابتدائی مظالم کے مقابلے میں وہ جن محبانِ وطن کے دوش بدوش سینہ سپر رہا تھا وہ تقریباً سب دنیا سے اٹھ گئے تھے اور ان میں سے اب صرف پم باقی رہگیا تھا کک بڈھا ہوکر مرگیا، کاٹن مظالم سے دل شکستہ ہوکر دنیا سے رخصت ہوا، ایلیٹ نے ٹاور میں جان دی۔ ونٹورتھ منحرف ہوگیا تھا۔ ایک پم رہ گیا۔ مگر اس کے صبر و استقلال میں کسی طرح فرق نہیں آیا تھا۔ اس گیارہ برس میں جس قدر ظلم و جور بڑھتا گیا اسی قدر پم کی عظمت کا خیال بھی از خود ترقی کرتا گیا۔ وہی ایک

شخص تھا جسے اس امر میں کبھی شک نہیں ہوا کہ آخرالامر آزادی
و قانون ہی کو فتح حاصل ہوگی اور اسی وجہ سے وہ ہر شخص
کا مرجعِ امید وملجاء یقین بن گیا تھا۔ اس دور کے اختتام کے
قریب کلیرنڈن اس کی نسبت لکھتا ہے کہ "نہ کبھی کسی شخص
کو اس سے زیادہ ہردلعزیزی حاصل ہوئی ہے، اور نہ کسی
میں اس سے زیادہ ایذا رسانی کی قوت پیدا ہوئی "
جس نفرت کے ساتھ یہ الفاظ لکھے گئے ہیں اس سے اسکی
اہمیت اور بڑھ جاتی ہے اس نے یہ دکھا دیا تھا کہ انتظار
کس طرح کرنا چاہیئے اور جب انتظار کا زمانہ ختم ہوجائے
تو عمل کیونکر شروع کرنا چاہیے۔ طویل العہد پارلیمنٹ کا
انتخاب جب قریب آیا تو وہ گھوڑے پر سوار تمام
انگلستان میں دورہ کرکے رائے دہندوں کو آگاہ کرتا پھرتا تھا
کہ کیسا نازک وقت آگیا ہے" دارالعوام کے جمع ہونے پر
وہ صرف ٹیوسٹاک کے نمائندے کی حیثیت سے نہیں بلکہ
دارالعوام کے مُسلّمہ سرگروہ کی حیثیت سے اپنی جگہ پر آیا۔ ارکانِ پارلیمنٹ
میں دیہات کے معززین کی کثرت تھی مگر ان میں
چند ہی ایسے تھے جو کسی سابق پارلیمنٹ میں شریک ہوے
ہوں اور ان معدودے چند افراد میں بھی کوئی پم سے
زیادہ یہ قابلیت نہیں رکھتا تھا کہ آنے والی کشمکش میں پارلیمنٹ
کی روایات کو قائم رکھ سکے۔ پم کی فصیح البیانی میں اگرچہ
ایلیٹ اور ونٹورتھ کی سی جرأت و آمد نہیں تھی مگر اس کا

وزنی اور منطقی استدلال ایک جمِّ غفیر کے مطمئن کرنے اور انکی رہنمائی کے لئے بہت موثّر تھا۔ پم کی فصیح البیانی کو اس کے مزاج کے سکون، امور عامّہ کے انتظام میں اس کی مہارت و ترتیب، اور مباحثے کو حسب مطلب چلانے کی عملی قوت سے تقویت مزید حاصل ہوگئی تھی پم کے ان اوصاف سے پارلیمنٹ کی کارروائیوں میں ایک ایسی نظم و ترتیب پیدا ہوگئی کہ اس سے قبل کبھی یہ کیفیت ظاہر نہیں ہوی تھی۔ یہ خوبیاں اگرچہ بجائے خود بہت ہی قابل قدر تھیں، مگر پم میں ان سب سے بالاتر ایک اور خوبی تھی جس نے اسے پارلیمنٹ کے سرگروہوں میں سب سے بلند درجہ دینے کے ساتھ ہی سب سے جلیل القدر بھی بنا دیا تھا۔ وہ

سیاسی عمل

پانسو ارکان جو سینٹ اسٹیون میں جمع تھے ان میں وہی ایک شخص تھا جس نے صاف طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ کن مشکلات سے سابقہ پڑنے والا ہے اور کس طرح ان مشکلات کا تدارک کرنا چاہئے یہ یقین تھا کہ پارلیمنٹ اور بادشاہ کے درمیان کشمکش پیش آئے گی۔ یہ بھی اغلب تھا کہ اس قسم کی کشمکش میں مثل سابق کے اس وقت بھی دارالامرا، دارالعوام کے لئے سنگ راہ ثابت ہوگا۔ برابر کی طاقتوں کے اس تصادم میں قدیم آئینی گروہ کی تمام تگ و پو دفتر پارینہ کی طرح بیکار تھی۔ اس تصادم کے لئے قانون میں کوئی دفعہ نہیں تھی اور نظائر سابقہ سے نہایت ہی

موہوم و مشکوک روشنی پڑتی تھی"۔ نظائر کے متعلق پم کے معلومات اور لوگوں سے کم نہ تھے مگر آئینی اصول کے سمجھنے میں وہ سب سے بڑھا ہوا تھا وہ پہلا انگریز مدبر تھا جس نے آئینی تناسب کا اصول دریافت کیا اور اسے اپنے وقت کے سیاسی حالات سے تطبیق دی۔ اس نے یہ رائے قائم کی کہ آئینی نظام زندگی کے عناصر میں پارلیمنٹ کا درجہ بادشاہ سے بڑھا ہوا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی رائے قائم کرلی کہ خود پارلیمنٹ کے اندر اصل شئے دارالعوام ہے آئندہ کی تمام جدّ وجہد میں انہیں وہ بنیادوں پر اس نے اپنے طرز عمل کی عمارت کھڑی کی۔ جب چارلس نے پارلیمنٹ کے ساتھ مل کر کام کرنے سے انکار کیا تو پم نے اس انکار کو بادشاہ کی طرف سے عارضی دست برداری قرار دیا جس سے نئے انتظامات ہونے تک عاملانہ اختیارات گویا ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آگئے۔ جب دارالامرا نے امور عامہ میں رکاوٹ پیدا کی تو اس نے انہیں متنبہ کردیا کہ "اس صورت میں سلطنت کو بچانے کی ذمہ داری تنہا دارالعوام کے ہاتھ میں آجائے گی"۔ اس وقت یہ دونوں اصول انقلاب انگیز معلوم ہوتے تھے مگر پم کے زمانے سے یہی دونوں اصول انگلستان کے نظام حکومت کی بنیاد قرار پاگئے ہیں۔ جیمز دوم کے ملک سے چلے جانے کے بعد مجلس عارضی اور پارلیمنٹ دونوں نے پہلے اصول کو مستحکم کردیا اور ۱۸۳۲ کے "قانون

اصلاح" کے بعد ہر جگہ یہ تسلیم کرلیا گیا کہ ملک کی حکومت فی الحقیقت دارالعوام کے ہاتھ میں ہے اور اسے صرف وہ وزرا انجام دے سکتے ہیں جو دارالعوام کے فریق غالب کے قائم مقام ہوں۔ درحقیقت پم کا مزاج انقلاب پسندوں سے بہت مختلف تھا۔ بہت کم لوگ ایسے ہوے ہیں جن کی طبیعت میں ایسی وسیع ہمدردی اور قوت عملی پائی جاتی ہو۔ اس کے مقصد میں اگرچہ نہایت سنجیدگی و وقار پایا جاتا تھا مگر اس کے مزاج میں شگفتگی بلکہ پوری زندہ دلی موجود تھی۔ وہ اسٹرلیفرڈ کے خلاف غضبناک الفاظ استعمال کرنے کے بعد ہی لیڈی کارلائل کے ساتھ شیریں کلامی میں مشغول ہوجاتا تھا۔ جس زمانے میں معاملات ملکی کے بار تفکر سے اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا جارہا تھا، اس زمانے میں بھی اس کی صحبت میں ایسی خوش وقتی و دلفریبی پائی جاتی تھی کہ بیچین طرفداران شاہی اس پر سیکڑوں لغو الزامات لگاتے تھے۔ اس کی طبیعت کی یہی پُر زور قوت و دلپذیر ہمہ گری تھی جس نے اول ہی سے یہ ظاہر کردیا تھا کہ اسمیں فطرۃً تمام لوگوں پر حاوی ہوجانے کی عجیب و غریب قابلیت موجود ہے۔ اس نے فوراً ہی یہ ثابت کردیا کہ وہ نہایت باتدبیر سیاست داں اور بہت ہی باوقار مُقرّر ہے۔ وہ جس آسانی کے ساتھ شاہ پرستوں کی پیچیدہ سازشوں کا سراغ لگا لیتا تھا اسی آسانی کے ساتھ وہ اپنے اشتعال انگیز الفاظ سے عوام کے جذبات کو بھی بھڑکا دیتا تھا وہ آرمیڈا کی آمد سے

پم کی سیاسی ذکاوت

چار برس پہلے یعنی ۱۵۸۴ء میں پیدا ہوا تھا اور اس لئے
جب اس کا اصلی کام شروع ہوا ہے اس وقت اس کا سن
زمانہ کہولت سے گزر چکا تھا لیکن طویل العہد پارلیمنٹ کے
پہلے ہی اجلاس میں اس نے ایک زبردست حکمراں کے اوصاف
کا اظہار شروع کردیا تھا، اس میں بے انتہا زحمت کشی و تحمّل کے ساتھ
انتظام کی قابلیت، صبر، ہوشیاری، اپنے گرد وپیش کے لوگوں
میں اعتماد پیدا کرنے کی طاقت، ہمّت مردانہ و عزم قوی،
سب خوبیاں موجود تھیں۔ کسی انگریز حکمراں نے ایسی شریف النفسی
اور حکمرانی کی ایسی قابلیت کا کبھی اظہار نہیں کیا ہے جیسی
اس سمرسٹ شائر کے اسکوائر سے ظہور میں آئی جسے اسکے
دشمن ازراہ حسد "شاہ پم" کہا کرتے تھے اور ان کا یہ کہنا
بالکل صحیح تھا۔

پارلیمنٹ کا کام

پارلیمنٹ کے انتخابات کے قریب زمانے میں ہیمپڈن
و پِم کے تمام انگلستان میں گشت کرنے کی مطلق ضرورت
نہ تھی کیونکہ پارلیمنٹ کی طلب کے ساتھ ہی تمام سلطنت
میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی تھی۔ پیورٹینوں کا نیو انگلینڈ
کو جانا دفعتہً بند ہوگیا تھا۔ بقول ونتھراپ "اُس تغیر نے تمام
لوگوں کو ایک نئے عالم کی توقع میں انگلستان کے اندر
روک دیا"۔ پیورٹینوں کے ہر ایک شہر سے عام بد دلی
کی آواز بلند ہونے لگی اور رسالوں کی یکایک بھرمار
ہوگئی۔ بیس برس کے اندر تیس ہزار رسالے شائع ہوئے اور

انگلستان سیاسی مباحث کا ایک اکھاڑا بنگیا۔ ارکان دارالعوام

۱۶۴۰ جس عزم و استقلال کے ساتھ وسٹ منسٹر میں جمع ہوئے اسکے مقابلے میں بادشاہ کے تذبذب آمیز الفاظ بہت ہی متبائن معلوم ہوتے ہیں۔ ہر رکن اپنے قصبے یا صوبے سے شکایات کی ایک ایک درخواست اپنے ساتھ لایا تھا علاوہ ان کے اہل شہر اور کاشتکاروں کی نئی نئی درخواستیں روزانہ آتی رہتی تھیں۔ ان درخواستوں کی جانچ کرنے اور ان کے متعلق رائے دینے کے لئے چالیس کمیٹیاں (مجلسیں) مقرر ہوئیں اور انہیں مجلسوں کے معروضات کی بنا پر دارالعوام نے کارروائی جاری کی۔ پرین اور اس کے ساتھ کے دوسرے "شہدا" قیدخانوں سے نکالے گئے اور جب یہ لوگ لندن میں ہوکر گزرے تو لوگ ہر طرف شور تحسین بلند کرتے اور ان کے راستوں میں پھول بچھاتے جاتے تھے۔ شاہی عُمّال کے ساتھ دارالعوام نے بہت سخت برتاؤ کیا۔ ہر صوبے میں یہ حکم بھیجدیا گیا کہ جن عہدہ داروں نے شاہی احکام کے موافق حکومت کا کام انجام دیا ہے ان کی ایک فہرست تیار کرکے دارالعوام میں پیش کی جائے۔ ان عہدہ داروں کو "قصور وار" کے لفظ سے یاد کیا گیا تھا لیکن پارلیمنٹ نے سب سے زیادہ بادشاہ کے وزراء خاص کو نشانہ بنایا۔ لوگ لاڈ سے بھی اس درجہ متنفر نہیں تھے جس قدر اسٹرافیرڈ سے بیزار تھے۔ اسٹرافیرڈ کا جرم صرف یہی نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے ظلم و ستم کا ایک آلہ تھا بلکہ وہ "دولت عامّہ کا سب سے بڑا باغی تھا"۔ اسکی نسبت

اسٹرافیرڈ کا مواخذہ

لارڈ ڈگبی نے اپنے سب دشنام کو ان تہدید آمیز الفاظ پر ختم
کیا تھا کہ "اُسے یہ امید نہ رکھنا چاہئے کہ اس دنیا میں اسے
معافی ملجائے گی بلکہ حصول معافی کے لئے اسے دوسری دنیا
میں پہنچا دیا جائے گا" وہ اس خطرے سے آگاہ تھا مگر چارلس
نے اسے مجبور کرکے دربار میں بلایا اور حسب عادت خود جرأت
کرکے پارلیمنٹ کے سرگروہوں پر پہلے ہی یہ الزام لگادیا کہ انہوں
نے اہل اسکاٹلینڈ سے باغیانہ مراسلت کی ہے۔ جس وقت وہ اپنی
تجاویز چارلس کے روبرو پیش کررہا تھا اسی وقت یہ خبر ملی کہ
پم اس پر غداری کا مقدمہ چلانے کی درخواست لیکر دارالامرا میں
۱۱ نومبر
حاضر ہوا ہے۔ ایک شاہد اپنا چشمدید حال لکھتا ہے کہ "وہ نہایت
عجلت کے ساتھ دارالامرا میں آیا۔ بہت درشتی کے ساتھ دروازے
پر آواز دی اور نہایت ہی غرور آمیز تمکنت کے ساتھ آکر
سب سے آگے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، مگر بہت سے لوگوں نے
اس سے فوراً ہی یہ کہا کہ وہ ایوان سے نکل جائے۔ اس سے
ایک ہنگامے کی سی کیفیت بپا ہوگئی اور وہ مجبوراً اذن ملنے تک
دروازے میں جاکر ٹھہر گیا" جب وہ بلایا گیا تو اسے یہ حکم ملا کہ
وہ ٹاور میں مقید رکھا جائے وہ ابتک اپنے عزم پر قائم تھا
اور اس نے اپنے مخالفوں کا جواب ترکی بہ ترکی دینا چاہا
اور انہیں پر غداری کا الزام لگایا مگر جب اس نے بولنا
چاہا تو اسے یہ حکم ملا کہ وہ ایک لفظ بھی زبان سے
نکالے بغیر چلا جائے" دارالامرا کے داروغہ نے جب اسے

اپنی حراست میں لیا اور اس کی تلوار طلب کی تو وہ تلوار دیکر بھت سے لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اپنی گاڑی تک گیا اور کسی نے اس کے لئے ٹوپی نہ اُتاری حالانکہ اسی دن صبح کو انگلستان کا بڑے سے بڑا شخص بھی اس کے سامنے ٹوپی اُتار کر کھڑا رہتا؛ اس کے بعد ہی پے در پے دوسروں پر بھی زد پڑنے لگی۔ونڈبینک (وزیر) پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے عام عبادت سے انحراف کرنے والوں کے ساتھ ناجائز رعایت کی ہے یہ الزام سُنکر اس نے فرانس کی راہ لی۔فنچ (محافظ مہرشاہی) پر مقدمہ قائم کردیا گیا اور وہ بھی خوفزدہ ہوکر سمندر پار بھاگ گیا خود لاڈ بھی قیدخانے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے روز نامچے کے صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنے والے خطرات کا اثر محسوس کرتا تھا اور اس وقت اس سخت مزاج شخص کی طبیعت سے کچھ عجب درد و گداز کا احساس پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں لوگوں کی نظر سے بچنے کے لئے شام تک لیمبتھ میں ٹھرا رہا۔ نماز شام کے لئے میں اپنی عبادت گاہ میں گیا۔ اس روز زبور اور اشعیا نبی کی کتاب کے پانچویں باب سے مجھے خاص تسلّی حاصل ہوئی۔ خدا مجھے اس کے قابل بنائے اور اس کے قبول کرنے کی توفیق دے۔ جب میں اپنے بجرے پر سوار ہوا، تو میرے سیکڑوں غریب ہمسائے وہاں کھڑے ہوئے میرے بخیریت آنے کے لئے دعا کر رہے تھے۔ میں خدا کا اور ان لوگوں کا شکر ادا کرتا ہوں" چارلس اپنی شاہی

تنظیم کی تباہی کو بے بسی کے ساتھ دیکھ رہا تھا کیونکہ اسکاٹلینڈ
کی قوم ابھی تک شمال میں خیمہ زن تھی۔ پارلیمنٹ یہ سمجھتی تھی کہ
جبتک اہل اسکاٹلینڈ سر پر موجود ہیں پارلیمنٹ برطرف نہیں کیجاسکتی
اسلئے اسے فوج کی برطرفی کے لئے روپے کے منظور کرنے کی
کچھ عجلت نہ تھی۔ اسٹرڈ نے صاف یہ اعتراف کیا کہ "بغیر انکے
ہم کچھ نہیں کرسکتے، فسلطینی ابھی تک ہم سے زیادہ قوی ہیں"
چارلس کی حکومت کی ناجائز کارروائیاں ایک ایک کرکے منسوخ
کی گئیں۔ محصول جہاز کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ ہیمپڈن
کے مقدمہ کا فیصلہ منسوخ کردیا گیا اور ججوں میں سے ایک
جج قید کردیا گیا۔ ایک قانون یہ منظور ہوا کہ "اِس ملک کی
رعایا کا یہ قدیمی حق ہے کہ تمام اہل ملک، دوسرے ممالک
کے وطن پذیر اشخاص، اور غیر ملکی اس ملک میں جو کچھ
مال تجارت لانا چاہیں یا ملک سے باہر لیجانا چاہیں ان پر
کسی قسم کی رقم اعانت محصول بحری یا اور کوئی ٹکس بغیر
پارلیمنٹ کی مشترکہ منظوری کے نہیں عائد کیا جائے گا"
اس قانون کے رو سے خود مختارانہ محصول لگانے کا حق بادشاہ
سے سلب ہوگیا۔ ایک "قانون سہ سالہ" نے یہ لازم کردیا
کہ ہر تیسرے سال پارلیمنٹ جمع ہوا کرے اور انتخاب کا
انتظام کرنے والے عہدہ داروں پر لازم قرار دیا گیا
کہ بادشاہ اگر پارلیمنٹ طلب نہ بھی کرے تو بھی وہ انتخاب
عمل میں لاویں۔ اصلاح کلیسا کے معاملہ پر غور کرنے کے لئے

ایک کمیٹی مقرر ہوئی اور اس کی رائے کے بموجب دارالعوام نے یہ قانون منظور کیا کہ اساقفہ دارالامرا سے الگ کردیئے جائیں۔

اسٹریفرڈ کی موت

بادشاہ کی طرف سے کسی قسم کی مخالفت کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ یہ معلوم تھا کہ وہ کلیسا میں حکومتِ اساقفہ کی موقوفی کے سخت خلاف ہے مگر دارالامرا سے ان کے نکل جانے کے متعلق اس کی طرف سے کوئی مخالفت نہیں ہوئی۔ اُس کو اسٹریفرڈ کی جان بچانے کا خیال مصمم تھا مگر اس کے مواخذہ کی کارروائی میں اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ ارل کا مقدمہ وسٹ منسٹر ہال میں شروع ہوا، اور تمام دارالعوام مواخذہ کی تائید کے لئے حاضر ہوا۔ اس کارروائی سے جس قدر جوش پیدا ہوگیا تھا اس کا اندازہ ہمدردی و نفرت کے اس شور سے ہوسکتا تھا جو دونوں طرف کی بھری ہوئی بنچوں سے بلند ہورہا تھا۔ اسٹریفرڈ نے پندرہ روز تک حیرت انگیز ہمت و قابلیت کے ساتھ ایک ایک الزام کا جواب دیا۔ جس درد کے ساتھ اس نے اپنی بریت میں گفتگو کی اسے سُن کر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے لیکن مقدمے کی کارروائی یکایک رُک گئی۔ زیادتی اور بد اعمالی اگرچہ اس پر اچھی طرح ثابت ہوگئی تھی مگر غداری کے الزام کا ثبوت قانوناً کمزور تھا۔ بقول ہلم "انگلستان کے قوانین خود انگلستان کے خلاف سازشیں کرنے کے متعلق بالکل خاموش ہیں" اڈورڈ سوم کے قانون کے موافق بغاوت صرف بادشاہ کے خلاف جنگ

کرنے یا اس کی جان لینے کی تدبیر تک محدود ہے۔ دارالعوام نے
اپنے معاملہ کی تقویت کے خیال سے ایک کمیٹی کے اجلاس کی
کارروائی پیش کی جس میں اسٹرلیفرڈ نے یہ زور دیا تھا کہ اس کی
آئرلینڈ کی فوج انگلستان کو زیر کرنے کے لئے کام میں لائی جائے
مگر دارالامرا نے اس شہادت کو صرف اس شرط سے قبول کرنا
منظور کیا کہ کل مقدمہ بالکل از سرِنو شروع کیا جائے پم اور
ہیمپڈن اس رائے پر قائم رہے کہ الزام بخوبی ثابت ہوچکا ہے
لیکن دارالعوام قابو سے نکل گیا اور سنٹ جان اور ہنری مارٹن
کی سرکردگی میں یہ تحریک منظور ہوگئی کہ تمام عدالتی کارروائیاں
ترک کردی جائیں اور "مخصوص قانون تعزیری" سے کام لیا جائے
اس کارروائی پر بہت سے ایسے لوگوں نے نفرین کی ہے جنکی
رائے اس معاملہ میں ہر طرح قابل وقعت سمجھی جانے کی مستحق
ہے مگر یہ بھی صحیح ہے کہ اسٹرلیفرڈ کا جرم اس وجہ سے کم نہیں
ہوسکتا کہ وہ قانون غداری کے تحت میں نہیں آتا تھا۔ درحقیقت
بہت سے سخت خطرات ایسے ہیں جو قومی آزادی کے لئے پیش
آسکتے ہیں اور ضابطے میں ان کے انسداد کی کوئی صورت نہیں
مہیا کی گئی ہے۔ اس وقت بھی یہ ممکن ہے کہ کسی عام اضطراب
کی حالت میں ایک خاص رائے کی پارلیمنٹ منتخب ہوجائے
اور جب بعد کو قوم کے خیالات درست ہوجائیں اس وقت
بھی وزرا قوم کی مرضی کے خلاف دوبارہ انتخاب سے انکار کرتے
رہیں اور ملک پر حکومت کرتے رہیں از روئے قانون یہ کارروائی

مخصوص قانون تعزیری

صحیح ہوگی مگر اس سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ وندا الزام سے بری ہوجائیں گے اسٹریفرڈ کے کام قانون بغاوت کے تحت میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں۔ مگر ان کاموں کا مقصد یہ تھا کہ تمام قوم کی آزادی پر حملہ کیا جائے۔ قوم کا آخری چارۂ کار یہی ہے کہ وہ حفاظتِ خود اختیاری کے حق کو کام میں لاوے اور "مخصوص قانون تعزیری" اسی حق کا اظہار ہے کہ ایسے دشمن کو کو سزا دی جاسکے جو کسی لکھے ہوے قانون کے تحت میں نہ آتا ہو اسٹریفرڈ اور حکومت اساقفہ کے بچانے کے لئے چارلس اس امر پر رضامند معلوم ہوتا تھا کہ سلطنت کے عہدے پارلیمنٹ کے سرگروہوں کو تفویض کردے اور ارل بڈفرڈ کو وزیر خزانہ بنادے۔ اس کے شرائط یہ تھے کہ اساقفہ کی حکومت مذہبی مٹائی نہ جائے، نہ اسٹریفرڈ کو قتل کیا جائے لیکن دو وجہوں سے یہ گفت و شنود بند ہوگئی، اولاً تو بڈفرڈ کا انتقال ہوگیا دوسرے یہ پتہ چلا کہ چارلس اس تمام دوران میں ایسے لوگوں کے مشورے بھی سُنتا رہا ہے جن کی صلاح

فوجی سازش

یہ تھی کہ فوج کو بھڑکا کر لندن پر حملہ کردیا جائے، ٹاور پر قبضہ کرلیا جائے، اسٹریفرڈ کو رہا کردیا جائے اور بادشاہ کو پارلیمنٹ کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔ فوجی سازش کے دریافت ہونے سے اسٹریفرڈ کی قسمت پر مُہر لگ گئی لندن کے لوگوں میں ایک جنون کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور جب اُمرا وسٹ منسٹر میں جمع ہوئے تو مجمع نے ایوان کو گھیر لیا

اور "انصاف انصاف" کا شور مچانا شروع کیا۔ ۸ مئی کو اُمرا
نے "مخصوص قانون تعزیری" کی منظوری دے دی۔ ارل کی آخری
امید بادشاہ کی ذات سے وابستہ تھی مگر دو روز بعد اس قانون
پر شاہی منظوری بھی ثبت ہوگئی اور ارل کی قسمت کا فیصلہ
ہوگیا۔ اسٹریفرڈ نے جس طرح زندگی بسر کی تھی اسی طرح اسنے
جان بھی دی۔ اس کے دوستوں نے اسے اس امر سے آگاہ
کیا کہ اس کے قتل کے دیکھنے کے لئے بہت بڑا مجمع ہو رہا
ہے، اس نے مغرورانہ انداز سے یہ جواب دیا کہ "میں جانتا ہوں ۱۲ مئی
کہ کیونکر موت پر اور عوام الناس پر ایک ساتھ نظر ڈالوں۔
میں خدا کا شکر کرتا ہوں مجھے اب موت سے کوئی خوف
نہیں ہے، میں اس وقت اپنی صدری ویسی ہی خوشی سے اُتارتا
ہوں جیسے بستر پر جاتے وقت اُتارا کرتا ہوں" جس وقت
اس کی گردن پر تبر پڑا، خاموش مجمع ایک عام شور مسرت سے
گونج اُٹھا، سڑکوں پر آگ روشن کی گئی۔ ہر ایک منارے سے گھنٹا
بجنے لگا ایک حاضر الوقت شخص لکھتا ہے کہ بہت سے لوگ جو
اس قتل کو دیکھنے کے لئے شہر میں آئے تھے
خوشی خوشی واپس گئے۔ یہ لوگ اپنی ٹوپیاں ہلاتے ہوئے اور
ہر طرح پر اظہار مسرت کرتے ہوئے جس جس قصبے سے گزرے
برابر آوازہ دیتے گئے کہ اُس کا سر کٹ گیا اس کا سر کٹ گیا"
پارلیمنٹی وزرات کے قائم کرنے کی کوشش میں ناکامی شکو
فوجی سازش کا کھل جانا، اسٹریفرڈ کا قتل ان تمام حالات نے

طویل العہد پارلیمنٹ کی تاریخ میں ایک نیا دور پیدا کردیا، ماہ مئی تک یہ امید تھی کہ دارالعوام اور بادشاہ کے درمیان کوئی صورت آشتی کی پیدا ہوجائے گی اور جو آزادی حاصل ہوگئی ہے اس کی بنا پر حکومت کا ایک نیا طریقہ قائم ہوجائے گا۔ مگر اس کے بعد اس قسم کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ فوجی سازش کے وقت سے طرح طرح کی افواہیں پھیل رہی تھیں اور ایک اضطراب سا پیدا ہوگیا تھا۔ چند تختوں کے ٹوٹ جانے سے بارود والی سازش کی یاد تازہ ہوگئی اور ارکان دارالعوام سے نکل بھاگے، اس لئے کہ انہیں پورا یقین ہوگیا تھا کہ نیچے سرنگ لگی ہوئی ہے۔ دوسری طرف چارلس یہ سمجھتا تھا کہ نئی تجاویز پر اس کی منظوری بجبر حاصل کی گئی ہے اور جس وقت بھی اسے موقع ملے گا وہ ان تجاویز کو کالعدم کردے گا۔ اس خوف و ہراس میں ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ نے قسم کھائی کہ وہ پروٹسٹنٹ مذہب اور عام آزادی کی حفاظت کریں گے۔ کچھ دنوں بعد اسی قسم کا حلف ان تمام لوگوں سے بھی لیا گیا جو ملکی خدمات پر متعین تھے اور رعایا کے بہت بڑے حصے نے از خود بھی حلف اُٹھایا۔ اسی جوابی انقلاب کے خوف سے ہائیڈ اور دارالعوام کے اعتدال پسند ارکان نے بھی اِس قانون سے اتفاق کرلیا کہ موجودہ پارلیمنٹ خود اپنی مرضی کے بغیر برطرف نہ کی جائے۔ پارلیمنٹ کے تمام مطالبات میں یہی پہلا مطالبہ تھا جو صاف صاف انقلاب انگیز معلوم ہوتا تھا اُسے منظور کرلینے کے معنی یہ تھے کہ بادشاہ

مساوی درجہ کی ایک طاقت ہمیشہ کے لئے قائم ہوجائے۔ چارلس نے
بغیر کسی اعتراض کے اس قانون پر دستخط کردیئے مگر وہ پہلے ہی سے
پارلیمنٹ کے شکست کرنے کی تجویز سوچ رہا تھا۔ اس وقت تک
اسکاٹلینڈ کی فوج نے اسے دبا رکھا تھا لیکن اب رقم کی ادائی
اور فوج کی واپسی میں زیادہ تاخیر کی گنجائش نہیں تھی۔ اور دونوں
ملکوں میں صلح کی تجویز منظور ہوگئی۔ ایوانہائے پارلیمنٹ نے
اپنی اصلاح کے کاموں کو پورا کرنے میں عجلت کی، مجلس شمالی
اور مجلس سرحد ویلز کے بے قاعدہ عدالتی اختیارات منسوخ ہوچکے
تھے اور اب اسٹار چیمبر اور عدالت ہائی کمیشن کے دیوانی و فوجداری اختیارات
یکقلم باطل کردیئے گئے۔ غیر معمولی عدالتوں میں ہائی کمیشن آخری عدالت تھی
جسپر شاہان ٹیوڈر کا مدار کار رہ چکا تھا۔ اس کام میں نہایت عجلت کی گئی کیونکہ تاخیر
کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ دونوں فوجیں منتشر کردی گئی تھیں اور اہل اسکاٹلینڈ نے
اپنے گھروں کی طرف روانہ ہونا شروع ہی کیا تھا کہ بادشاہ نے
انھیں پھر واپس لانے کا ارادہ کرلیا پارلیمنٹ کی التجاؤں کے
باوجود وہ لندن سے اڈنبرا چلاگیا اور وہاں کی مجلس مذہبی
و ملکی کے ہر ایک مطالبے کو منظور کرلیا۔ پرسبٹیرین عبادت
میں شریک ہوا، ارل ارگائل اور محب وطن سرگروہوں پر خطابات
و انعامات کا مینہ برسادیا۔ چھ مہینے تک اسے ایسی ہر دلعزیزی
حاصل رہی کہ انگلستان کی پارلیمنٹ پر ایک خوف طاری ہوگیا۔
چارلس کی آمد کے قبل ارل مانٹروز محب وطن فریق سے
علیٰحدہ ہوگیا تھا اور اسی وجہ سے وہ قلعہ اڈنبرا میں قید

کر دیا گیا تھا، پارلیمنٹ کو معلوم ہوا کہ چارلس برابر اس سے سازش کرتا رہا تھا اس کے ساتھ یہ خبر بھی ملی کہ ہملٹن اور آرگائل یکایک دار الحکومت سے نکل گئے ہیں اور بادشاہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ انہیں دغا سے گرفتار کر کے ملک سے باہر بھیجدینا چاہتا تھا۔ ان حالات سے چارلس کے منصوبوں کے متعلق پارلیمنٹ کی تشویش اور بڑھ گئی۔ آئرلینڈ سے یکایک جو خبریں آئیں ان سے اس تشویش نے اضطراب کی صورت اختیار کر لی۔ اسٹریفرڈ کے بعد سے وہاں حکومت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا اس کی فوج کے سپاہی منتشر ہوکر تمام ملک میں پھیل گئے تھے اور بد دلی کی دبی ہوئی چنگاریوں کو سلگا رہے تھے، السٹر میں حیرت انگیز قوت و رازداری کے ساتھ ایک سازش کا انتظام ہوا۔ انگریزی نو آبادی کے لئے جو ضبطیاں عمل میں آئی تھیں، انہیں اہل السٹر نے فراموش نہیں کیا تھا، جس وقت سازش ظاہر ہوئی تو جزیرے کے وسطی و مغربی حصوں میں ایک آگ سی لگ گئی۔ ڈبلن محض اتفاق سے بچ گیا مگر اس سے باہر تمام ملک میں بے روک ٹوک کشت و خون جاری ہوگیا چند روز میں ہزاروں انگریز برباد ہوگئے اور افواہوں میں ان کی تعداد دگنی تگنی مشہور ہوئی۔ ہمارے زمانے میں واقعہ کانپور کی خبر آنے پر انگلستان میں جیسا جوش جنوں پیدا ہوگیا تھا وہی کیفیت ان تکالیف و مصائب کی خبروں سے پیدا ہوگئی تھی جو روزانہ رودبار آئرلینڈ

آئرلینڈ کی بغاوت اکتوبر سنہ ۱۶۴۱

کی طرف سے آرہی تھیں۔ لوگوں نے حلفیہ بیان کیا کہ کسطرح شوہروں کو بیویوں کے سامنے کاٹکر ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا گیا۔ انکی آنکھوں کے سامنے بچوں کے سر توڑ ڈالے گئے۔ لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی اور انہیں یخ بستہ میدانوں میں ہلاک ہونے کے لئے برہنہ باہر نکال دیا گیا۔ مے لکھتا ہے کہ "بعض آدمیوں کو بالقصد جلا دیا، بعضوں کو تفننِ طبع کے لئے پانی میں ڈبو دیا۔ اور اگر انہوں نے تیر کر باہر نکلنا چاہا تو انہیں بلّیوں اور گولیوں سے مار مار کر خشکی پر آنے سے روک دیا اور وہ پانی ہی میں مرگئے۔ بعضوں کو زندہ دفن کردیا اور بعضوں کو کمر تک گاڑ کر چھوڑ دیا کہ بھوکے پیاسے مرجائیں۔" ان میں سے بہت سی باتیں محض مبالغہ ہیں اور حالتِ اضطراب میں لکھی گئی ہیں مگر مذہبی حیثیت سے یہ بغاوت عام سابقہ بغاوتوں سے مختلف تھی۔ سابقہ شورشوں کی طرح یہ کلٹ اور سیکسن کی کشمکش نہیں تھی بلکہ پروٹسٹنٹوں کے خلاف کیتھولکوں کی جد و جہد تھی۔ حلقہ انگریزی کے اندر کے حامیان پوپ باہر کے وحشی قبائل کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ باغی اپنے کو "متحدہ کیتھولک" کہتے تھے اور انہوں نے یہ عزم کرلیا تھا کہ "وہ سچے رومن کیتھولک مذہب کے عقائد و عبادات کے عام آزادانہ اجرا کی حمایت کرینگے" جب یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے اور اس کے اقتدار کی حمایت میں یہ لوگ ایسا کررہے ہیں تو اضطراب و پریشانی

کی کوئی حد باقی نہیں رہی ان لوگوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ ان تمام لوگوں کے خلاف "جو بالواسطہ یا بلا واسطہ شاہی اقتدار کے مٹانے کی کوشش کریں" چارلس اور اس کے وَرثہ کی حمایت کریں گے۔ انہوں نے ایک فرمان بھی دکھایا جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ وہ اڈنبرا سے بادشاہ کے حکم سے جاری ہوا ہے اور یہ لوگ اپنے کو "بادشاہ کی فوج" کہتے تھے۔ یہ فرمان درحقیقت جعلی تھا مگر چونکہ چارلس کو انگلستان کی عزت کا کچھ پاس ولحاظ نہیں تھا اس لئے وہ بہت جلد باور کرلیا گیا۔ چارلس کی نظر میں یہ بغاوت اس کے مخالفوں کے خلاف ایک کارآمد روک تھی۔ اسے جب اس بغاوت کی خبر پہنچی تو اس نے سکون کے ساتھ یہ لکھا کہ "مجھے امید ہے کہ آئرلینڈ کی اس خبر بد سے انگلستان میں اس قسم کی بعض حماقتیں رُک جائینگی" سب سے بڑھکر یہ کہ اس سے فوج کا رکھنا ضروری ہوجائیگا اور فوج جب اس کے قبضے میں ہوگی تو وہ پارلیمنٹ کا بھی مالک بن جائے گا۔ پارلیمنٹ اپنی جگہ پر یہ سمجھتی تھی کہ آئرلینڈ کی بغاوت ایک وسیع انقلاب کا پیش خیمہ ہے اور اسکاٹلینڈ کی فوج کی واپسی اسکاٹلینڈ کی رضاجوئی، اڈنبرا کی سازشیں سب اسی کا جزو ہیں۔ بادشاہ کی واپسی پر شاہ پرستوں کے بڑے زور و شور کے ساتھ خوشی منانے اور خود پارلیمنٹ میں ایک شاہی فریق طریق کے پیدا ہوجانے سے اس تشویش نے اضطراب کی صورت اختیار کرلی۔ اس نئے فریق کو ہائیڈ

نے (جو بعد کو لارڈ کلیرنڈن ہوا) خفیہ طور پہ ترتیب دیا تھا اور نئے شاہ
اس کام میں لارڈ فاکلینڈ اس کا شریک تھا، فاکلینڈ ایک بہت
ذی علم و صاحب کمال اور اپنے وقت کے اعلیٰ درجے کے
آزاد خیالوں کا مرکز تھا، بحث مباحثہ میں اس کی نظر بہت
غائر تھی اور تقریر میں بہت ماہر تھا۔ اسے مذہبی خیالات
کی آزادی کی بیحد خواہش تھی اور وہ دیکھتا تھا کہ اس زمانے
کی کج بحثیوں میں اس آزادی کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے اسی وجہ
سے وہ پارلیمنٹ سے کشیدہ ہوگیا تھا۔ چونکہ اسے یہ اندیشہ تھا
کہ بادشاہ سے تصادم ہوجائے گا اور وہ امن کا بیحد خواہاں
تھا اور کمزور کے ساتھ اسے ہمدردی تھی اس وجہ سے اگرچہ خود
اسے بادشاہ پر اعتماد نہیں تھا مگر وہ اس کا حامی و طرفدار
بن گیا اور ایک ایسے کام میں جان دینے کے لئے تیار
ہوگیا جس سے اس کی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں تھی۔ فاکلینڈ
اور ہائیڈ نے بہت جلد اپنے معاونین کی ایک زبردست قوت
جمع کرلی۔ ان میں ہر قسم کے لوگ تھے سر اڈمنڈ ورنی سا جانباز
سپاہی ان کا معاون تھا، جس کا قول تھا کہ "میں نے تیس برس
تک بادشاہ کا نمک کھایا اور اس کی خدمت کی ہے اب
مجھ سے یہ کمینہ حرکت نہیں ہوسکتی کہ اسے چھوڑ کر الگ ہوجاؤں"
ایسے لوگ بھی تھے جو جلد جلد تغیرات کے ہونے اور اساقفہ
و کلیسا کے خطرے میں پڑجانے سے خوفزدہ ہوگئے تھے۔
اس کے علاوہ دربار کے طرفدار اور وہ قابو پرست جو سمجھتے

تھے کہ بادشاہ پھر بہت جلد غالب آجائے گا۔ اس گروہ میں
شامل تھے۔ پارلیمنٹ میں ضعف آگیا تھا اور بیرونی خطرہ بڑھتا جاتا
تھا۔ اس حالت میں پم نے خود قوم سے مدد کی درخواست
کی۔ اس نے جو "شکوۂ اعظم" پارلیمنٹ کے روبرو پیش کیا،
اس میں اس نے ان تمام کاموں کو جنہیں پارلیمنٹ نے انجام
دیا تھا، جن مشکلات پر وہ غالب آئی تھی، جو نئے خطرے
اسے درپیش تھے ان سب کو تفصیلوار بیان کیا تھا پارلیمنٹ
پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ اسقفیت کو موقوف کرنا چاہتی ہے
اس "شکوہ" میں یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ پارلیمنٹ کا مقصد
صرف اتنا ہے کہ ان کے اختیارات کو گھٹا دے سیاسی حیثیت
سے اس طعنہ کی بھی تردید کی گئی کہ پارلیمنٹ کا مقصد انقلاب
پیدا کرنا ہے اس میں صرف یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ کلیسائے
انگلستان میں نہ شامل ہونے کے متعلق موجود الوقت قانون
پر عملدر آمد کیا جائے۔ انصاف کے مناسب طور پر انجام
پانے کی ذمہ داری کی جائے اور وزرا ایسے رکھے جائیں جنھیں
پارلیمنٹ کا اعتماد حاصل ہو۔ شاہی فریق نے اس کے خلاف
بہت سخت مقابلہ کیا، مباحثے پر مباحثے ہوئے اجلاس اتنے
طولانی ہوگئے کہ روشنی لانے کی ضرورت پڑی۔ اور نصف
شب کو گیارہ رایوں کی کثرت سے "شکوہ" منظور کیا گیا
بعد کو جب اس کی اشاعت کے لئے رائے لی گئی تو گروہ
قلیل نے باضابطہ اعتراض پیش کرنے کی کوشش کی اس سے

شکوہ اعظم
نومبر سنہ ۱۶۴۱ء

دبے ہوئے جذبات بھڑک اُٹھے۔ بہت سے ''لوگ سروں پر ٹوپیاں ہلانے لگے، بہتوں نے تلوار نیام سے نکال لی اور زمین پر تلوار کو ٹیک کر قبضے ہاتھ میں لے لئے'' صرف ہیمپڈن کے سکون و حُسن تدبیر سے کشت و خون ہوتے ہوتے رہگیا؛ دونو فریق اس ''شکوہ'' کو اس کشمکش کا نازک ترین موقع خیال کرتے ہیں۔ کرامول نے دارالعوام سے نکل کر یہ کہا کہ ''اگر یہ نامنظور ہوگیا ہوتا تو میں کل ہی اپنی تمام املاک بیچڈالتا اور ہمیشہ کے لئے انگلستان سے چلا جاتا'' بادشاہ نے رنج و غصے کے ساتھ اسے سُنا مگر ملک میں اس سے ایک خاموشی سی پیدا ہوگئی۔ لندن نے پارلیمنٹ کی حمایت میں جینے مرنے کی قسم کھائی اور ہر صوبے میں پارلیمنٹ کی حمایت کے لئے مجلسیں قائم ہوگئیں، فوجی سازش کے زمانہ اضطراب میں دارالعوام نے اپنی حفاظت کیلئے ایک دستہ فوج کا بلا لیا تھا، بادشاہ نے اسے واپس لے لیا تو عوام فوج کے بجائے کام کرنے کے لئے وسٹ منسٹر میں جمع ہوگئے۔

پانچ اراکین کی گرفتاری

پارلیمنٹ کی بیخ کنی و اتحاد عمل کے توڑنے میں سب سے زیادہ جس مسئلہ کا اثر پڑا وہ کلیسا کا مسئلہ تھا۔ اصلاح کی ضرورت پر سب متفق تھے اور پارلیمنٹ کے اولین کاموں میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے ایک کمیٹی مذہبی مقرر کی تھی۔ دارالامرا کی طرح دارالعوام کا بیشتر حصہ بھی کلیسا کے نظام حکومت اور اس کے عقائد میں

انتہائی تغیرات کا مخالف تھا، لیکن پارلیمنٹ کے اندر باہر دونوں
جگہ عام رائے یہ تھی کہ مقتدایانِ دین کے اختیارات و دولت میں
اصلاح کلیسا
کمی کرنی چاہیے، نیز کلیسائی عدالتوں کے اختیارات بھی گھٹانے
چاہئیں، خود اساقفہ میں زیادہ ممتاز افراد اس رائے سے اتفاق
کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ کیننوں کی مجلس اور اساقفہ کی عدالتیں
بند کردی جائیں اور ہر اسقفی میں پادریوں کی ایک مجلس منتخب
ہوا کرے تاکہ اساقفہ کی شخصی حکومت پر ایک روک قائم ہوجائے،
یہ اسقف اعظم اشر کی رائے تھی۔ اسی کے موافق لنکن کے
اسقف ولیمز نے ایک تجویز مرتب کی مگر دارالعوام کے اکثر لوگوں
کی خواہش اس سے پوری نہیں ہوتی تھی۔ پم اور لارڈ فاکلینڈ
نے ان تغیرات کے علاوہ یہ بھی مطالبہ کیا کہ پادری تمام
دنیاوی و سرکاری عہدوں سے الگ ہوجائیں۔ اور اساقفہ
دارالامرا سے نکل جائیں۔ امرا کی آزادی کے بحال کرنے کیلئے
اس قسم کی کارروائی کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ اساقفہ کی
تعداد اس قدر زیادہ تھی اور وہ بادشاہ کے اس قدر مطیع
و منقاد تھے کہ دارالعوام میں بادشاہ کی مخالفت کے روکنے
کے لئے عام طور پر ان کی تعداد کافی سمجھی جاتی تھی لیکن
ان لوگوں کے علاوہ ایک ترقی پذیر فریق اور تھا جو اسقفیت
اساقفہ اور پارلیمنٹ
ہی کو ایک قلم منسوخ کردینا چاہتا تھا، لاڈ کے باعث کارٹرائٹ
کے عقائد عوام میں بہت مقبول ہوگئے تھے، اور پرسبٹیریت
کی تحریک نے متوسط طبقے میں ایک مہیب قوت حاصل

کرلی تھی۔ لندن اور مشرقی صوبوں میں اس طریقے کا زیادہ
زور تھا کیونکہ وہاں کیلیمی اور مارشل وغیرہ چند پادریوں نے اسکی
اشاعت کے لئے ایک مجلس بنالی تھی۔ پارلیمنٹ میں اس کے
نمائندے لارڈ مانڈویل اور چند اور اشخاص تھے۔ دارالعوام
میں سرہیری وین اس سے زیادہ انتہاپسند مصلحین کی جماعت کا قائم مقام
تھا۔ یہی لوگ بعد میں "انڈپنڈنٹ" خود مختار کہلائے۔ ان کے
خیالات جس طرح حکومت اساقفہ کے خلاف تھے اسی طرح
تحریف پرسبٹرئت کے بھی مخالف تھے مگر فی الحال یہ لوگ
پرسبٹرنیوں کے ساتھ ملکر کام کرتے تھے اور مقتدایان دین
کے کلیتہً فنا کردینے کے مطالبے کے باعث یہ لوگ
"بنیکن" کہلاتے تھے۔ ظلم وجور کے خلاف اس کشمکش عظیم
میں اسکاٹلینڈ کی روش اور دونوں سلطنتوں میں مذہبی اتحاد
کے سیاسی فوائد کے خیال نے پرسبٹرین فریق کی طاقت کو
بڑھادیا۔ کلیسائے انگلستان کو عام پروٹسٹنٹ کلیسا سے زیادہ
قریبی طور پر متحد کرنے کی خواہش سے بھی اس امر کو تقویت
حاصل ہوگئی۔ ملٹن جو لسیڈاس لکھنے کے بعد ایک برس
تک غیر ممالک میں سفر کرتا رہا تھا واپس آکر اسی اتحاد
عام کے خیال سے مذہبی جدوجہد میں کود پڑا تھا۔ اس کا
دعویٰ یہ تھا کہ "انگریزوں کا تمام دوسرے مہذب کلیساؤں
سے اختلاف رکھنا کسی طرح مناسب نہیں ہے" لیکن
باوجود اس دباؤ کے اور باوجود اس کے کہ اس خیال کی

تائید میں لندن سے پرسبٹیرینوں کی ایک درخواست پندرہ ہزار دستخطوں کے ساتھ پیش ہوئی تھی۔ مذہبی کمیٹی نے صرف اسی قسم کی معتدل اصلاحوں کی رائے دی جیسی فاکلینڈ اور پم نے تجویز کی تھی۔۔ بادشاہ کے اسکاٹلینڈ روانہ ہوتے وقت دارالامرا نے ان اصلاحوں کو مسترد کردیا تھا۔ اس کے واپس آنے کے بعد یہ اصلاحات پھر پیش کئے گئے۔ پم اور اس کے رفقا بےچین تھے کہ کسی طرح اپنے پیرووں کے اختلافات کو رفع کریں، اس لئے انہوں نے پرجوش پرسبٹیرینوں کے دباؤ اور کلیسائی فریق کے خوف دونوں کو اسطرح ختم کرنا چاہا کہ موسم بہار میں "مذہبی کمیٹی" نے جو صورت مصالحت کی تجویز کی تھی اسی پر قائم ہوجائیں لیکن دارالعوام کے سخت تعرضات کے باوجود یہ مسودہ قانون دارالامرا میں بدستور معلق رہا۔ اس تعویق سے اہل لندن کے مجمع میں (جو وہائٹ ہال کے گرد جمع تھا) ایک جوش پیدا ہوگیا۔ انہوں نے اسقفوں کی گاڑیاں روک لیں بلکہ دارالامرا کو جاتے ہوئے خود اسقفون کو ذلیل کیا۔ ولیمز نے غرور اور غصے کے باعث اور دس اسقفوں کو اپنے ساتھ شامل کرکے یہ اعلان کیا کہ چونکہ انہیں شرکت پارلیمنٹ سے روکا گیا ہے اس لئے ان کی غیرحاضری میں جسقدر کارروائیاں ہوئی ہیں سب کالعدم ہیں امرا نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ جن مقتدایان دین نے اس پر دستخط کئے تھے ان سب کو فوراً ٹاور میں مقید کردیا۔ لیکن اس مخاصمت سے

بادشاہ کے خاص منصوبوں کو بڑی تقویت حاصل ہوگئی۔ درباریوں
نے اب علانیہ یہ کہنا شروع کیا کہ "اسقفوں کے روک لینے سے
یہ ثابت ہوگیا کہ کسی آزاد پارلیمنٹ کا وجود باقی نہیں رہا
ہے" انہوں نے ان سپاہیوں اور افسروں کو جمع کرنا شروع
کیا جو بہ تلاش روزگار جنگ آئرلینڈ میں بھرتی ہونے کیلئے
پھر رہے تھے اور انہیں وہائٹ ہال کے مجمع کے سامنے
لاکر کھڑا کردیا۔ اس سے اشتعال اور بڑھ گیا یہ دونوں فریق
ایک دوسرے کو طنزاً راونڈ ہیڈ اور کیویلیر کہتے تھے۔ ان کی باہمی ہنگامہ آرائیوں
سے پارلیمنٹ کو مزید خوف پیدا ہوگیا مگر چارلس پارلیمنٹ
کے لئے فوج محافظ بھیجنے سے برابر انکار کرتا رہا۔ اس نے
"اپنی شاہی عزت" کی قسم کھاکر یہ ذمہ لیا کہ وہ اپنے بچوں
کے مانند ان کی حفاظت کرے گا مگر جواب کے بعد ہی
اس کے وکیل قانونی نے دارالامرا کے روبرو حاضر ہو کر
ہمپڈن، پم، ہالس، اسٹروڈ اور ہیلرگ پر اہل اسکاٹلینڈ کے
ساتھ باغیانہ مراسلت کرنے کا الزام عائد کیا۔ ایک مسلح
پیغامبر نے دارالعوام میں آکر ان پانچوں ارکان کو گرفتار کرنا
چاہا۔ چارلس کو یہ یقین تھا کہ وہ قانونی حدود کے اندر ہے
اور دارالعوام یہ سمجھتا تھا کہ بادشاہ کا بذات خاص کسی پر
الزام لگانا ایک طرح کی خود مختارانہ زیادتی ہے جس سے
پارلیمنٹ کے نہایت ہی عزیز حقوق پامال ہوتے ہیں۔
اس کے علاوہ (بخیال دارالعوام) ان ملزمین کو جس عدالت

راؤنڈ ہیڈ و کیویلیر

کے روبرو باز پرس کے لئے طلب کیا تھا، اُسے اس معاملہ میں قانونی اختیار بھی حاصل نہیں تھا۔ دارالعوام نے صرف یہ وعدہ کیا کہ وہ اس مطالبہ پر غور کریگا اور سپاہ محافظ کے لئے پھر درخواست کی۔ بادشاہ نے کہا کہ "میں کل جواب دونگا"

۴ جنوری ۱۶۴۲ء

دوسرے روز اُس نے وہائٹ ہال کے گرد جمع شدہ معززین کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور ملکہ سے بغل گیر ہوکر کہا کہ "وہ ایک گھنٹے کے اندر اپنے ملک کا مالک ہوکر واپس آتا ہے" جب وہ محل سے نکلا تو شاہی سپاہیوں کا ایک غول اُس کے ساتھ ہولیا اور جب وہ اپنے بھانجے والی پیلٹینٹ کے ہمراہ دارالعوام کے اندر گیا تو یہ غول وسٹ منسٹر ہال میں ٹھیرا رہا۔ اُس نے اسپیکر کو مخاطب کرکے کہا "تھوڑی دیر کیلئے اپنی کرسی مجھے دیدیجئے"، مگر جب اُس نے اس جگہ کو خالی دیکھا جہاں پم بالعموم بیٹھا کرتا تھا تو وہ کچھ گھبراکر رک گیا۔ اصل یہ ہے کہ اس کی آمد کی خبر پاکر دارالعوام نے ان پانچوں اراکین کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیدیا تھا چارلس نے دھیمی آواز سے رک رک کر کہا کہ "معززین، مجھے ان اسباب کا افسوس ہے جنکی وجہ سے میں یہاں آیا، کل مین نے ایک پیامبر کو بہت ضروری کام سے بھیجا تھا کہ وہ اُن لوگوں کو حاضر کرے جن پر میرے حکم سے بغاوت کا الزام لگایا گیا ہے۔ مجھے اس کے جواب میں کسی پیغام کی نہیں بلکہ تعمیل حکم کی توقع تھی" اُس نے کہا کہ

غداری کے بعد کوئی استحقاق خاص باقی نہیں رہتا اور اس لئے میں خود آیا ہوں کہ دیکھوں کہ ان ملزمین سے کوئی یہاں ہے یا نہیں"۔ سب طرف خاموشی چھاگئی۔ آخر چارلس نے خود ہی پھر کہا کہ" وہ جہاں کہیں ہوں انہیں میرے حضور میں آنا چاہئے"۔ یہ کہکر وہ ٹھیر گیا مگر خاموشی بدستور قائم رہی تب اُس نے بلند آواز سے پوچھا کہ" آیا مسٹر پم یہاں ہیں"۔ جب اُس کا بھی کچھ جواب نہ ملا تو اُس نے اسپیکر کی طرف مخاطب ہوکر دریافت کیا کہ وہ پانچوں اراکین یہاں موجود ہیں یا نہیں۔ لنتھال نے گھٹنوں کے بل جھک کر کہا کہ" اس ایوان میں نہ آنکھ میری ہے، نہ زبان میری، اراکین کی جو مرضی ہو اس کی تعمیل میرا فرض ہے"۔ چارلس نے غصے سے جواب دیا کہ" خیر کچھ مضایقہ نہیں۔ میری آنکھ بھی دوسروں ہی کی سی تیز ہے"۔ اُس نے غور سے ہرطرف نگاہ دوڑائی لوگ بدستور ساکت و صامت رہے۔ آخر اُس نے کہا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ وہ سب چڑیاں اڑ گئی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ جسوقت یہاں واپس آویں گے تم فوراً ہی انہیں میرے پاس بھیجدو گے"۔ اُس نے یہ بھی کہدیا کہ اگر دارالعوام اپنی خوشی سے انہیں نہ بھیجے گا تو وہ خود اُنہیں تلاش کریگا۔ آخر میں اُس نے یہ بھی جتا دیا کہ وہ کسی قسم کا جبر و تشدد نہیں کرنا چاہتا۔ ایک شاہد اپنا چشم دیدہ حال لکھتا ہے کہ" دارالعوام میں جس پریشانی و غصے کے ساتھ

وہ آیا تھا جاتے وقت اُس سے زیادہ مضطر و برافروختہ تھا۔"

قرب جنگ

اگر یہ پانچوں ارکان غیر حاضر نہ ہو جاتے اور دارالعوام پروقار سکون سے کام نہ لیتا تو بادشاہ کی اس مداخلت ناروا کا انجام خونریزی پر ہوتا۔ وہائٹ لاک اس وقت موجود تھا وہ لکھتا ہے کہ "اگر بادشاہ ان اراکین کو وہاں پاجاتا اور اپنے سپاہیوں کو اُن کی گرفتاری کے لئے بلاتا تو یقیناً ارکان دارالعوام اُن کے بچانے کی کوشش کرتے اور اس کا نتیجہ نہایت ہی برا نکلتا۔" یہ ممکن نہ تھا کہ انگلستان کے اعلیٰ خاندانوں کے پانچسو معززین چپ چاپ دیکھا کرتے اور وہائٹ ہال کے اوباش خود پارلیمنٹ میں آکر اُن کے سرگروہوں کو گرفتار کرلے جاتے۔ لیکن چارلس اس خطرے کو نہیں سمجھتا تھا۔ ان پانچوں اراکین نے شہر میں پناہ لی تھی اور دوسرے روز بادشاہ نے بذات خاص گلڈہال میں آلڈرمن (بزرگان شہر) سے اُن کے حوالہ کردینے کا مطالبہ کیا۔ جب وہ وہاں سے واپس ہوا تو سڑکوں پر ہر طرف "استحقاقات! استحقاقات" کی آوازیں بلند ہورہی تھیں۔ ان اراکین کی گرفتاری کے لئے جو احکام جاری کئے گئے تھے، ناظمان صوبجات نے اُن کی کچھ پرواہ نہ کی اور چار روز بعد جب اُن کے غدار ہونے کا اعلان کیا گیا تو اُس پر بھی کسی نے کچھ خیال نہ کیا۔ جماعت حامیان شاہی خوف زدہ ہوکر وہائٹ ہال سے نکل گئی اور چارلس گویا بالکل اکیلا رہ گیا۔ اُسکی اس نازیبا دست درازی کے باعث اُس کے پارلیمنٹ کے نئے

دوست اس سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور اس کے وزرا فاکلینڈ اور کولپیپر (جنہیں اُس نے اپنے نئے دوستوں سے منتخب کیا تھا) اس کے شریک نہیں رہے تھے، لیکن باوجود اسس تنہائی کے بھی چارلس لڑنے پر آمادہ تھا۔ شمال میں ایک شاہی فوج جمع کرنے کے لئے ارل نیوکیسل کو روانہ کیا گیا۔ دسویں جنوری کو یہ خبر ملی کہ وہ پانچوں اراکین شان و شوکت کے ساتھ وسٹ منسٹر کو واپس آنے والے ہیں۔ چارلس پر اس خبر کا یہ اثر ہوا کہ وہ وہائٹ ہال کو چھوڑ کر ہمپٹن کورٹ اور ونڈسر کو چلا گیا۔ ادہر لندن اور ساؤتھورک کے تربیت یافتہ دستوں اور لندن کے ملاحوں نے یہ حلف اٹھائے کہ "وہ پارلیمنٹ، سلطنت اور بادشاہ کی حفاظت کریں گے"، اور پم اور اُس کے رفقا کو ٹیمز میں سے گزار کر دارالعوام میں لے آئے اُدھر ملکہ سامان جنگ کی خریداری کے لئے شاہی جواہرات لیکر ڈوور سے روانہ ہوگئی "شہ سوار"، حامیان شاہی پھر بادشاہ کے گرد جمع ہو گئے اور بادشاہ کے جانبدار مطابع نے ہائیڈ کے مرتب کئے ہوئے سرکاری کاغذات کا ایک سیلاب تمام ملک میں بہا دیا۔

جنگ کی تیاری

پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے یہ ارادہ کیا کہ سلطنت کے بڑے بڑے سلاح خانوں (ہل، پورٹسمتھ اور ٹاور) کو اپنے قبضے میں کرلے بکنگھم شایر اور کنٹ کے زینداروں کے جلوس گھوڑوں پر سوار سنٹ اسٹیون (ایوانہائے پارلیمنٹ) کو جاتے ہوئے لندن کے اندر سے ہوکر گزرے۔ ان لوگوں نے پارلیمنٹ کے

ساتھ مرنے جینے کی قسم کھائی تھی۔ دارالعوام کی نئی حیثیت کے متعلق پِم کے دلیرانہ اعلان سے دارالامرا خوفزدہ ہوکر اپنے طرز عمل سے باز آگیا تھا۔ پِم نے علانیہ یہ کہدیا تھا کہ "سلطنت کے بچانے میں دارالعوام آپکی (دارالامرا کی) تائید و مدد کو بخوشی قبول کریگا لیکن اگر دارالامرا نے امداد نہ دی تو دارالعوام اپنے ادائے فرائض میں ہمت نہ ہارے گا۔ سلطنت رہے یا جائے مگر دارالعوام کو اس امر کا افسوس ضرور ہوگا کہ آئندہ نسلیں یہ کہیں گی کہ ایسے خطرناک و مشکل وقت میں سلطنت کے بچانے کے لئے دارالعوام کو بمجبوری تنہا کارروائی کرنا پڑی"۔ پِم کے ان الفاظ کا اثر اس سے ظاہر ہوا کہ دارالامرا نے اپنے اراکین میں سے اساقفہ کے خارج کرنے کا قانون منظور کرلیا مگر سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ قوم سے مسلح آدمی مہیا کئے جائیں اور اس معاملے میں دونوں جانب کو مشکلات درپیش تھیں۔ شاہان ٹیوڈر نے یہ رسم نکالی تھی کہ وہ بذات خاص فوج جمع کرتے تھے ورنہ اُن سے قبل بادشاہ کو فی نفسہ یہ اختیار نہیں تھا کہ بحالی امن یا غیر ملکی حملے کی مدافعت کے سوا اور ضرورتوں کے لئے عام طور پر رعایا کو ہتیار اٹھانے کے لئے بلا سکے۔ شاہان ٹیوڈر کے اس فعل پر دارالعوام میں ایک مباحثہ کے دوران میں اعتراض بھی ہوچکا تھا مگر اس کے ساتھ ہی کوئی شخص یہ دعوی بھی نہیں کرسکتا تھا کہ بغیر بادشاہ کے ایوان ہائے پارلیمنٹ

نے محض اپنے اختیار سے کبھی فوج جمع کی ہو اور چارلس ایک
ایسی ملیشیا (محافظ ملک فوج) کی منظوری دینے سے برابر انکار
کر رہا تھا جس کے عہدہ دار ہر صوبے میں وہی لوگ ہوں
جو پارلیمنٹ کے جانبدار ہیں، اس لئے دونوں فریق میں سے
کسی فریق نے بھی آئینی نظائر کی پروا نہیں کی۔پارلیمنٹ نے
اپنے حکم سے ملیشیا کی ترتیب کے لئے لارڈ لفٹننٹ (سپہ سالار)
مقرر کر دیئے اور چارلس نے شاہی حکم سے فوج جمع کرنا شروع
کر دی، بادشاہ کو بہت بڑی مشکل ہتیار کے مہیا کرنے کی تھی۔ وہ
۲۳۔اپریل کو یکایک شمال کے سلاح خانے ہل کے سامنے جا پہنچا
اور اندر جانا چاہا مگر سلاح خانے کا مہتمم سرجان ہوتھم اُسکے
سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑا مگر دروازے اُسکے کھولنے سے
انکار کیا۔پارلیمنٹ نے جب اُس کے اُس فعل پر اپنی پسندیدگی
ظاہر کی تو شاہی فریق کے ارکان اپنی جگہوں سے اٹھ گئے۔
فاکلینڈ، کولپیپر، ہائیڈ بائیس امرا اور ساٹھ ارکان دارالعوام کے
ساتھ یارک میں چارلس سے جا ملے۔اُن کے بعد لٹلٹن (محافظ مہر شاہی)
سلطنت کی مہر لئے ہوے وہاں پہنچ گیا۔انہوں نے کوشش
کی کہ بادشاہ کی جنگی تجاویز کو روکیں، ملک کی عام مخالفت نے بھی
اُن کی اس کوشش کی تائید کی۔چارلس نے یارکشائر کے زمینداروں
کا ایک بہت بڑا جلسہ ہیورتھ مور میں منعقد کیا تھا۔ اسکا
انجام یہ ہوا کہ اُن لوگوں نے یہ درخواست کی کہ پارلیمنٹ سے
مصالحت کر لی جائے۔یونیورسٹیوں اور شاہی فریق کے امرا نے

ابتدائے

اپنے نقرئی برتن تک نذر کر دئے مگر نئی فوج کے ہتیار و مصارف کی ضرورت پوری نہو سکی۔ دوسری طرف ان حامیان شاہی کے نکل جانے سے ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ کا اتحاد اور قوی ہوگیا۔ ملیشیا بہت جلد بھرتی ہوگئی۔ لارڈ واروک بیڑے کی کمان کے لئے نامزد کیا گیا، شہر میں ایک قرضہ کھولدیا گیا جس میں عورتوں نے اپنی رسم عقد کی انگھوٹیاں تک دیدیں، استعمال قوت کی دہمکی سے ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ کا لہجہ سخت ہوگیا تھا۔ اُن کی آخری تجویز یہ تھی کہ شاہی وزرا کی تقرر و برطرفی، بادشاہ کے بچوں کے اتالیقوں کی نامزدگی اور ملکی و مذہبی و فوجی معاملات کی نگرانی سب ان کے اختیار میں دیدی جائے۔ چارلس نے اسکا یہ جواب دیا کہ "اگر میں تمہارے ان مطالبوں کو منظور کرلوں تو پھر میں محض شاہ شطرنج رہجاؤں گا"

جزو ہفتم

خانہ جنگی

جولائی سنہ ۱۶۴۲ء بغایت اگست سنہ ۱۶۴۶ء

(**اسناد**۔ جن کتابوں کا پہلے ذکر ہوچکا ہے انہیں کتب ذیل کو بھی شریک کرسکتے ہیں (۱) سوانحعمری ریوپرٹ مصنفہ واربرٹن (۲) سوانحعمری فیرفیکس مصنفہ مسٹر کلیمنٹس مارکھم (۳) فیرفیکس کے مراسلات اور (۴) لڈلو کا تذکرہ۔ اسپرگ کی کتاب (Anglia Rediviva) "انگلستان کی تجدید حیات" سے "عساکر جدیدہ" (New model) کے حالات اور انکی کارروائیاں معلوم ہوتی ہیں۔ کرامول کے متعلق سب سے زیادہ مستند کتاب مسٹر کارلائل کی تالیف کردہ "سوانحعمری وخطوط" (Life & Letters) ہے اسمیں تحریرات کا ایک بیش بہا ذخیرہ جمع کیاگیا ہے جس میں ایک ماہر آثار قدیمہ کی سی جستجو وتلاش اور ایک شاعر کی سی جدت طرازی دونوں پائیجاتی ہیں اس زمانے پر پہنچ کر کلیرنڈن کی کتاب کی قدر بڑھجاتی ہے اور اس سے کارنوال کے بغاوت کی کیفیت بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے)

ایجہل

گفت وشنود کے منقطع ہوجانے کے بعد دونوں فریق نے فوری جنگ کیلئے تیاریاں شروع کردیں۔ پارلیمنٹ نے اپنی کارکن جماعت کے طور پر ایک "مجلس" حفاظت عامہ قائم کی تھی۔ ہیمپڈن پم اور ہولس

اس کمیٹی کے روح و رواں تھے ۔ انگریزی و اسکاٹلینڈ عہدہ داران فوج ندرلینڈز سے بلائے گئے تھے اور لارڈ ایسکس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا ۔ فوج کی تعداد بہت جلد بیس ہزار پیدل اور چار ہزار سواروں تک پہنچ گئی ۔ پارلیمنٹ کی جانب اعتماد بہت بڑھا ہوا تھا ۔ پہلے مقابلے کے بعد بیکسٹر نے یہ اعتراف کیا کہ ہم سب کا خیال یہ تھا کہ "ایک ہی جنگ میں فیصلہ ہو جائے گا" کیونکہ بادشاہ کے پاس روپیہ و ہتیار بالکل نہیں تھا اور باوجودیکہ اسنے فوج کے بھرتی کرنے میں بہت سخت کوشش کی پھر بھی اسے اپنے ہی ساتھیوں سے دشواری پیش آئی کیونکہ یہ لوگ لڑنے سے جان چُراتے تھے ۔ لیکن خود چارلس لڑنے کا عزم کر چکا تھا' اسنے ناٹنگھم میں علم شاہی بلند کر دیا۔ "شام کا وقت تھا اور تمام دن طوفانِ بادوباران جاری رہ چکا تھا" ملک نے اسکے حسب خواہش کوئی جواب نہیں دیا ۔ دوسری طرف ایسکس جب لندن سے روانہ ہوا ہے تو ایک مجمع عظیم اسے خیرباد کہنے کیلئے جمع ہو گیا تھا' ایسکس نے نارتھمپٹن میں اپنی فوج فراہم کی' پارلیمنٹ سے اسے یہ حکم ملچکا تھا کہ "وہ بادشاہ کے عقب میں جائے اور جنگ سے یا جسطرح ممکن ہو اسے اسکے دغاباز مشیروں سے چھوڑا کر پارلیمنٹ میں لے آئے" ۔ چارلس کے پاس ایک مٹھی بھر آدمی تھے ۔ اگر سواروں کے چند دستے اسیوقت یورش کرکے آجاتے تو جنگ کا خاتمہ ہو جاتا مگر ایسکس واقعی جنگ کرنے سے جھجکتا تھا ۔ اسے یہ یقین تھا کہ محض اپنی قوت کے اظہار سے وہ بادشاہ کو دبا دیگا ۔ چارلس جب پیچھے ہٹکر شروسبری پر آرہا تھا تو ایسکس نے بھی اور مغرب کیطرف بڑھکر

۲۲ اگست

ونچسٹر پر قبضہ کرلیا۔ لیکن اب یک بیک تمام صورتِ معاملات بدل گئی
کیتھولک اور شاہ پرست بہت تیزی کے ساتھ بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے
جمع ہوگئے، اور دلیرانہ لندن کی طرف کوچ کردیا۔ اسکس کو بھی دار السلطنت
کی حفاظت کیلئے ورسٹر سے بڑھنا پڑا۔ بینبری کے قریب، میدانِ ایجہل ۲۳ اکتوبر ۱۶۴۲ء
میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آگئیں۔ یہ مقابلہ اچانک
ہوگیا تھا اور اس جنگ میں دونوں طرف کے سوار گتھ گئے۔ جنگ کے
شروع ہوتے ہی سر فیتھفل فارٹسکیو ایک پورے دستے کے ساتھ الگ ہوگیا
اور اس سے پارلیمنٹ کی فوجوں میں ابتری پھیل گئی۔ اسکے ساتھ ہی
دونوں بازوؤں پر شاہی سواروں نے دشمن کے رسالے کو میدان سے
ہٹا دیا۔ لیکن لارڈ ایسکس کی پیدل سپاہ نے بادشاہ کے قلب کی سپاہ کو
توڑ دیا اور اگر شہزادہ ریوپرٹ وقت پر اپنے دستوں کو واپس نہ لے آتا تو
چارلس گرفتار ہوجاتا یا اسے بھاگنا پڑتا۔ رات ہوجانے سے جنگ
غیر فیصل رہگئی، مگر اخلاقی نفع بادشاہ کے جانب رہا۔ ایسکس کو معلوم ہوگیا
کہ اسکے سوار شاہی سواروں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ وہ وارِک کی طرف
ہٹ گیا اور دار السلطنت کا رستہ کھلا رہگیا۔ ریوپرٹ نے اس امر پر زور دیا
کہ "فوراً ہی لندن کیطرف بڑھنا چاہئیے۔ لیکن اعتدال پسند شاہ پرستوں نے
اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ یہ لوگ جسطرح چارلس کی شکست سے
خائف تھے اسی طرح اسکی کامل فتح سے بھی ڈرتے تھے۔ اسلئے چارلس بمقام آکسفورڈ
بادشاہ فی الحال آکسفورڈ میں ٹھیر گیا جہاں بڑے زور و شور سے اسکا
استقبال کیا گیا۔ اس اثناء میں ریڈنگ کی قلعہ نشین فوج نے اپنی پست ہمتی
سے قلعہ ریوپرٹ کے سواروں کے حوالے کردیا اور اسنے جرأت کرکے

برنٹفرڈ پر بھی قبضہ کرلیا، اور شاہی فوج اسکی تائید میں عین شہرپناہ کی دیواروں کے
نیچے پہنچ گئی۔ لیکن اس وقفے میں اہل لندن کا اضطراب رفع ہوچکا تھا،
اور ایکس کی فوج کے ساتھ لندن کے تعلیم یافتہ سپاہیوں کے مجانے
سے چارلس کو پھر مجبور ہوکر اپنے پُرانے مقامات پر ہٹ جانا پڑا۔
پارلیمنٹ نے اگرچہ ایجہل کی شکست کا اثر بہت جلد مٹادیا مگر سم سرا
میں جنگ کے دائرے کے وسیع ہوجانے سے بادشاہ کا
پہلو برابر غالب رہا۔ آکسفورڈ کے حصار کے باعث صوبجات وسطی پر
اسکا قبضہ مضبوطی سے جم گیا اور شمال میں دونوں فریق کا تناسب
باہمی پلٹ گیا کیونکہ ارل نیوکیسل نے نارتھمبرلینڈ میں ایک فوج جمع کرکے
یارک پر حملہ کردیا تھا۔ اس صوبے کے پارلیمنٹ والے سرگروہ
لارڈ فیرفیکس کو وسٹ رائڈنگ کے صنعتی قصبات کیطرف پلٹنا پڑا
جہاں پیوریٹنوں نے اپنے قدم مضبوطی سے جمائے تھے۔ ملکہ کا
ہالینڈ سے سلاح جنگ لیکر آجانا شاہی فوج کی ہمت افزائی کا
باعث ہوگیا، اور اسنے اپنے ہراول کو دریائے ٹرنٹ کے پار اُتاردیا
جس سے مشرقی صوبے جو پارلیمنٹ کی جانبداری میں بہت مستقل تھے
خطرے میں پڑگئے۔ ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ کی پُرزور کوششوں سے
معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا دباؤ کسقدر پڑرہا تھا۔ موسم بہار میں جو
مراسلت جاری تھی اسکا سلسلہ اس پُرانے مطالبے کی وجہ سے
منقطع ہوگیا کہ بادشاہ کو پارلیمنٹ میں واپس آنا چاہیے۔ لندن بطرح
محفوظ کرلیا گیا اور پارلیمنٹ کے حامی اضلاع پر بیس لاکھ پونڈ سالانہ کا
محصول لگایا گیا۔ ایکس کی فوج کا سازو سامان ازسرنو درست کیا گیا

فروری ۱۶۴۳ء

اور اسے آکسفورڈ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ بادشاہ خود مغرب کیطرف ہٹنے پر تیار تھا مگر پھر بھی ارل اپنی ناآزمودہ فوج کو خطرہ جنگ میں ڈالنے سے پس و پیش کرتا رہا۔ اسنے صرف ریڈنگ پر قبضہ کرلیا اور ایک مہینے تک بیکار برل کے گرد خیمہ ڈالے پڑا رہا۔

کارنوال کی بغاوت

بیماری کیوجہ سے ایسکس کے سپاہیوں کی تعداد کم ہوگئی تھی اور شاہ پرستوں کے اچانک حملے بھی ہوتے رہے، لامحالہ یوماً فیوماً بادشاہ کا پلہ بھاری ہوتا چلا جاتا تھا۔ ایسکس کی سستی کے باعث چارلس کو موقع ملگیا کہ وہ مغرب کے شاہ پرستوں کی بغاوت کو تقویت دینے کیلئے اپنی چھوٹی سی فوج کا ایک حصہ آکسفورڈ سے مغرب کو بھیجدے۔ اہلِ کارنوال نے جس بہادری و شرافت سے بادشاہ کی جانبداری میں حصہ لیا اسکی نظیر کسی دوسری جگہ نہیں ملسکتی۔ کارنوال انگلستان کی عام زندگی سے بالکل الگ تھا، اس علیحدگی کا باعث صرف اختلاف نسل و زبان ہی نہیں تھا بلکہ وہاں کے لوگوں کا جاگیری خیال بھی اسکا سبب تھا۔ وہ اپنے مقامی سرداروں کےساتھ اسی وفاداری کا برتاؤ کرتے تھے جو کلٹ قوم کی خصوصیت تھی اور بادشاہ کے ساتھ وفاداری کو اپنی اس وفاداری کا معیار سمجھتے تھے۔ اسوقت تک انہوں نے صرف یہ کیا تھا کہ جنگ کا اثر اپنے صوبے کے اندر نہیں آنے دیا تھا۔ لیکن لارڈ اسٹیمفرڈ کے تحت میں پارلیمنٹ کی ایک چھوٹی سی فوج کے لانسٹن پر حملہ کرنے سے ان لوگوں نے بھی عملی کارروائی شروع کردی۔ اہل کارنوال کی ایک مختصر سی جماعت سربیول گرنیول کے سے شجاع شخص کی ماتحتی میں

مئی ۱۶۴۳ء

جمع ہوگئی۔ "ان لوگوں کی پریشان حالی کی یہ کیفیت تھی کہ اعلیٰ عہدہ داروں
کو صرف ایک بسکٹ یومیہ میسّر آتا تھا" اور ان کی فوج کے پاس گویا
مٹھی بھر بارود تھی۔ مگر شداید گرسنگی اور قلّت تعداد کے باوجود
یہ لوگ اسٹریٹن کی پہاڑی کی بلندیوں سے پار اتر گئے اور تلواریں
ہاتھ میں لیکر اسٹیمفرڈ کو ایکزٹر کی طرف بھگا دیا۔ اسکے دو ہزار آدمیونکا
نقصان ہوا اور رسد اور سامان کی گاڑیاں سب ضایع ہوگئیں۔
شاہی سپہ سالاروں میں سر رالف ہاپٹن سب سے زیادہ قابل سپہ سالار تھا
شاہی فوج جب سمرسٹ میں بڑھی اور جنگ کا زور مغرب کیطرف ہوا
تو اسی سپہ سالار نے شاہی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی ایسیکس نے
اس فوج کے روکنے کیلئے ایک منتخب فوج سر ولیم والر کے تحت میں
روانہ کی لیکن وہ ابھی باتھ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ سمرسٹ ہاتھ
سے نکل گیا اور ارل کارنوال نے اسکی توپوں کے سامنے سینہ سپر
ہوکر اسے لینسڈاون ہل کے سے مضبوط مقام سے ہٹادیا۔ لیکن
اس سخت جنگ میں فاتحوں کے سرگروہوں کا نقصان ہوگیا۔ ہاپٹن
زخمی ہوا اور گرینول مارا گیا۔ اسکے تھوڑے ہی زمانے بعد برسٹل
کے محاصرے میں ارل کارنوال کی اس چھوٹی سی فوج کے دو اولو
نامور سردار سر نکولس سلیننگ اور سر جان ٹریونین کام آگئے۔ "یہ دونو
ابھی نوجوان تھے، انکی عمریں اٹھائیس برس سے زیادہ نہیں تھیں
ان میں آپس میں بھی گہری دوستی تھی اور دونوں بیول گرینول کے
بھی دوست تھے"۔ والر کو اگرچہ شکست ہوگئی تھی مگر جب
ان لوگوں کی تھکی ماندی فوج حصول امداد کیلئے آکسفورڈ کی طرف

بڑھی تو وہ ان کے پیچھے لگ گیا اور بالآخر اسکے پیدل حصے کو ڈیوائزز میں
گھیر لیا۔ لیکن شاہی سوار والر کی صفوں کو توڑ کر نکل گئے اور چارلس
نے جو فوج انکی امداد کیلئے روانہ کی تھی اسے ساتھ لیکر پھر پلٹے
اور والر کی فوج کو بالکل ہی پاش پاش کر دیا اور راونڈوے ڈاؤن پر
ایک نئی فتح حاصل کی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کارنوال کی اس بغاوت سے
جنگ کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ملکہ شمال کی فوج سے چارلس
کو برابر تقویت پہنچا رہی تھی اور اسنے دوبارہ لندن پر بڑھنے کا
عزم کر لیا تھا۔ وہ ابھی اس تیاری ہی میں تھا کہ ریوپرٹ نے آکسفورڈ
سے نکلکر پارلیمنٹ کی فوج پر ایک دلیرانہ یورش کردی اور میدان
چالگروو میں ہیمپڈن کے سواروں کی ایک جماعت سے اسکی
مڈبھیڑ ہوگئی۔ جنگ کا خاتمہ شاہ پرستوں کی کامیابی پر ہوا۔ لوگوں نے
دیکھا کہ ہیمپڈن بالکل خلاف معمول جنگ کے ختم ہونے کے
قبل ہی گھوڑے پر سوار چلا جا رہا ہے، اسکا سر جھکا ہوا تھا اور
دونوں ہاتھ گھوڑے کی گردن پر رکھے ہوئے تھے۔ درحقیقت
اسے کاری زخم لگا تھا اور جس کام سے اسے اسقدر الفت تھی
اسکے لئے یہ موت بدشگونی معلوم ہوتی تھی۔ تباہی پر تباہی پیش آنے لگی۔
ایسکس کا خیال صلح کی جانب بڑھتا جا رہا تھا وہ آکسبرج کیطرف
ہٹ آیا، برسٹل نے خود کو بزدلانہ طور پر ریوپرٹ کے حوالہ کر دیا
سلطنت میں باعتبار اہمیت یہ دوسرا شہر تھا، اس پر قابض ہو جانے
سے چارلس تمام مغربی حصے کا مالک ہوگیا۔ یہ خبر پارلیمنٹ کیلئے
حکم "موت سے کم نہ تھی" امرا نے صلح کی تجاویز کے علاوہ اور

ہیمپڈن کی موت

کسی امر پر گفتگو نہیں کی۔ لندن میں خود تفرقہ پڑگیا۔ اہل ثروت شہریوں کی بیویوں کا ایک بڑا مجمع دارالعوام کے دروازے پر جمع ہوگیا اور صلح کیلئے شور مچانے لگا۔ وسٹ منسٹر میں جو چند اُمرا باقی رہ گئے تھے، ان میں سے بھی چھ امیر آکسفورڈ کو بھاگ گئے اس سے پارلیمنٹ کی کامیابی کی طرف سے ایک عام مایوسی پیدا ہوگئی۔

عہد و میثاق

لیکن اسی زمانے سے پارلیمنٹ کے سرگروہوں کے عزم نے بتدریج جنگ کی نوعیت بدلنا شروع کردی۔ اگر ہیمپڈن نہیں رہا تھا تو پم موجود تھا۔ اور دارالعوام نے اپنے طرزعمل سے اس جلیل القدر سرگروہ کے خیال کو صحیح ثابت کردیا' والر جب راونڈوے ہل سے واپس آیا ہے تو اس کا استقبال اسطرح کیاگیا "گویا وہ بادشاہ کو اپنے ساتھ قید کرلایا ہے"۔ ایک نئی فوج لارڈ منچسٹر کے تحت میں متعین کیگئی تھی کہ نیوکیسل کو شمال کیطرف نہ بڑھنے دے۔ مگر مغرب کا خطرہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ شہزادہ موریس اپنے بھائی ریوپرٹ کیطرح برابر کامیابی حاصل کرتا جارہا تھا اور بارن اسٹپل اور ایگزیٹر کو فتح کرکے اسنے ڈیون پر بادشاہ کا تسلط جمادیا تھا۔ اب شمال اور افواج مقیم برسٹل کے درمیان سلسلہ قائم ہوجانے میں صرف گلوسٹر حائل تھا۔ چارلس اس شہر کی طرف بڑھا اور اسے یقین تھاکہ شہر بہت آسانی کے ساتھ مطیع ہوجائے گا مگر شہر کی دلیرانہ مقاومت کو دیکھکر ایسکس اسکی امداد پر آمادہ ہوگیا۔ شہر میں صرف ایک پیپہ بارود کا رہ گیا تھا

۶ ستمبر

کہ ارل کے آجانے سے چارلس کو محاصرہ اُٹھانا پڑا۔ نیوبری کے قریب ایک غیر فیصل جنگ ہونے کے بعد پیوریٹنی فوج پھر لندن کیطرف سرکنے لگی۔ لارڈ فاکلینڈ اس جنگ میں کام آیا اور مرتے دم برابر اسکی زبان سے "صلح صلح" کے الفاظ نکلتے رہے۔ اس جنگ میں لندن کے نوآموز سپاہیوں نے اپنے نیزوں سے ریوپرٹ کے سواروں میں ہل چل ڈال دی تھی۔ معاملات اب اس حد پر آگئے تھے کہ ایک بڑی فتح کے سوا اور کوئی شئے بادشاہ کو بچا نہیں سکتی تھی جسروز ایسکس کامیاب ہوکر واپس آیا ہے اسی روز "عہدو میثاق" مرتب ہوا ہے۔ پم نے یہ عزم کرلیا تھا کہ اس مذبذب حالت کا فیصلہ اسکاٹلینڈ کی تلوار سے کرے۔ پارلیمنٹ کے نازک‌ترین وقت میں اسنے سرہیری وین کو اڈنبرا بھیجا کہ وہ اسکاٹلینڈ کی مدد کے شرائط طے کرے۔ ان شرائط میں پہلی شرط یہ تھی کہ "مذہب میں اتحاد" ہوجائے۔ بالفاظ دیگر کلیسائے انگلستان طریق پرسبٹرین کو قبول کرے۔ دارالعوام میں حکومتِ کلیسا کے متعلق شروع شروع میں جو مباحث ہوئے تھے، ان کے بعد سے حالات میں اسقدر تیزی کیساتھ تغیر ہوگیا تھا کہ اس قسم کا کوئی نہ کوئی انتظام لابد ہوگیا تھا۔ تمام اساقفہ اور پادریوں کا بیشتر حصہ بادشاہ کا جانبدار تھا، ان لوگوں کو "تقصیروار" قرار دیکر ان کی جگہوں سے علیحدہ کیا جارہا تھا۔ ملک کے مذہبی حالات کے اعتبار سے اشد ضرورت تھی کہ کلیسائی حکومت کا کوئی نیا طریقہ قائم کیا جائے اور اگرچہ پم اور دوسرے سربرآوردہ مدبرین ابتک

اسکاٹلینڈ سے اتحاد

اسی خیال میں تھے کہ اعتدال کے ساتھ حکومت اساقفہ کو قائم
رکھنا چاہئے مگر طریق پریسبٹیرین کی روزافزوں ترقی اور اس سے
زیادہ جنگ کی ضرویات نے انہیں مجبور کردیا تھا کہ اسکاٹلینڈ کے
نمونے پر کلیسا کا انضباط قائم کریں۔ ادہر اسکاٹلینڈ اپنی جگہ پر
یہ سمجھتا تھا کہ خود اسکی حفاظت کیلئے پارلیمنٹ کی فتحمندی ضروری ہے
اور وین کے محتاط وعاجلانہ نامہ وپیام میں جو مشکلات درپیش تھے
وہ خود بادشاہ کے طرزعمل سے رفع ہوگئے۔ جس طرح پارلیمنٹ
اپنی مدد کیلئے شمال کیطرف نظر لگائے ہوئے تھی، اسی طرح
چارلس کو آئرلینڈ کے باغیوں سے اپنی معاونت کی توقع تھی،
ان کے قتل عام کے باعث انگلستان میں ان کے متعلق انتقام
ونفرت کا اسقدر جوش پیدا ہوگیا تھا کہ اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔
مگر چارلس انہیں اپنی بساط تدبیر کے مہرے سمجھتا تھا۔ آرمنڈ کی
فوج ابتک انکی بغاوت کے روکنے میں مشغول تھی مگر اب "ان
متفقہ کیتھولکوں سے عارضی صلح ہوجانے سے اسے آزادی
ملگئی کہ وہ انگلستان میں آکر بادشاہ کی خدمت کرسکے۔ کیتھولکونکی
مدد کے دعوے سے چارلس بخیال خود یہ سمجھتا تھا کہ وہ اڈنبرا
کی حکومت کو بھی مغلوب کرسکتا ہے، چنانچہ آئرلینڈ کے کیتھولکو
سے بہت جلد اس امر میں خط وکتابت شروع ہوگئی کہ وہ انگلستان
میں اترکر ہالینڈ کی بغاوت میں مانٹروز کو مدد دیں۔ بادشاہ کے
تجاویز میں سے کوئی تجویز بھی اسکے مقصد کیلئے اس سے
زیادہ مہلک نہیں ثابت ہوئی۔ جسوقت اسکے اس ارادے کی

سنہ ۱۶۴۳ء

افواہ پھیلی ہے خود اسکی فوج کے عہدہ داروں نے اپنے عہدوں سے کنارہ کرنا شروع کردیا۔ امرا جو آآکر آکسفورڈ میں جمع ہوئے تھے لندن کو واپس جانے لگے اور خود پارلیمنٹ کے اندر بادشاہ کی ہواخواہی کے جو خیالات پیدا ہورہے تھے وہ بھی یکایک غائب ہوگئے

۵ ار ستمبر

اسکاٹلینڈ نے اپنی حفاظت کی فکر میں پڑکر "عہد و میثاق" پر دستخط کرنے میں عجلت کی۔ دارالعوام کے اراکین نے سنٹ مارگیرٹ کے گرجا میں ہاتھ اٹھا اٹھاکر اس پر قائم رہنے کی قسم کھائی۔ انہوں نے اس امر کا ذمہ لیا کہ "تینوں سلطنتوں کے گرجوں کو مذہب، اعتقاد، طریق حکومت، عبادت، ومواعظ میں جہاں تک ہوسکیگا ایک دوسرے کے مثل ومتحد کردیں گے اور ہم اور ہمارے بعد کی نسلیں مذہب اور محبت کے اعتبار سے آپس میں بھائیوں کی سی زندگی بسر کرینگی۔ خداوند ہمارا ساتھ دینے سے خوش ہو! ہم پوپ کے اثر، مقتدایان دین کے اقتدار، توہمات، تفرقہ اندازی اور بدکاری کو مٹادینگے، پارلیمنٹ کے حقوق وامتیازات اور سلطنت کی آزادی کو قائم رکھینگے، کلیسا وسلطنت کی اصلاح سے مخالفت کرنے والوں اور اس کے بدخواہوں کو سزادینگے، اور دونوں سلطنتوں کی صلح واتحاد کو ہمیشہ کیلئے مستحکم کردینگے"۔ اس عہد و میثاق کے ہوچکنے کے بعد قومی گناہ کا دلی اعتراف کیاگیا اور ان الفاظ میں اصلاح کا حلف اٹھایا گیا کہ "ہماری سچی وصاف، خواہش اور ہماری اصلی غرض وکوشش یہ ہے کہ ہم خود اور وہ تمام لوگ جو خانگی اور سرکاری طور پر ہمارے اختیار واثر میں ہوں اپنے حالات کو

انگلستان نے "عہد و میثاق" کی قسم کھائی

درست کریں اور حقیقی اصلاح کے ذریعہ سے ہر ایک دوسرے کیلئے مثال بننے میں سبقت کرے"۔

مارسٹن مور

اسی عہدو میثاق کا سرانجام پم کا آخری کام تھا۔ اسکے بعد ہی دسمبر میں اسکا انتقال ہوا، اور جنگ کی کارروائی اور غیر ملکی معاملات کی نگرانی کا کام "دونو سلطنتوں کی کمیٹی" کو سپرد ہوا۔ اس کمیٹی نے پوری کوشش کی کہ سال آئندہ کیلئے پم نے جو تجاویز قائم کئے تھے انہیں عمل میں لایا جائے۔ ان تجاویز کی وسیع الاثری سے پم کی حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت ملتا ہے۔ تین زبردست فوجیں جن میں پچاس ہزار آدمی شامل تھے آئندہ مہم کے لئے تیار کیگئی تھیں۔ مرکزی فوج ایسکس کے تحت میں دیگئی تھی اور اسے یہ کام سپرد ہوا تھا کہ وہ آکسفورڈ میں بادشاہ پر نظر رکھے دوسری فوج بماتحتی والر مغرب میں شہزادہ موریس کے روکنے پر متعین ہوئی تھی۔ شرقی صوبوں نے اپنے جوش میں ایک تیسری فوج چودہ ہزار آدمیوں کی تیار کی تھی، اسے لارڈ منچسٹر کی ماتحتی میں دیا گیا تھا تاکہ وہ یارکشائر میں سر ٹامس فیرفیکس کے ساتھ کام کرنے کیلئے تیار رہے۔ اس فوج کے سرگروہوں میں کرامویل کا نام خاص طور پر نمایاں ہو رہا تھا۔ اسکاٹلینڈ کی فوج الگزنڈر لزلی لارڈ لیون کی سرکردگی میں شدت برف و سرما کے باوجود جنوری میں سرحد کو عبور کر آئی اور اسکے روکنے کیلئے نیوکیسل کو بہ تعجیل تمام شمال کیطرف کوچ کرنا پڑا۔ نیوکیسل کی روانگی سے فیرفکس کو آزادی ملگئی اور اسنے آئرلینڈ کی اس انگریزی سپاہ پر حملہ کردیا

جو چسٹر میں اُتری تھی اور اسے کاٹ کر رکھدیا۔ پھر سلبی کو سر کرنے کیلئے اسی عجلت سے پیچھے پلٹ آیا۔ عقب کے خطرے نے نیوکیسل کو واپس آنے پر مجبور کردیا۔ ڈرہم میں اہل اسکاٹلینڈ سے مقابلہ ہونے کے بعد وہ یارک میں آگیا اور یہاں فیرفیکس اور اسکاٹلینڈ کی فوجوں نے اسے گھیرلیا۔ پم کی تجاویز میں اب بہت تیزی کیساتھ ترقی ہونے لگی۔ ایک طرف مینچسٹر متفقہ صوبجات کی فوجیں لیکر بڑھا تاکہ یارک کی دیواروں کے نیچے فیرفیکس اور لارڈ لیون سے جاملے، دوسری طرف والر اور الیکس نے اپنی فوجیں آکسفورڈ کے گرد پھیلادیں۔ چارلس کو اب مدافعت کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ آئرلینڈ کی جس فوج پر اسے بھروسہ تھا اسکا خاتمہ فیرفیکس یا والر کے ہاتھوں پہلے ہی ہوچکا تھا اور اب یہ معلوم ہوتا تھا کہ چارلس شمال وجنوب دونوں طرف مغلوب ہوگیا ہے۔ مگر اسنے مایوسی کو پاس تک نہ آنے دیا۔ نیوکیسل کی مدد کی درخواست کے جواب میں اسنے پہلے ہی شہزادہ ریوپرٹ کو فوجیں جمع کرنے کیلئے آکسفورڈ سے سرحد ویلز پر بھیجدیا تھا۔ چارلس کا یہ جلیل القدر رفیق نیورک اور لیتھم ہاوس کے محاصروں کو توڑکر لنکاشائر کی پہاڑیوں کو قطع کرتا ہوا یارکشائر میں جا پہنچا اور پارلیمنٹ کی فوج سے بچتا ہوا بے گزند یارک میں داخل ہوگیا۔ اس غیر معمولی کامیابی نے اسے ایک دوسری جسارت پر آمادہ کردیا۔ اس نے ایک وارے نیارے کی جنگ کا عزم کرلیا۔ مارسٹن مور میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوتے ہی بندوق چلنا شروع ہوئی اور شام تک

مارسٹن مور
۲ جولائی ۱۶۴۴ء

ہرطرف ایک ابتری سی پھیل گئی - ایک جناح پر بادشاہ کے سوارونکے حملے سے دشمن کی صف ٹوٹ گئی، دوسری طرف کراموبل کے دستے نے ریوپرٹ کے سواروں پر پوری فتح حاصل کرلی - اختتام جنگ پر سپہ سالار نے لکھا تھا کہ "خدا کے فضل سے دشمنوں کو ہماری تلواروں نے گھاس کیطرح کاٹ کر رکھدیا" لیکن عین جوشِ فتح کے وقت اسنے اپنے آدمیوں کو تعاقب سے واپس بلالیا تاکہ شاہی پیدل سپاہ پر حملہ کرنے میں منچسٹر کی کمک کریں اور سواروں کے دوسرے جناح کو بھی توڑدیں جو ابھی ابھی اہل اسکاٹلینڈ کے تعاقب سے بیدم ہوکر واپس آیا تھا - ایسی شدت کی جنگ کہیں دوسری جگہ نہیں ہوئی تھی - ایک نوجوان پیوریٹن میدان میں جان توڑرہا تھا کراموبل نے جھک کر اسے دیکھا تو اسنے کہاکہ ایک صدمہ میری روح پر باقی رہ گیا ہے اور کراموبل کے استفسار پر جواب دیاکہ "خدا نے مجھے زندہ نہ رکھا کہ میں اپنے دشمنوں کو اور زیادہ قتل کرتا"۔ شام تک جنگ کا خاتمہ ہوگیا اور اس ایک ضرب سے شمال میں شاہی مقاصد برباد ہوگئے - نیوکیسل سمندر پار بھاگ گیا، یارک نے اطاعت قبول کرلی، اور ریوپرٹ چھ ہزار سواروں کے ساتھ جنوب کی طرف آکسفورڈ کو پلٹ گیا - یہ صدمہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ سخت ہوگیا کہ وہ عین اسوقت پیش آیا جب جنوب میں چارلس کے خطرات، فتوحات سے مبدّل ہورہے تھے اور اسے پے درپے نہایت شاندار اور غیر مترقب کامیابیاں حاصل ہورہی تھیں - ایک مہینے کے محاصرے کے بعد بادشاہ آکسفورڈ سے نکل گیا تھا اور

اسیکس و والر اسکے تعاقب میں جا رہے تھے۔ چارلس نے اسوقت تک انتظار کیا کہ اسیکس شہزادہ موریس پر حملہ کرنے کیلئے لایم کو چلا گیا اور اسوقت موقع پاکر اسنے بمقام کراپریڈی برج والر پر نہایت زور کا حملہ کردیا اور اسے شکست دیکر لندن کیطرف بھگا دیا۔ یہ واقعہ جنگ مارسٹن مور سے دو روز قبل واقع ہوا تھا۔ چارلس اس کامیابی کے بعد دومنزل کرتا ہوا اسیکس کے عقب میں روانہ ہوا اور اسے امید یہ تھی کہ وہ اسیکس کو اپنی اور مارس کی فوج کے درمیان میں بالکل پیس ڈالے گا۔ اسیکس سے ایک مہلک غلطی یہ ہوگئی کہ وہ کارنوال میں داخل ہوگیا حالانکہ یہ حصہ ملک اسکے خلاف تھا، بادشاہ نے اسے پہاڑیوں کے اندر گھیرلیا اور ہرطرف سے راستے مسدود کردئے، پیادہ فوج نے خودکو بادشاہ کے رحم پر چھوڑدیا البتہ سوار شاہی صف کو توڑکر نکل گئے اور خود اسیکس سمندر کے راستے سے لندن کو بھاگ گیا۔ اسی روز بادشاہ کے طرفداروں کو اسکاٹلینڈ میں بھی ایک نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مارسٹن مور میں جو کچھ ہوا ہے اسکا اثر باطل ہوجائیگا۔ آئرلینڈ کے کیتھولکوں نے چارلس کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کردیا اور اپنے سپاہیوں کو لاکر آرگائل میں اتار دیا اور حسب قرارداد سابق مانٹروز نے ہائلینڈ پہنچکر قبائل کو جنگ پر آمادہ کردیا۔ اپنی اس نئی فوج سے اسنے بمقام ٹپرمیور "میثاقیوں" کی فوج پر حملہ کردیا اور فتحیاب ہوکر پرتھ پر قبضہ کرلیا۔ ایبرڈین کو غارت کردیا اور خود اڈنبرا میں تہلکہ ڈال دیا۔ چارلس جب مغرب سے

نیوبری ۲۷ اکتوبر

واپس آیا تو اس خبر کو سنکر وہ جوش میں آگیا اور خود لندن پر حملہ کرنے کیلئے آمادہ ہوگیا - لیکن مارسٹن مور کے فاتحوں میں سے اہل اسکاٹلینڈ تو وہیں رُک گئے تھے، باقی فوجیں آگے بڑھکر چارلس کے راستے میں بمقام نیوبری جمع ہوگئی تھیں - کارنوال میں جن سپاہیوں نے اطاعت قبول کرلی تھی انہیں پھر میدانِ جنگ میں بھیجدیا تھا، اور اس سے مجتمع فوج کو اور تقویت ہوگئی تھی - شاہی سواروںکے حملے پارلیمنٹ کی صفوں کو توڑنے میں ناکام رہے اور اسیکس کے سپاہیوں نے یورش کرکے اپنی ان توپوں پر قبضہ کرلیا جنہیں وہ پہلی جنگ میں ضائع کرچکے تھے اور شان کے ساتھ ان توپوں کو اپنی صفوں میں واپس لاکر اپنی شکست کی ذلت کو مٹادیا - کرامویل نے اس موقع سے کامل فتح کا فائدہ اٹھایا ہوتا مگر تاریکی کے باعث وہ اپنے تنہا دستے سے کام نہ لے سکا اور منچیسٹر نے اپنے افسروں کی التجاؤں کے باوجود حملہ کرنے سے انکار کردیا - اسیکس کیطرح وہ بھی بادشاہ پر کامل فتح حاصل کرنے سے جھجکتا تھا - پس چارلس کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی فوج کو آکسفورڈ کیطرف واپس لیجائے اور دوبارہ بے روک ٹوک اپنے اسی شکست کے میدان میں نمایاں ہو -

کرامویل

بمقام نیوبری کرامول اور لارڈ منچیسٹر کے درمیان جو رد و کد ہوگئی تھی اس سے یہ یقین تھا کہ جنگی کارروائیاں کوئی نئی صورت اختیار کرینگی - درحقیقت ہم کو ابھی خانقاہِ ویسٹ منسٹر میں دفن ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ انگلستان نے یہ محسوس کرلیا کہ ایک اس سے بھی زیادہ قابل شخص اسکی جانشینی کیلئے موجود ہے -

یہ شخص فاتح مارسٹن مور (یعنی اولیور کرامویل) تھا۔ وہ ہنچنبروک کے بہت عالی خاندانِ کرامول کے ایک گھرانے میں عہد الیزبیتھ کے اختتام کے قریب پیدا ہوا تھا۔ ماں کی جانب سے وہ ہیمپڈن اور سنٹ جان کا قرابت دار تھا۔ کیمبرج میں اسے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ باپ کے انتقال کیوجہ سے وہ اپنی ہنٹنگڈن کی چھوٹی سی خاندانی جائداد کی نگرانی کیلئے چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد اسنے ہنٹنگڈن کو چھوڑکر سنٹ آیوز میں زراعت شروع کردی۔ شخصی حکومت کے دوران میں ہم اسکی افتادِ مزاج کا حال بیان کرچکے ہیں کہ وہ اکثر موت کے خیال میں غرق رہتا تھا' اور یہ خبط اسکی طبیعت ثانیہ بنگیا تھا اور بیکاری نے اسے اور بڑھادیا تھا۔ لیکن جب مطلق العنانی کا دور ختم ہوگیا اسوقت اسکی قوت نے اپنا زور دکھایا۔ اسکا باپ اور اسکے تین چچا الیزبیتھ کی آخری پارلیمنٹوں میں شریک رہ چکے تھے۔ اولیور خود ۱۶۲۸ء کی پارلیمنٹ میں منتخب ہوا تھا اور شہر کیمبرج نے اسے مختصر العہد اور طویل العہد دونوں پارلیمنٹوں میں اپنا قائم مقام بناکر بھیجا تھا۔ اس دوسری پارلیمنٹ کا ذکر کرتے ہوے ایک درباری سر فلپ وارک سب سے پہلے ہمیں کرامویل سے روشناس کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک روز میں لباسِ فاخرہ پہنے ہوئے صبح کے وقت دارالعوام میں آیا تو کیا دیکھتا ہونکہ ایک شخص کھڑا تقریر کررہا ہے جسے میں پہلے سے پہچانتا نہیں تھا۔ اسکا لباس بہت سادہ تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ دیہات کے کسی اناڑی درزی کا سیا ہوا ہے۔ اس کا قمیص

معمولی سیا ہوا تھا اور اچھی طرح صاف بھی نہ تھا، اور مجھے یاد آتا ہے
کہ اس قمیص کے گلے پر خون کی دو ایک چھینٹیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔
قمیص کا گلا کالر سے کچھ زیادہ بڑا نہیں تھا اسکی ٹوپی میں پٹی ٹک
نہیں تھی۔ اسکا قد بلند تھا، تلوار اسکی کمر سے لگی ہوئی تھی، چہرہ
پھولا ہوا اور سرخ تھا، آواز تیز اور کرخت تھی اور تقریر میں جوش
ابلا پڑتا تھا" لوگ کراموپل کی تقریر شوق سے سننے لگے تھے مگر
اسنے اپنی قوت کا اصلی اظہار اپنے قول سے نہیں بلکہ اپنے فعل سے
کیا۔ خود اسکے زمانے کے لوگوں نے اسے "فولاد بازو" کہنا شروع

کراموپل کی بریگیڈ

کردیا تھا۔ وہ اپنے ہی مرتب کئے ہوئے ایک دستہ فوج کو لیکر
ایجہل میں آیا، چونکہ وہ قدرتاً ایک سپاہی تھا اسنے ایسکس کی فوج کا
نقص فوراً ہی محسوس کرلیا اور ہیمپڈن کو متنبہ کردیا کہ "یہ غریب قالین باف
اور مزدوری پیشہ لوگ اعلیٰ طبقہ کے اشخاص کے مقابلہ میں ہرگز
ٹھیر نہ سکیں گے"۔ اسنے یہ رائے دی کہ شاہی سواروں کی کاردانی کا
جواب اگر ہوسکتا ہے تو صرف مذہبی جوش سے ہوسکتا ہے۔
ہیمپڈن تک کو یہ تجویز ناممکن العمل معلوم ہوتی تھی، مگر کراموپل نے
مشرقی صوبجات کیلئے ایک ہزار آدمیوں کا جو دستہ تیار کیا وہ سب کا
سب "پکے مذہبی" آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اسنے جس کام کا عزم کیا تھا
اس میں اپنی دولت بیدریغ صرف کردی۔ وہ لکھتا ہے کہ "اس کام
میں میرے گیارہ بارہ سو پاؤنڈ صرف ہوگئے ہیں اسلئے میں اب اپنی
جائیداد سے مصارف عامہ میں بہت کم مدد دیسکتا ہوں۔ اپنے سپاہیوں کی
مدد کیلئے میرے پاس بہت کم رہ گیا ہے" اپنے آدمیوں کی بابت

وہ سپاہیانہ جوش کے ساتھ کہتا ہے کہ "میرے سپاہی محبت کے بندے
ہیں - ان میں توہین مذہبی، شرابخواری، بدنظمی یا بدکاری کو ذرا بھی
دخل نہیں ہے - انمیں سے جو شخص بھی قسم کھاتا ہے اُسے بارہ پنس
تاوان دینا پڑتے ہیں" کرامویل نے اپنی اس نئی رجمنٹ میں یہی جدت
نہیں کی کہ "دو پختہ مذہب لوگوں" کو چن چنکر رکھا بلکہ رسم و رواج نے
افسری کے لئے اعلیٰ خاندان ہونے کی جو شرط لگادی تھی اُسے
بھی اس نے ترک کردیا - مجلس صوبجات متفقہ کی شکایات کے
جواب میں اس نے لکھا تھا کہ "ممکن ہے کہ اس خیال سے ان لوگوں
کو تکلیف ہوتی ہو کہ ایسے معمولی آدمی سواروں کے کپتان مقرر
کردئے جاتے ہیں، بیشک ذی عزت و اعلیٰ خاندان اشخاص اگر اس
کام کو کرتے تو بہت ہی اچھا ہوتا مگر سوال یہ ہے کہ وہ کرتے
کیوں نہیں، چونکہ کام کا انجام پانا ضروری ہے اس لئے کسی
کے نہ ہونے سے تو ان معمولی آدمیوں ہی کا ہونا اچھا ہے!
بہترین اشخاص وہ ہیں جو ضروریات پر صبر کریں، اپنے کام کو
ایمانداری و دیانت کے ساتھ انجام دیں اور مجھے امید ہے کہ یہ
لوگ ایسے ہی ثابت ہونگے" ان الفاظ سے کرامول کی طبیعت کی
کیفیت صاف عیاں ہوجاتی ہے، وہ ایک مصلح کے بجائے ایک
کاروان سپاہی معلوم ہوتا ہے مگر یہ اندازہ اسی وقت ہوگیا تھا
کہ اس کا خیال طبقہ اعیان و متحفظین کیطرف مائل اور جنگ سے
جو معاشرتی انقلاب پیدا ہونیوالا ہے، اس کے آثار کو وہ اچھی
طرح سمجھتا ہے - اس نے ایک مرتبہ بے صبری کے ساتھ کہا کہ

ایک کپتان جو یہ جانتا ہو کہ وہ کس لئے لڑ رہا ہے اور اپنے اس فعل کو پسند کرتا ہو گر کسانوں کے سے سادے کپڑے پہنے ہو وہ میرے نزدیک اس شخص سے بہتر ہے جسے تم لوگ جنٹلمین (شریف) کہتے ہو اور اس جنٹلمین میں اس کے سوا اور خوبی نہ ہو کہ وہ جنٹلمین کہلاتا ہے۔" آخر میں اس نے اپنے معمولی انداز میں یہ بھی کہدیا، کہ یہ ضرور ہے کہ میں ایک جنٹلمین کی عزت کرتا ہوں، اس کے اس انداز طبیعت کا اظہار ایک اور حیرت انگیز جدت سے ہوا باوجودیکہ اسے استقفوں سے سخت نفرت تھی اور اس نے حکومت کلیسا کے تغیر کیلئے شدید کوششیں کی تھیں مگر وقت آنے پر دوسرے پارلیمنٹی سرگروہوں کیطرح کرامویل بھی جدید پرسبٹیرین طریقہ پر قانع ہوگیا اور پرسبٹیرین اس سے بالکل راضی رہے۔ لارڈ مینچسٹر نے اسے اجازت دیدی تھی کہ وہ "جسطرح چاہے فوج سے کام لے"۔ بیلی جو اسکاٹلینڈ کا باشندہ تھا کرامویل کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہ شخص نہایت ہی ہوشمند و مستعد کار سرگروہ ہے، تمام لوگ اسے ایک پُر زور مذہبی شخص سمجھتے اور اس سے محبت کرتے ہیں"۔ لیکن قانون کی مقررہ کی ہوی عبادت سے انحراف کرنے والوں سے پرسبٹیرنیوں کو بھی لاڈ سے کم نفرت نہ تھی، اور جیسا کہ بعد کو معلوم ہوگا عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کا تناسب بہت بڑھتا جارہا تھا اور اس وجہ سے رواداری اور آزادی عبادت کے متعلق ان کے دعوے

کرامویل اور انحرافی گروہ

نے اس زمانے میں خاص اہمیت حاصل کرلی تھی۔ کرامویل نے اس معاملے میں بھی تخیل پرستی سے کام نہیں لیا۔ ایسے اچھے سپاہی اور اچھے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ جن لوگوں میں یہ صفات ہوں انہیں اس کی فوج میں جگہ ملجاتی تھی اس سے بحث نہیں کی جاتی تھی کہ وہ "انڈپنڈنٹ" (آزاد خیال) ہیں، بپٹسٹ (اصطباغی) ہیں یا "لیولر"، (مساوات طلب) ہیں اضطراب زدہ پرسبٹرین ان لوگوں پر انابپٹسٹ (حامی اصطباغ بعد بلوغ) اور انقلابی اغراض رکھنے کا الزام لگاتے تھے مگر کرامویل نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ "اگر تم ان لوگوں سے ملو تو ان کی وقعت کرنے لگوگے، وہ دوبارہ اصطباغ چاہنے والوں میں نہیں ہیں بلکہ وہ ایماندار اور سچے عیسائی ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ آدمیوں کا سا برتاؤ کیا جائے" جیسا کہ معاشتی تغیر کی نسبت ذکر ہوچکا ہے، اس معاملہ میں بھی کرامویل کو بہت جلد ضرورت نے مجبور کردیا کہ وہ زیادہ وسیع النظری سے کام لے۔ لیکن اس وقت تک وہ کلیسا وسلطنت کے اصول پر غور کرنے کے بجائے اپنی نئی رجمنٹ کے کام میں زیادہ مشغول تھا اور جس وقت اس کے سوار میدان کارزار میں آئے تو انہوں نے ثابت کردیا کہ اس جنگ میں ان کے سے سپاہی کہیں دوسری جگہ موجود نہیں ہیں۔ جنگ کے ختم ہونے پر ان کے سردار نے ان کی نسبت فخریہ کہا تھا کہ "حق یہ ہے کہ انہیں کہیں بھی شکست نہیں ہوئی" جنگ

ونسبی میں وہ "مزامیر گاتے ہوئے" بڑھے اور لنکن شائر کو شاہی فوج سے پاک وصاف کر کے مشرقی صوبوں کو نیوکیسل کے طرفداروں کے خطرے سے آزاد کردیا۔ مارسٹن مور میں انہوں نے ریوپرٹ کے سواروں کا مقابلہ کیا اور انہیں بھگا دیا۔ نیوبری میں صرف منچسٹر کے پس وپیش نے انہیں چارلس کے بالکل تباہ کردینے سے روک لیا۔

عساکرِ جدیدہ

اس رجمنٹ کے تیار کرنے سے کرامویل نے اپنی انتظامی قوت کا ثبوت دیدیا تھا۔ مارسٹن مور میں اس کی فوجی قابلیت عیاں ہوگئی اور جنگ نیوبری نے اسے سیاسی پیشرو بنادیا۔ منچسٹر سے مناقشہ ہوجانے کے بعد اس نے دارالعوام میں یہ کہا تھا کہ اگر ہم اس لیت ولعل کو ترک کر کے جنگ کی کارروائی کو زیادہ عاجلانہ وپُر زور و موثر طریقے سے نہ چلائینگے اور بر اعظم کے پیشہ ور سپاہیوں کی طرح جنگ کا تانا بانا بنتے رہیں گے تو ملک ہم سے برگشتہ ہوجائے گا اور پارلیمنٹ کے نام سے لوگوں کو نفرت ہوجائے گی" لیکن اس وقت جو افراد بر سرکار تھے انسے اس سے زیادہ کار نمایاں کی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ کرامویل نے ان کی نسبت صاف الفاظ میں یہ کہدیا تھا کہ "وہ فاتح بننے سے ڈرتے ہیں"۔ وہ چارلس کو پامال نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ یہہ چاہتے تھے کہ وہ مجبور ہوکر ایک آئینی بادشاہ کی حیثیت اختیار کرلے اور اس کے سابقہ اختیارات جس قدر بھی ممکن ہوں اس کے ہاتھ میں باقی رہیں قدیم وفاداری کے خیال نے بھی انہیں مذبذب کردیا تھا

تھے۔ نیوبری میں منچسٹر نے
وہ غدار کہلانے سے بچنا چاہتے
بزور یہ کہا تھا کہ "اگر بادشاہ کو شکست ہو جائے گی تو بھی وہ بادشاہ
ہی رہے گا اور اگر وہ ہمیں شکست دیدے گا تو وہ ہم سب کو باغی
قرار دیکر پھانسی پر لٹکا دے گا۔" اس خیال کے لوگوں کو کرامویل
کا انداز بہت ہی پر خطر معلوم ہوتا تھا۔ زمانۂ مابعد کے لوگوں
کا بیان ہے کہ کرامویل نے منچسٹر کا یہ جواب دیا تھا کہ "اگر
جنگ میں بادشاہ میرے سامنے آجائے تو میں دوسروں کی
طرح اس پر بھی بے تامل پستول سر کردوں گا۔" فوج کے
متعلق بھی وہ مدتوں پہلے یہ کہہ چکا تھا کہ اس فوج سے فتح
نہیں حاصل ہو سکتی۔ اب بھی اس نے اس امر پر زور دیا کہ
جب تک تمام فوج از سر نو مرتب نہیں کی جائے گی اور
ضوابط سخت نہیں کئے جائیں گے اسوقت تک "انہیں یہ توقع
نہ کرنا چاہئے کہ جس کام کو وہ کرنا چاہتے ہیں اس میں
انہیں کوئی نمایاں کامیابی حاصل ہو سکے گی،، لیکن اس انتظام
جدید کا پہلا قدم یہ ہوتا کہ عہدہ دار بدل دئے جائیں؛ اسوقت
تک اراکین پارلیمنٹ ہی فوج کے عہدہ دار تھے، کرامویل
اور وین نے ایک تجویز قانونِ ایثارہ کے نام سے پیش کی
تھی کہ فوجی و ملکی عہدہ دار پارلیمنٹ کی شرکت سے ممنوع
قرار دئے جائیں، ایک مدت تک اس تجویز کی بڑی مخالفت
ہوتی رہی اور آخر کسی قدر ترمیم کے ساتھ منظور ہوگئی۔ مگر
زمانۂ مابعد کے نتائج سیاسی سے ظاہر ہوگیا کہ یہ مخالفت بجا تھی

قانون ایثار

کیونکہ فوج و پارلیمنٹ میں جو رابطہ قائم تھا وہ اس قانون سے ٹوٹ گیا۔ لیکن بروقت عام رائے کی قوت کا مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ اس قانون کے منظور ہو جانے سے الیکس منچسٹر اور والر اپنے عہدوں سے ہٹ گئے اور ایک نئے سپہ سالار اعظم سرٹامس فیرفیکس کے تحت میں فوج کی ترتیب جدید باستعجال تمام شروع کی گئی۔ فیرفیکس نے یارکشائر کی طولانی جنگ، نیٹلوچ کی فتح، اور مارسٹن مور میں اظہار بہادری سے خاص شہرت حاصل کر لی تھی۔ لیکن درحقیقت فیرفکس کے پردہ میں کرامویل کام کر رہا تھا۔ اس نے جس اصول پہ اپنا رسالہ قائم کیا تھا اب اسی اصول پر "عساکر جدیدہ" کی ترتیب شروع کر دی تھی۔ سب سے مقدم کام یہ تھا کہ بیس ہزار ایماندار، اشخاص جمع ہو جائیں۔ کرامویل نے لکھا تھا کہ "خوب غور کر لو کہ کن لوگوں کو تم کپتان مقرر کرتے ہو اور کن لوگوں کو سوار بناتے ہو۔ تھوڑے سے ایماندار آدمی ایک بڑے غول سے بہتر ہیں۔ اگر تم باخدا اور ایماندار آدمیوں کو کپتان مقرر کرو گے تو ایماندار اشخاص ان کا ساتھ دیں گے" اس خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی فوج کے عہدہ داروں میں ہر درجے اور طبقے کے لوگ خلط ملط ہو گئے۔ اعلیٰ عہدہ داروں کا زیادہ حصّہ امرا و شرفا سے مرتب ہوا تھا جس میں مانٹیگو، پکرنگ، فارٹسکیو، منفیلڈ، سڈنی، وغیرہ کے سے لوگ داخل ہیں۔ لیکن انہیں کے پہلو بہ پہلو

آیئور اوکی (گاڑیبان)، رینزبرا (جہاز ران) وغیرہ کے سے عہدہ دار بھی تھے۔ دوسرا نتیجہ جو اس سے کم نہ تھا یہ ہوا کہ عہدہ دار زیادہ تر نوجوان تھے۔ اعلیٰ عہدہ داروں میں کرامول کے مانند چند ہی ایسے عہدہ دار تھے جو وسط عمر سے گذر چکے ہوں؛ فیرفیکس کی عمر ۳۳ سال کی تھی اور اس کے اکثر کرنیل اس سے بھی کم عمر تھے۔ مذاہب مختلفہ کا اختلاط باہمی بھی کچھ کم باعث تعجب نہیں تھا۔ اگرچہ پیدل سپاہ میں زیادہ تر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو بجبر بھرتی کئے گئے تھے مگر سواروں میں زیادہ تر پیورٹین تھے اور اس حصۂ فوج میں ہر قسم کے مختلف العقائد اشخاص شامل تھے۔

نیزبی

اس نئی فوج کی سیاسی و مذہبی خصوصیت بعد کو نظر آئے گی مگر اس وقت تک ان کی تمام کوشش اس امر پر صرف ہو رہی تھی کہ جنگ کی کارروائی عجلت وزور کے ساتھ عمل میں آئے۔ فیرفیکس کے تیار ہوتے ہی کرامویل کی حکمت عملی کو خود بادشاہ کی حکمت عملی سے تقویت حاصل ہوگئی؛ جس وقت سے واقعہ نیوبری نے پارلیمنٹ کے صلح پسند اور جنگجو فریقوں کو جدا کردیا تھا اسی وقت سے اسکاٹلینڈ کے کمشنر اور دار العوام کے اکثر اراکین نے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ کلیسا و سلطنت میں انقلاب کے روکنے کی صرف یہی صورت تھی کہ چارلس سے معاملات کے طے کر لینے پر زیادہ زور دیا جائے۔ دونوں جانب کے مامورین

بمقام اکسبرج صلحنامے کے شرائط طے کرنے کے لئے جمع ہوئے مگر چارلس کو جن مراعات کی توقع تھی ان سے موسم بہار میں یکبیک انکار کردیا گیا۔ اس نے بخیال خود یہ سمجھ لیا تھا کہ ترتیب جدید سے پارلیمنٹ کی فوج منتشر وتباہ ہوگئی ہے۔ عین اسی وقت مانٹروز کی تازہ کامیابیوں کی خبر آئی کہ اس نے مارکویس آرگائل کی فوجوں کو الٹ دیا اور انورنوی کو فتح کرلیا ہے۔ مانٹروز نے لکھا تھا کہ "موسم گرما کے ختم ہوتے ہوتے اس قابل ہو جاؤں گا کہ ایک جرار فوج کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی مدد کو حاضر ہو جاؤں" اس سے جنگی فریق کو غلبہ حاصل ہوگیا اور ماہ مئی میں بادشاہ نے شمال کی طرف کوچ کردیا۔ لیسٹر مسخر ہو لیا، چسٹر کا محاصرہ اٹھا دیا گیا، اور شمالی صوبہ جات خطرے میں پڑ گئے تاآنکہ فیرفیکس (جو اپنی مرضی کے خلاف آکسفورڈ کے محاصرے میں مشغول تھا) عجلت کے ساتھ بادشاہ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ قانون ایثار کے باوجود پارلیمنٹ نے کرامول کو یہ اجازت دیدی تھی کہ وہ کچھ دنوں اور اپنے عہدے پر قائم رہے، وہ بھی اسوقت فیرفیکس سے آملا، جب کہ وہ بادشاہ کے قریب پہنچ گیا تھا، فوج نے اس کی آمد پہ بڑی خوشی منائی۔ دونوں فوجیں نارتھمپٹن کے شمال مغرب میں نیزبی کے قریب ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ بادشاہ کو لڑنے کی جلدی تھی۔ اس نے کہا کہ "میرے معاملات کی حالت اس وقت سے زیادہ بہتر کبھی نہیں تھی" شہزادہ روپرٹ بھی اپنے ماموں کی طرح لڑنے کے لئے بیقرار

۱۴ جون ۱۶۴۵ء

تھا۔ دوسری طرف کرامویل تک کو فوجی نظر سے اپنی اس نو ترتیب
فوج کی کامیابی میں شک تھا۔ البتہ مذہبی جوش نے فتح کا یقین
مستحکم کردیا تھا۔ اس نے جنگ کے تھوڑے ہی زمانہ بعد لکھا تھا
"میں جنگ نیزبی کے متعلق صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ
جب میں نے دیکھا کہ دشمن کی سپاہ بہادرانہ ترتیب کے ساتھ
ہماری طرف بڑھ رہی ہے اور ہماری ناواقف جماعت اپنی حالت
درست کرنے کی فکر میں ہے، اور سپہ سالار نے مجھے تمام سواروں
کے مرتب کرنے کا حکم دیدیا ہے اور میں تنہا اس کام میں
مشغول ہوں تو میں اس کے سوا کچھ نہ کرسکا کہ فتح کے یقین
کے ساتھ خندہ روئی سے خدا کی حمد وصفت کروں کیونکہ خدا
ایک غیر موجود شے کے ذریعہ سے موجود چیزوں کو معدوم
کرسکتا ہے۔ مجھے اس کا پورا یقین تھا اور خدا نے ایسا ہی
کیا"۔ جنگ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ریوپرٹ نے پہاڑی پر ایک
سخت حملہ کیا اور جو بازو آئرٹن کے تحت میں اس کے مقابل
تھا اسے درہم برہم کردیا۔ دوسری طرف بادشاہ کی پیدل فوج
ایک فیر کرنے کے بعد بندوقوں کو لاٹھیاں بناکر اس شدت
کے ساتھ فیرفیکس کے قلب فوج پر حملہ آور ہوئی کہ باوجود
سخت جدوجہد کے اسے آہستہ آہستہ دبنا پڑا، لیکن کرامویل
کے دستہ فوج نے میسرہ پر فتح حاصل کرلی تھی۔ ایک ہی
حملہ نے لینگڈیل کے شمالی سواروں کو شکست دے دی وہ مارسٹن مور
میں بھی کرامول کو پیٹھ دکھا چکا تھا۔ کرامویل نے اپنی فوج کو

پوری طرح قابو میں لیکر عین اس وقت بادشاہ کے بازو پر حملہ کیا جب وہ ہر طرح کامیاب ہوتا نظر آرہا تھا۔ بادشاہ کی فوج محفوظ کے اضطراب اور اس کے میدان سے فرار ہونے سے کرامویل کو اور مدد مل گئی۔ ریوپرٹ کی فوج تعاقب سے تھک گئی تھی وہ جب اپنی فوج کو لیکر پلٹا تو چارلس نے حالتِ مایوسی میں اپنے سواروں کو دو ایک مزید حملہ " کے لئے للکارا، مگر سب لاحاصل رہا، جنگ کا خاتمہ ہوچکا تھا، توپخانہ، سامان جنگ، شاہی کاغذات تک فاتح کے ہاتھ آگئے تھے۔ پانچ ہزار آدمیوں نے اطاعت قبول کرلی، صرف دو ہزار آدمی پادشاہ کے فرار میں اس کے ساتھ رہے۔ اس ایک ضرب سے بالکل جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ ادھر چارلس نئی فوج کی تلاش میں ویلز کی سرحد پر سراسیمہ پھر رہا تھا، ادھر فیرفیکس نے عجلت کے ساتھ سمرسٹ شائر میں بڑھکر لنگپورٹ کی شاہی فوج کو منہزم کردیا۔ کلسِتھ کی ایک فتح سے اسکاٹلینڈ پر کچھ دیر کے لئے مانٹروز کا تسلط ہوگیا تھا اور اس تاریک وقت میں چارلس کے دل میں امید کی ایک جھلک پیدا ہوگئی تھی۔ مگر برسٹل کی پارلیمنٹی فوج کی اطاعت قبول کرلینے اور چسٹر کی خلاصی کی کوشش میں، چارلس کی آخری فوج کے منتشر ہوجانے کے بعد ہی یہ خبر آئی کہ دربار "کونسل اعظم"، کو فلپ ہو میں ناقابل تلافی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ بادشاہ بالکل تباہ ہوگیا۔ اس موقع پر ایک

اختتام جنگ

ستمبر ۱۶۴۵ء

چھوٹے سے واقعے کا ذکر بیمحل نہ ہوگا جس سے دونوں جانب
کے لوگوں کا انداز طبیعت بہت اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے
مارکوئس ونچسٹر تمام زمانہ جنگ میں، بیزنگ ہاؤس پر پامردی
کے ساتھ جما رہا۔ کرامویل نے جب اس مقام کو سر کیا ہے
تو آغاز حملہ سے پہلے وہ بہت دیر تک خدا کی عبادت میں
مشغول رہا۔ ونچسٹر اس حملے کے سامنے تاب مقاومت نہ
لاسکا اور آخر یہ دلیر بڈھا گرفتار ہوگیا اور اس کے مکان میں
آگ لگادی گئی۔ ایک حاضرالوقت ہیورٹین لکھتا ہے کہ جب
وہ گرفتار ہوکر آیا تو اس نے جوش میں آکر کہا کہ تمام انگلستان
میں بادشاہ کے لئے بیزنگ ہاؤس کے سوا اور کوئی جگہ باقی
نہ رہتی تب بھی میں وہی کرتا جو میں نے کیا اور آخر دم تک
اس کی حفاظت میں ثابت قدم رہتا،، اس نے یہ کہکر اپنے
دل کو تسلی دی کہ وہ بیزنگ ہاؤس،، کا لفظ وفاداری کے مرادف
ہوگیا ہے۔ لیکن چارلس اس قسم کی وفاداری کا مطلقاً اہل
نہیں تھا۔ نیزبی میں اس کے کاغذات کے گرفتار ہوجانے
سے آئرلینڈ کے کیتھولکوں کے ساتھ اس کی سابقہ سازشوں کا
ثبوت مل چکا تھا کہ اس اثنا میں پارلیمنٹ نے اس کے ایک
نئے معاہدے سے انگلستان کو آگاہ کیا جس کی رو سے اس
نے اہل آئرلینڈ کے تمام مطالبات کو قبول کرکے ان کی
غیر جانداری کے بجائے ان کی اطاعت حاصل کی تھی
لیکن اس شرمناک کارروائی سے اسے کچھ نفع نہ پہنچا کیونکہ

آئرلینڈ جو کچھ بھی مدد دیسکتا تھا اس کا وقت گزر گیا تھا۔ اسوقت تک جو کچھ تھوڑے بہت سپاہی چارلس کے پاس جمع تھے وہ ۱۶۴۶ء کے موسم بہار میں گھر کر تباہ ہو گئے۔ ان سپاہیوں کے امیر، سرجیکب ایسٹلی نے اپنے فاتحوں سے ترشروی کے ساتھ یہ کہا کہ "اب تمہارا کام ختم ہو چکا ہے کچھ دنوں کھیل کھود لو پھر تم آپس ہی میں لڑ مرو گے"۔

جزو ہشتم

فوج و پارلیمنٹ

۱۶۴۶ — ۱۶۴۹

{ اسناد ۔ اسناد زیادہ تر وہی ہیں جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں البتہ کلیرنڈن کی تصنیف جو زمانہ جنگ کے لئے بہت قابل قدر تھی اس موقع پر پہنچکر بے لطف اور سبک ہو جاتی ہے ، یہ بھی سوء اتفاق ہے کہ جس زمانے میں کرامویل کے خطوط کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اسی زمانے میں ان کی تعداد بہت گھٹ گئی ہے ، مگر اس کے ساتھ ہی لڈلو اور وہائٹ لاک کے تصانیف ، اور ہوتیس اور میجر ہچیسن کے پر جوش و دلیرانہ تذکرے نہایت اہم کام انجام دیتے ہیں ۔ خود چارلس کے متعلق اس کے عہد کے آخری دو برس کا ایک تذکرہ مصنفہ سر ٹامس ہربرٹ موجود ہے ، برنٹ کی تصنیف سوانح ارکان خاندان ہملٹن ،، Lines of the Hamiltons سے اس وقت کے اسکاٹلینڈ کے معاملات پر بہت روشنی پڑتی ہے ۔ یہی کیفیت

سر جمیز ٹرنر کی "یادگار حملہ اہل اسکاٹلینڈ" Memoir of the Scotch Invasion
کی ہے مذہبی آزادی کی کیفیت اور فرقہ انڈپنڈنٹ کے ابتدائی حالات مسٹر میسن
نے ملٹن کی سوانح عمری جلد سوم میں بیان کئے ہیں۔

خانہ جنگی کے ختم ہونے کے بعد ایک عجب پریشانی کا زمانہ
پیش آتا ہے جس کی تفصیل بظاہر بے لطف و ناگوار معلوم ہوتی
ہے مگر انگلستان کی تاریخ مابعد پر اس کا اثر خود جنگ سے بھی
زیادہ پڑا ہے۔ وہ انگلستان جدید جس کے خیالات وحسیات
حقیقتاً اس وقت انگریزوں میں نظر آرہے ہیں، فتح نیزبی ہی
کے وقت سے شروع ہوتا ہے، اگرچہ اس وقت اس کا اثر بہت
دھندھلا معلوم ہوتا ہے۔ پرانے طور وطریق خاموشی کے ساتھ فنا
ہوگئے جس وقت آیسٹلے نے اپنی تلوار حوالہ کی ہے، تو اس
کے قول کے موافق "کام پورا ہوگیا تھا"۔ یہ وہی کام تھا جس
کے لئے کئی نسلوں سے طریق پروٹسٹنٹ کی حمایت میں مذہب
کیتھولک کے خلاف جدوجہد ہورہی تھی اور آزادی عامہ کے
اصول کے لئے مطلق العنان حکومت سے نبرد آزمائی جاری تھی۔
شاہان اسٹیورٹ نے اس کے بعد اپنی سی بہت کوششیں
کیں مگر جہاں تک ان معاملات کا تعلق تھا انگلستان اطمینان
کے ساتھ اپنی روش پر چل رہا تھا۔ لیکن اس پرانے کام
کے ختم ہوتے ہی ایک نیا کام شروع ہوگیا۔ وہ آئینی ومذہبی
مباحث جو اب تک کسی نہ کسی حیثیت سے معرکۃ الآرا مسائل
بنے ہوئے ہیں، خانہ جنگی کے اختتام اور بادشاہ کی موت کے

درمیانی زمانہ میں پیدا ہوچکے تھے۔ اس وقت سے انگلستان کی معاشرتی
سیاسی اور مذہبی زندگی جن جن فریقوں میں منقسم ہوگئی ہے اُنہیں
انڈپنڈنٹ اور پرسبیٹرین، وہگ اور ٹوری، لبرل اور کنسرویٹو، جس
نام سے چاہیں یاد کریں مگر یہ فریق فوج و پارلیمنٹ کی مخاصمت ہی
کے دوران میں باقاعدہ طور پر قائم ہوچکے تھے۔ اسی زمانے میں
اولاً وہ جدوجہد شروع ہوئی جو اب تک ختم نہیں ہوئی ہے، یہ
کشمکش ایک طرف سیاسی روایات قدیم اور سیاسی ترقی اور دوسری
طرف مذہبی اتفاق عام اور مذہبی آزادی کے درمیان جاری ہے۔

انڈپنڈنٹ

درحقیقت یہ مذہبی ہی کشمکش تھی جس نے سیاسی کشمکش کو
اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ الیزبیتھ کے وقت
میں ایسے فرقے پیدا ہوگئے تھے جو پرسبیٹرین کی طرح سے
صرف یہی نہیں چاہتے تھے کہ کلیسا کی حکومت میں تغیر کیا جائے
بلکہ وہ کسی قومی کلیسا کے خیال ہی کو سرے سے باطل سمجھتے تھے
اور اس امر پر مصر تھے کہ ہر جماعت کو اپنے عقائد و عبادات
میں کامل آزادی حاصل ہونا چاہئے۔ لیکن ملکہ کے عہد کے ختم
ہوتے ہوتے یہ پیروان براؤن تقریباً ناپید ہوچکے تھے۔ ان
منحرفوں میں سے کچھ لوگوں نے ہالینڈ میں پناہ لی تھی جن میں
"آباءِ زائرین" کی جماعت خاص طور پر مشہور ہے لیکن ان کے
زیادہ حصے نے دار و گیر کے باعث دوبارہ کلیسائے عام سے
اتفاق کرلیا تھا۔ بیکن لکھتا ہے کہ "جن لوگوں کو ہم پیروان
براؤن کہتے ہیں وہ اپنے بہترین زمانے میں بھی احمق و بتندل

اشخاص سے زیادہ نہیں تھے، جو ملک کے گوشوں میں اِدھر اُدھر پڑے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کا علاج مناسب ہوگیا اور وہ اس قدر دبا دئے گئے ہیں کہ اب کہیں ان کا ذکر بھی سننے میں نہیں آتا۔" لیکن جب ایبٹ اسقف اعظم ہوا اور اس نے نرم روش اختیار کی تو فوراً ہی یہ منحرف پناہ گزیں، پھر ڈرتے ڈرتے انگلستان میں آنے لگے۔ ہالینڈ کی جلا وطنی کے زمانے میں ان کا خاص گروہ صرف اس امر پر قانع رہا کہ وہ اپنے طریق پر آزاد جماعتوں کو ترقی دیتا رہا اور ہر جماعت بجائے خود ایک مکمل کلیسا بن گئی اور بعد میں یہی لوگ انڈپنڈنٹ کہلانے لگے۔ لیکن ان میں سے ایک چھوٹے گروہ نے عام کلیسا سے بہت ہی متباین عقیدہ اختیار کرلیا تھا، خاص کر ان کا یہ عقیدہ سب سے مخالف تھا کہ بالغ اشخاص کو اصطباغ دینا چاہئے اور اسی عقیدے کی وجہ سے ان کا لٹیڈن کا گمنام گروہ بیپٹسٹ (اصطباغی) کے نام سے مشہور ہوگیا۔ ان دونوں فرقوں نے جیمز کے وسط حکومت میں لندن میں اپنا ایک کلیسا بنا لیا تھا۔ مگر چارلس کے عہد حکومت میں لاڈ کے تشدد نے ان کے خیالات کو بڑھنے نہ دیا اور اس وقت تک اس "انڈپنڈنٹ" گروہ کی طرف کسی کو التفات نہیں ہوا، جب تک کہ طویل العہد پارلیمنٹ کے اجرا کے وقت ہیو پیٹرز کی سردگی میں تارکان وطن کے ایک بہت بڑے گروہ نے نیو انگلینڈ سے واپس آکر ان کی تعداد میں یکایک اضافہ نہ کردیا۔ للبرن اور برٹن نے بہت جلد یہ اعلان کردیا کہ وہ اسی

مذہب کے پیرو ہیں جسے "نیو انگلینڈ کا طریقہ،، کہا جاتا ہے۔ اور ایک ہی برس بعد صرف لندن میں بالفاظ اسقف ہال "ان فرقوں کی چار کوڑی جماعتیں بن گئیں۔ ان کے رہبر بھی ایسے تھے جو خاص انہیں کے لئے موزوں تھے، موچی، درزی، نمدوز، اور اسی قسم کے ذلیل لوگ ان کے پیشرو بن گئے تھے،،۔ لیکن مذہبی نظر سے ابھی اس تحریک کو کوئی ایسی اہمیت نہیں حاصل ہوئی تھی۔ بیکسٹر نے اس زمانے میں فرقہ انڈپنڈنٹ کے متعلق کچھ نہیں سنا تھا، ملٹن اپنے ابتدائی رسالوں میں ان کے اثر کا مطلق اظہار نہیں کرتا، کلیسائی مجلس وسٹ منسٹر میں ایک سو پانچ پادری موجود تھے مگر ان میں اس کا ... شنل (جماعتی) خیال کے پادری صرف پانچ تھے اور یہ پانچوں بھی ہالینڈ سے واپس آئے ہوئے لوگوں میں سے تھے۔ ۱۶۴۳ء میں لندن کے ایک سو بیس پادریوں میں سے صرف تین کی نسبت یہ شبہہ تھا کہ ان کا میلان اس جماعتی فریق کیطرف ہے۔ در حقیقت چارلس سے کشمکش شروع ہوتے ہی مذہبی آزادی میں نئی دقتیں پیدا ہوگئیں۔ پم اور اس کے شرکائے کار نے جو جدوجہد شروع کی تھی اس کا مقصود جسطرح معاملات سیاسی کا تحفظ تھا اسی طرح اس کوشش میں معاملات مذہبی کا تحفظ بھی پیش نظر تھا۔ ان کا قطعی مقصود یہ تھا کہ کلیسائے انگلستان کی جو حالت الزبیتھ کے زمانے میں تھی اسکو اسی حالت پر لایا جائے، اور لاڈ و دیگر مقتدایان دین کے پیدا کردہ بدعات و تغیرات سے اسے پاک کیا جائے۔ پارلیمنٹ

پرسبٹیرینی انگلستان

میں زیادہ ارکان ایسے تھے جو خود کلیسا کے نظام حکومت اور عقاید میں کسی قسم کا تغیر ناپسند کرتے تھے مگر جب مجبوری سے دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے عہد و میثاق کو قبول کیا اس کے وجوہ یہ تھے کہ اساقفہ نے اپنے اختیار اور اپنی آمدنی میں کسی قسم کی کمی منظور نہیں کی۔ اسقفی حکومت کے مخالف فریق کو ترقی ہوتی جاتی تھی، سیاسیات کی طرح مذہب میں بھی اتحاد کرکے اہل اسکاٹلینڈ کی امداد حاصل کرنا ضروری تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ اساقفہ کی سیاسی روش کے باعث قدیم انتظام مذہبی کا قائم رکھنا ناممکن ہوگیا تھا اور اس کے بجائے کسی جدید انتظام کا ہونا ضروری تھا۔ لیکن اس زمانے میں انگریزوں کا بیشتر حصہ ایسا تھا کہ جس پر پرسبٹرینی طریقے کے اختیار کرلے نے کا زیادہ اثر نہیں پڑتا تھا۔ چند ہی افراد ایسے تھے جو عقیدۃً اساقفہ کی ضرورت کو تسلیم کرتے تھے اور اس طرح کا تغیر عام طور پر اس وجہ سے پسند کیا گیا کہ اس سے کلیسائے انگلستان کو کلیسائے اسکاٹلینڈ اور براعظم کے اصلاح شدہ کلیساؤں سے زیادہ قرب حاصل ہو جائے گا۔ لیکن نظم ونسق میں جو کچھ بھی تغیر ہوا ہو یہ خیال کسی کو نہیں تھا کہ یہ کلیسا اب کلیسائے انگلستان نہیں رہے گا اور اس نے اپنے اس حق کو ترک کردیا ہے کہ عام قوم اس کے معین کردہ طریق عبادت پر کاربند ہو۔ کسی ممتاز شخص نے اس امر پر مطلقاً اعتراض نہیں کیا کہ سلطنت کے ساتھ کلیسا کے تعلق، اس کے حلقہ اثر میں تمام انگریزوں کے داخل نہ ہونے، اور عقاید وعبادت کے

طریق معین کرنے کے متعلق، جو خیال شاہان ٹیوڈر کے زمانے میں قائم ہوچکا تھا اس میں کوئی فرق آگیا ہے۔ درحقیقت اس خیال کی بنیاد جن حسیات پر مبنی تھی وہ بادشاہ کی ابتدائی جدوجہد کے واقعات سے اور قوی ہوگئے تھے۔ تاریخانہ روایات کی قوت، انحراف مذہبی سے سلطنت کو خطرہ، انگریزوں میں نظم وترتیب کا بے حد میلان اور بدعات، سے ان کا تنفر، مذہبی معاملات میں لاپروائی کو مذموم سمجھنا، یہی وہ حسیات تھے جو اس امر کے محرک ہوے کہ جنگ کی مشکلات کے دوران میں بھی پارلیمنٹ برابر نظام کلیسائی کے طریق جدید پر زور دیتی رہے۔

وسٹ منسٹر کی مجلس مذہبی ۱۶۴۳-۱۶۴۸

علمائے مذہبی کی ایک مجلس ۱۶۴۳ میں وسٹ منسٹر میں طلب کی گئی اور وہ پانچ برس تک "یروشیلم منزل" میں اجلاس کرتی رہی۔ یہ مجلس اس کام پر مامور ہوئی تھی کہ عقاید پر نظر ثانی کرے، اقرار مذہب کا طریقہ معین کرے اور عبادات عامہ کے لئے ایک ہدایت نامہ تیار کرے۔ اس کے ساتھ کلیسا کی حکومت کے لئے ایک تجویز بھی مرتب کی گئی اور ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ نے متعدد قوانین کے ذریعہ سے ان تجاویز کو منظور کرلیا۔ نظام کلیسا کی جو تجویز مرتب ہوئی تھی اس میں اسکاٹلینڈ کے طریقہ سے صرف اتنا فرق تھا کہ پارلیمنٹ نے کلیسا کی تمام عدالتوں اور مجلسوں کے اوپر ایک بالادست ملکی عدالت مرافعہ مقرر کردی تھی اور یہ ایک نمایاں اضافہ تھا۔

عقاید کی آزا

اگر یہ تغیر اس وقت کیا گیا ہوتا جب ارکان دارالعوام نے

سنٹ مارگیرٹ کے گرجا میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر "عہد و میثاق" کی قسم کھائی تھی. تو تمام قوم نے اسے قبول کرلیا ہوتا لیکن جب جنگ کے ختم ہونے کے بعد اس کا شیوع ہوا تو لوگوں نے اسے کسی اور ہی نظر سے دیکھا۔ باوجودیکہ پرسبیٹرینی طریقے کے قیام کے لئے پارلیمنٹ نے پے درپے رائیں دی تھیں" اس پر بھی اس کا استحکام صرف لندن ولینکا شایر میں ہو سکا۔ ایک طرف علمائے مذہبی "یروشلیم منزل" میں عقاید و عبادات کے اتحاد کا منصوبہ تیار کر رہے تھے دوسری طرف منحرفوں کی قوت بڑھتی جا رہی تھی۔ چارلس کے ساتھ جنگ وجدال کی مصیبت میں مذہبی روایت کے بجائے شخصی عقیدے کو زیادہ تقویت حاصل ہوگئی تھی۔ زمانہ کا انداز ہی یہ تھا کہ مذہبی خیالات میں غیر معمولی جرأت و دلیری پیدا ہو جائے۔ جنگ شروع ہونے کے چار ہی برس بعد ایک ہیبت زدہ رسالہ نویس نے شمار کیا تھا کہ قانون کے علی الرغم سولہ فرقے موجود ہیں" ان جماعتوں میں اگرچہ بہت کچھ اختلافات تھے مگر اس ایک امر میں سب ایک زبان تھے کہ عبادت وعقیدے میں کلیسا اور اس کے پادریوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ملٹن تک نے پرسبیٹرین خیال کو ترک کردیا تھا وہ لکھتا ہے کہ "نئے پرسبیٹرین اب وہی پرانے پادری ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ انھوں نے کچھ زیادہ ہاتھ پاؤں پھیلا دیے ہیں" اس جماعت بندی نے بہت جلد حالات جنگ پر عملی اثر ڈالنا شروع کیا کیونکہ جس گروہ پر خصوصیت کے ساتھ اس نئی

مذہبی آزادی کا سودا سوار تھا وہ وہی گروہ تھا جس کی ہمت و مردانگی پر پارلیمنٹ کی کامیابی کا بہت کچھ انحصار تھا۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ کرامویل نے جن کاشتکاروں سے اپنے سواروں کی نئی جماعت تیار کی تھی۔ ان میں یہ مذہبی جوش پھیلا ہوا تھا اور ان جماعتی اشخاص کا فوج میں بھرتی کرنا قدیم اتحاد عبادت کی پہلی باضابطہ خلاف ورزی تھی۔ درحقیقت کاشتکاروں کے یہ خیالات خود اس کے خیالات نہیں تھے۔ کرامویل نے "عہد و میثاق" پر دستخط کئے تھے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس نے پرسبٹیرینی عقاید اور اس کے کلیسائی انتظام سے منحرف ہوجانے کی صلاح دی ہو۔ اس نے اس معاملہ میں جو پہلا قدم اٹھایا وہ محض عملی ضرورت سے تھا، وہ فوجی ضروریات سے مجبور تھا اور اس نے اپنے دل میں اس کی یہ توجیہ کرلی تھی کہ "ایماندار" آدمیوں کے ساتھ ہمدردی ضروری ہے اور ایک مبہم سا یہ خیال بھی پیدا ہوجاتا تھا کہ تمام عیسائیوں کے درمیان ظاہری عبادت وعقاید سے بالاتر ایک عام اتحاد ہونا چاہیے۔ لیکن پرسبٹیرینوں کی قوت اور ان کے اعتراضات نے اسے مجبور کردیا کہ وہ اس رواداری کے معاملہ میں اور تیزی کے ساتھ قدم آگے بڑھائے۔ جنگ مارسٹن مور کے قبل کرامویل نے لکھا تھا کہ "سلطنت لوگوں کو اپنی خدمت کے واسطے منتخب کرتے وقت ان خیالات کا لحاظ نہیں کرتی۔ صرف اتنا کافی ہے کہ وہ وفاداری کے ساتھ سلطنت کی خدمت کرنا چاہتے ہیں"۔ مارسٹن مور کے

کرامویل اور رواداری

واقعہ سے اسے اور زیادہ یہ خیال پیدا ہوگیا کہ پارلیمنٹ کو مجبور کرے کہ وہ کم سے کم ان "منحرفوں" کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرے، اور اس میں اسے اس حد تک کامیابی ہوئی کہ اس اصول کے نفاذ کے ذرائع سوچنے کے لئے دارالعوام نے ایک کمیٹی مقرر کی؛ لیکن اس کی ان کوششوں سے آخر پیوریٹنوں کے بیشتر حصہ میں قدامت پسندی کا خیال جوش زن ہوگیا؛ لندن کے پادریوں نے ۱۶۴۵ء میں لکھا کہ "ہم اس رواداری کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کے لئے اسقدر کوششیں ہورہی ہیں" اور لندن کی مجلس بلدی نے پارلیمنٹ میں یہ درخواست پیش کی کہ "بلا رو ورعایت" تمام فرقوں کو مٹادیا جائے۔ خود پارلیمنٹ بھی مستقلاً قدامت پسندی پر قائم رہی مگر واقعات جنگ کا مقتضی یہ تھا کہ مذہبی آزادی جائز رکھی جائے؛ ایسکس اور اس کے پرسبیٹرین سپاہی شکست پر شکست کھاتے چلے جاتے تھے۔ فوج کی ترتیب جدید کے لئے دارالعوام نے دارالامرا کے اس مطالبے کو مسترد کردیا تھا کہ فوج کے افسر وسپاہی "عہد ومیثاق" کا حلف اٹھانے کے علاوہ اس کا بھی اقرار کریں کہ "وہ حکومت کلیسا کے اس طریق کو قبول کرتے ہیں جسے ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ نے منظور کیا ہے"۔ نیزبی کی فتح کی وجہ سے محض رواداری سے گزر کر ایک اور وسیع تر سوال پیدا ہوگیا؛ کرامول نے میدان جنگ سے صدر دارالعوام کو لکھا تھا کہ "ایماندار آدمیوں نے اس جنگ میں وفاداری

کے ساتھ آپ کی خدمت انجام دی ہے، یہ قابل اطمینان اشخاص ہیں میں خدا کا واسطہ دے کر آپ سے یہ التجا کرتا ہوں کہ ان کو بد دل نہ کیجئے۔ جو شخص اپنے ملک کی آزادی کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے ایمان کی آزادی کے لئے بھی خدا پر بھروسہ رکھتا ہے،، برسٹل کی تسخیر نے اسے یہ ہمت دلائی کہ وہ اور زیادہ واضح طور پر اس نئے اصول کا اعلان کرے۔ چنانچہ اس نے لکھا تھا کہ "یہاں پرسبٹیرین اور انڈپنڈنٹ دونوں میں عقیدے و عبادت کا ایک ہی سا جوش ہے ان کی حاضری اور ان کے عمل کی ایک ہی کیفیت ہے، یہاں وہ سب کے سب متفق ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے، افسوس ہوگا اگر دوسری جگہ حالت اس کے خلاف ہو، جو لوگ صاحب ایمان ہیں حقیقتاً وہ سب متحد ہیں اور یہ اتحاد روحانی و باطنی ہونے کے باعث اور بھی زیادہ قابل قدر ہے۔ رہگیا اتحاد ظاہری جسے عام طور پر اتحاد عبادت کہا جاتا ہے تو ہر عیسائی امن و امان کے خیال سے اس پر غور کرے گا اور جہاں تک اس کا ایمان اجازت دے گا اسے قبول کرے گا، جو لوگ دل سے ہمارے بھائی ہیں ان پر ہم عقل و رائے کے سوا اور کسی شئے کا دباؤ نہیں ڈالنا چاہتے"۔

چارلس اور پرسبٹیرین

کرامویل کے لب و لہجہ کے اس طرح سخت ہوتے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے مخالفین کی اشتعال انگیز حرکتیں برابر

بڑھتی جاتی تھیں، یوماً فیوماً دونوں فرقے ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے جاتے تھے، پرسبٹیرین پادریوں کو اس امر کی سخت شکایت تھی کہ "جماعتی گروہ" بڑھتا جا رہا ہے اور یہ لوگ اس رواداری سے بیزار تھے جو بلا منظوری قانونی عملی طور پر قائم ہوگئی تھی اسکاٹلینڈ کی فوجیں اب تک نیوارک کے سامنے موجود تھیں اور اسکاٹلینڈ برابر اس امر پر زور دے رہا تھا۔ کہ "عہد و میثاق" کو عمل میں لانا چاہئے اور اتحاد مذہبی ہمہ گیر طریقے پر نافذ کرنا چاہئے۔ دوسری طرف سرہیری وین یہ کوشش کر رہا تھا کہ پارلیمنٹ سختی کو کم کرے، اس نے اس مقصد کے حصول کے لئے شاہ پرستوں کی خالی جگہوں پر دو سو تیس نئے ارکان پارلیمنٹ میں داخل کرائے تھے، اور ان میں سے آئرٹن اور ایلگرنن سڈنی کے سے ممتاز اشخاص انڈپنڈنٹ کی تائید کی طرف مائل تھے؛ لیکن مذہبی دارو گیر کی سختی کے رکے رہنے کا اصلی سبب "عساکر جدیدہ" کا اثر تھا۔ اور کرامویل اس کا نفس ناطقہ تھا، اپنی قسمت کی تباہی کو دیکھکر چارلس نے مستعدی کے ساتھ دونوں فریقوں سے سازشیں شروع کیں اس نے وین اور انڈپنڈنٹ سے آزادی مذہبی کا وعدہ کیا اور اس کے ساتھ ہی پارلیمنٹ اور اہل اسکاٹلینڈ سے بھی مراسلت کرتا رہا۔ فیرفیکس کے اکسفورڈ کی طرف بڑھنے سے اس کے ان مراسلات میں اور عجلت پیدا ہوگئی، اپنے اس آخری مامن سے نکلکر چارلس کچھ دنوں بے سروپا اِدھر اُدھر پھرتا رہا، اس کے بعد اسکاٹلینڈ کی لشکرگاہ

چارلس اہل اسکاٹلینڈ کی لشکرگاہ میں۔ مئی ۱۶۴۶ء

میں جا پہنچا لارڈ لیون نے اسے مغتنم جانا اور فوراً ہی بادشاہ کو
لئے ہوئے نیوکسل کی طرف پلٹ گیا، اس نئی صورتِ معاملات
سے اس فریق کو اپنی بربادی کا اندیشہ پیدا ہوگیا جو آزادی مذہبی
کا خواہاں تھا۔ اہل اسکاٹلینڈ، امرا، اہل لندن سب اس فریق
سے متنفر تھے؛ ان کی امیدیں صرف دارالعلوام سے وابستہ تھیں مگر
ان کے دشمنوں کے ساتھ چارلس کے مل جانے سے یہ امید بھی
جاتی رہی۔ اور چونکہ یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ فرقہ پرسبٹیرین کے
شرائط پر بہت جلد صلح ہوجائے گی، اس لئے دارالعوام میں
بھی آناً فاناً ان کے مخالفوں کی کثرت ہوگئی، ہر دو ایوانہائے
پارلیمنٹ نے اپنی شرائط صلح بادشاہ کے روبرو پیش کردیں۔
انہیں خواب میں بھی یہ گمان نہیں تھا کہ جس شخص نے خود کو
ان کے رحم پر چھوڑ دیا ہے وہ ان شرائط سے کسی طرح کی
مخالفت کرے گا، ان شرطوں کا ماحصل یہ تھا کہ بیس برس
کے لئے فوج اور بیڑے.... کو پارلیمنٹ کے اختیار میں دے دیا
جائے، تمام مفسد (یعنی شاہ پرست) جنہوں نے اس جنگ میں
حصہ لیا ہے ملکی و فوجی عہدوں سے خارج کردئے جائیں، نظام
اسقفی منسوخ کردیا جائے اور بجائے اس کے پرسبٹیرین کلیسا
قائم کیا جائے۔ رواداری یا آزادی ضمیر کے متعلق انہوں نے
ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا، اہل اسکاٹلینڈ نے زور دے کر ان
شرائط کے منظور کرلے نے کے لئے بادشاہ پر زور دیا، اس
کے دوستوں بلکہ ملکہ تک نے ان کے قبول کرلے نے پر اصرار

کیا۔ لیکن چارلس کا مقصود صرف وقت کو ٹالنا تھا۔ اسے یقین تھا کہ خود زمانہ اور آپس کے اختلافات اس کی طرف سے اس کے دشمنوں سے لڑ رہے ہیں۔ اس نے اطمینان کے ساتھ لکھا تھا۔ "میں اس امید سے مایوس نہیں ہوں کہ پرسبٹیرین اور انڈپنڈنٹ دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی طرف کرکے دوسرے کو فنا کردوں گا اور پھر دوبارہ حقیقتاً بادشاہ بن جاؤں گا" اس لئے اس نے ان شرائط کے قبول کرنے سے انکار کردیا جس سے پرسبٹیرین گروہ کو سخت شکست ہوئی۔ ان میں سے ایک شخص نے لکھا کہ "بادشاہ نے ان شرائط کو نامنظور کردیا ہے۔ اب ہمارا کیا حشر ہوگا" ایک انڈپنڈنٹ نے اس کا یہ دنداں شکن جواب دیا کہ "اگر وہ ان شرائط کو قبول کرلیتا تو ہمارا کیا حشر ہوتا" لیکن پارلیمنٹ میں ہالس اور دوسرے کنسروٹیو (مستحفظ) سرگروہوں نے ایک اس سے زیادہ دلیرانہ کارروائی کرنے کی کوشش کی۔ بادشاہ کا مقصود یہ تھا کہ فوج و پارلیمنٹ میں کسی ایک کو دوسرے پر غالب نہ آنے دے اور جب تک اسکاٹلینڈ کی فوج نیوکیسل میں موجود تھی پارلیمنٹ اپنی فوج کی برطرفی پر اصرار نہیں کرسکتی تھی۔ پارلیمنٹ "عساکر جدیدہ" کو برطرف کرکے خود اپنے سپاہیوں کے اثر سے اسی وقت آزادی حاصل کرسکتی تھی جب اسکاٹلینڈ کی فوج انگلستان سے چلی جائے اور بادشاہ کو اپنے پارلیمنٹ کے حوالہ کردے۔ اسکاٹلینڈ کی فوج بھی اس امر سے نا امید ہوگئی تھی کہ وہ

بادشاہ پر اثر ڈال سکے گی اور خود اسکاٹلینڈ میں وہ اسے یہ نہیں
جاسکتی تھی کیونکہ مذہبی مجلس عام کسی ایسے بادشاہ کی آمد کی
روادار نہیں تھی جس نے "عہد و یثاق" کا حلف نہ اٹھالیا ہو،
اس لئے فوج چار لاکھ پاؤنڈ کے عوض اپنے حقوق سے دستبردار
ہوگئی اور چارلس کو ایوانہائے پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی کے سپرد
کرکے خوو سرحد کے پار چلی گئی؛ بادشاہ کو اپنے قبضے میں لاکر
پرسبٹیرین سرگروہوں نے فوراً ہی "عساکر جدیدہ" اور جماعتی
گروہوں پر حملے کرنے شروع کردئے انہوں نے یہ قرار دیا کہ
موجودہ فوج برطرف کردی جائے اور آئرلینڈ کی بغاوت کے
فرو کرنے کے لئے ایک نئی فوج مرتب کی جائے جس کے
عہدہ دار پرسبٹیرین مذہب کے پیرو ہیں؛ سپاہیوں نے یہ عذر کیا
کہ جن افسروں سے انہیں محبت ہے وہ ان سے جدا نہ کئے
جائیں۔ افسروں کی مجلس نے بھی وقت حاصل کرنے کے لئے
پارلیمنٹ پر یہ زور دیا کہ غدر کا اندیشہ ہے۔ مگر کسی بات کا
بھی کچھ اثر نہ ہوا ہالس اور اس کے ساتھ کے دوسرے سرگروہ
اپنی رائے پر مستحکم تھے اور ان کے مذہبی قوانین سے یہ ظاہر
ہوگیا تھا کہ اس تمام کارروائی سے انکا مقصود کیا ہے؛ اتحاد
عبادت کا قطعی نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک کہ
"عساکر جدیدہ" منتشر نہ کردئے جائیں لیکن اس اثنا میں پارلیمنٹ
برابر ایسے سامان مہیا کرتی جاتی تھی جس سے فوج کے
ٹوٹتے ہی اتحاد مذہبی کا نفاذ ہو جائے۔ پیہم احکام نافذ ہورہے تھے

کہ تمام ملک میں فرقہ پرسبٹیرین کی مجلسیں قائم کی جائیں۔ ان کوششوں کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ لندن میں فرقہ پرسبٹیرین کا انتظام مکمل ہوگیا، اور اس کی مجلس مذہبی کا پہلا اجلاس سنٹ پال کے کلیسا میں منعقد ہوا۔ اور خود فیرفیکس کی فوج کے عہدہ داروں تک کو "عہد و میثاق" کے حلف اٹھانے کا حکم دیا گیا۔

لیکن ان تمام باتوں کا انحصار "عساکر جدیدہ" کے منتشر ہوجانے پر تھا اور وہ کسی طرح اس پر راضی نہیں ہوتے تھے فوج کی روش کی نسبت صحیح راے قائم کرنے کے لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ نیزبی کے فاتح کس قسم کے لوگ تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر نوجوان کاشتکار اور معمولی حیثیت کے تاجر تھے اور ان میں اکثر اپنا خرچ خود برداشت کرتے تھے کیونکہ تنخواہ بارہ مہینے سے چڑھی ہوئی تھی۔ اکثر رجمنٹوں میں سوار خصوصیت کے ساتھ "ایماندار" (یعنی مذہبی) آدمیوں میں سے منتخب ہوتے تھے۔ اور انہوں نے مذہبی جوش یا جنون کا جو کچھ بھی اظہار کیا ہو مگر ان کے دشمن تک ان کی لشکر گاہ کی خوش انتظامی اور ان کی پارسائی کے قائل تھے۔ وہ اپنے کو محض سپاہی نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی تنخواہ دینے والا جب چاہے انہیں مقرر کرلے اور جب چاہے برطرف کردے، بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنی زراعت اور اپنی تجارت کو فرمان خدا کی بجاآوری کے لئے ترک کیا ہے، اور ایک بہت بڑا کام انہیں سپرد کیا گیا ہے اور جب تک وہ کام پورا نہو جائے

چارلس کو اب تک یہ امید تھی کہ ان کا قائم رہنا لازم ہے۔ وہ اپنی "تدبیر شاہی" سے پھر خود مختاری حاصل کر لے گا۔ جس "آزادی ضمیر" کے لئے اہل فوج نے "یہ تمام صعوبتیں برداشت کیں، ان کے بہت سے دوستوں نے اپنی جانیں قربان کیں اور خود انہوں نے اپنا خون بہایا" وہ آزادی ابھی تک سخت خطرے میں پڑی ہوئی تھی۔ پس انہوں نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ منتشر ہونے کے قبل اس آزادی کو محفوظ کر لینا چاہئے اور اگر ضرورت ہو تو اس کے لئے بھی جانیں لڑا دینا چاہئیں لیکن ان کا یہ عزم شمشیر زنی کے غرور پر مبنی نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود دارالعوام کے سامنے اس کی وجہ نہایت جوش کے ساتھ یہ بیان کی تھی کہ "سپاہی ہونے کی وجہ سے ہم شہریوں کے حقوق سے محروم نہیں ہو گئے ہیں"۔ ان کی اغراض وتجاویز کی بنا از ابتدا تا انتہا بالکل اس امر پر تھی کہ وہ بھی اہل ملک ہیں۔ وہ اس بات پر آمادہ تھے کہ جس وقت ان کا مقصد پورا ہو جائے وہ بلا عذر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ بحث و مباحثہ نے فوج کو ایک وسیع پارلیمنٹ بنا دیا تھا۔ یہ پارلیمنٹ اپنے کو باخدا لوگوں کی ویسی ہی قائم مقام سمجھتی تھی جیسے وسٹ منسٹر کی پارلیمنٹ اور اسے اپنے رقیب کے مقابلے میں اپنی سیاسی فوقیت کا یقین روز بروز زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ آئرٹن "عساکر جدیدہ" کی روح رواں تھا اور سنیٹ اسٹیون کی پارلیمنٹ میں کوئی مدبر اس کا ہمسر نہیں تھا

اس کے علاوہ فوج کی وسیع النظر و دور رس تجاویز کے مقابلہ میں ایوانہائے پارلیمنٹ کی کورانہ و تنگ خیالانہ طرز عمل محض بے حقیقت تھی۔ ”عساکر جدیدہ“ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جو ذرائع اختیار کئے ان کی نسبت ہم جو چاہیں خیال کریں مگر انصافاً ہمیں یہ قبول کرنا پڑے گا کہ جہاں تک اصل مقاصد کا تعلق ہے فوج ہی بر سر حق تھی۔ گزشتہ دوسو برس میں انگلستان نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا ہے کہ خانہ جنگی کے اختتام پر فوج نے سیاسی و مذہبی اصلاح کی جو تجویز قرار دی تھی اسی کو آہستہ آہستہ سوچ سمجھکر عمل میں لاتا رہا ہے۔ فوج نے کوئی عملی کارروائی اس وقت تک نہیں کی جب تک کہ افسروں کی تجاویز کی نامنظوری سے مصالحت کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد جب اس نے کارروائی کی تو اس کی کارروائی نہایت عاجلانہ و قاطعانہ ہوئی، اس نے تمام سیاسی اغراض کے لئے افسروں کی مجلس کو معطل کردیا اور اپنے وکلا کی ایک نئی مجلس منتخب کی جن میں ہر رجمنٹ سے دو شخص نامزد کئے گئے۔ اس مجلس نے فوج کی ایک عام مجلس مقام ٹریلوہیتھ میں طلب کی جہاں تنخواہ و برطرفی کے متعلق پارلیمنٹ کی تجاویز کو، انصاف! انصاف!! کے شور کے ساتھ مسترد کردیا گیا۔ فوج ابھی جمع ہی ہو رہی تھی کہ یہ وکلا، ایک ایسی کارروائی کر گزرے جس سے اطاعت کا سوال ہی خارج از بحث ہوگیا۔ یہ افواہ

مشہور ہو رہی تھی کہ بادشاہ کو لندن میں منتقل کردیا جائے گا، ایک نئی فوج تیار کی جائے گی اور ایک نئی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اس افواہ نے سپاہیوں کو دیوانہ بنا دیا۔ بادشاہ ہولم بی ہاؤس میں پارلیمنٹ کے مامورین کی زیر نگرانی مقیم تھا، پان سو سوار یکایک اس مقام پر جا پہنچے اور محافظوں کو الگ کردیا۔ بادشاہ نے ان کے سرخیل جوائس سے پوچھا کہ "وہ اس کام کے لئے تمہارا حکم نامہ کہاں ہے" اس نے اپنے سپاہیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "میرے عقب میں ہے" بادشاہ نے ہنسکر کہا کہ "یہ تو بہت ہی واضح اور روشن حرفوں میں لکھا ہوا ہے" درحقیقت یہ معاملہ بادشاہ اور وکلا کے درمیان پہلے سے طے ہوگیا تھا۔ اس نے جوائس سے کہا کہ "تم لوگوں نے مجھسے جو کچھ وعدہ کیا ہے اگر سپاہی اس کی تصدیق کریں تو میں خوشی سے چلا چلوں گا۔ تم مجھسے کوئی ایسا کام نہ لو جس سے میرے ایمان یا میرے مرتبے کو صدمہ پہنچے"۔ جوائس نے جواب دیا کہ "ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ کسی کے ایمان سے تعرض کریں۔ چہ جائے کہ بادشاہ کے ایمان سے"۔ گرفتاری کی خبر سے ایک عام دہشت طاری ہوگئی۔ جب یہ اضطراب فرو ہوا تو پارلیمنٹ نے کرامویل کو اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنایا۔ وہ جنگ کے ختم ہونے کے پہلے ہی اپنے عہدے سے مستعفی ہوکر فوج سے الگ ہوگیا تھا اور اس وقت سے برابر دونوں فریقوں

بادشاہ کی گرفتاری
جون ۱۶۴۷ء

کے درمیان واسطہ کا کام دیتا رہا تھا۔ اس کے پر زور اعتراضات کے سامنے بغاوت کے بھڑکانے کا الزام تو بیکار ہوگیا مگر اسے بھاگ کر فوج میں پناہ لینا پڑی اور ۲۵ جون کو پوری فوج نے لندن کی طرف کوچ کردیا۔ فوج نے اپنے مطالبات نہایت صاف صاف ایک "عاجزانہ درخواست" کی صورت میں پارلیمنٹ کے روبرو پیش کردئے۔ اس درخواست میں انہوں نے لکھا تھا کہ "ہماری خواہش یہ ہے کہ پارلیمنٹ کی رائے و اعلان کے موافق ملک کے امن اور رعایا کی آزادی کا انتظام ہوجائے۔ ہم ملکی حکومت میں کسی قسم کا تغیر نہیں چاہتے۔ علی ہذا ہمیں پرسبیٹرین حکومت کے قیام میں خلل ڈالنے یا اس میں مداخلت کرنے کی بھی کوئی خواہش نہیں ہے" وہ رواداری کے طالب تھے، مگر اس رواداری سے ان کا مقصود یہ نہیں تھا کہ "آزادی ضمیر کے حیلے سے لوگ عیاشانہ زندگی بسر کریں" بلکہ انہوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ "جب سلطنت ایک امر قرار دیدے کی تو ہمیں اس کی اطاعت و فرماں برداری میں کوئی عذر نہ ہوگا" اس انتظام کے بروے کار آنے کے خیال سے انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ پارلیمنٹ سے گیارہ اراکین خارج کردئے جائیں جن میں سب سے مقدم ہالس تھا۔ سپاہیوں نے ان ارکان پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہی لوگ پارلیمنٹ اور فوج کے درمیان فساد برپا کرتے اور ایک نئی خانہ جنگی

کی فکر میں لگے ہوے ہیں۔ کچھ زمانے تک بیکار نامہ و پیام کے بعد آخر اہل لندن کے خوف زدہ ہوجانے کے باعث یہ گیارہوں ارکان پارلیمنٹ سے نکل گئے اور ہردو ایوانہاے پارلیمنٹ نے مسائل زیر بحث پر گفتگو کرنے کے لئے اپنے کمشنر مقرر کئے۔

فوج اور بادشاہ

اگرچہ فیرفیکس اور کرامویل نے مجبور ہوکر واسطہ بننے کی خدمت کو ترک کرکے بدل و جاں فوج کی جانبداری اختیار کرلی تھی مگر اس وقت فوج کی سیاسی باگ کرامویل کے داماد آئرٹن کے ہاتھ میں تھی اور آئرٹن کو اصلی قرارداد کی توقع پارلیمنٹ سے نہیں بلکہ بادشاہ سے تھی؛ اس نے بہت کھرے پن سے یہ کہا کہ "فاتح ومفتوح کے درمیان کچھ فرق ضرور ہونا چاہئے" مگر چارلس کے سامنے جو تجاویز پیش کئے گئے ان میں ہرطرح پر اعتدال مد نظر رکھا گیا تھا؛ پارلیمنٹ نے فریق شاہی اور کلیسا کے متعلق جو منتقمانہ انداز اختیار کیا تھا "عساکر جدیدہ" کے شرایط میں، ان کا نام ونشان بھی نہیں تھا فوج صرف اس امر پر قانع تھی کہ سات خاص "فتنہ انگیز" ملک سے خارج کردیے جائیں، باقی تمام لوگوں کے لئے ایک عام معافی کا قانون منظور ہو جائے، پادریوں سے تمام تہدیدی اختیارات طلب کرلئے جائیں دس برس کے لئے بری وبحری فوجوں پر پارلیمنٹ کی نگرانی قائم کردی جائے اور پارلیمنٹ ہی سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داروں کو نامزد کرے؛ ان مطالبات

کے بعد سیاسی اصلاح کی ایک پر زور و وسیع تجویز پیش کی گئی جس کا خاکہ فوج نے اپنی اس عاجزانہ "درخواست" میں کھینچا جسے لیکر وہ لندن کو آئی تھی.....ان تجاویز کا خلاصہ یہ تھا کہ عقاید اور عباوات میں ہر شخص کو آزادی ہونا چاہئے جن قوانین کی رو سے کتاب ادعیہ کا استعمال، کلیسا کی حاضری اور عہد و میثاق کا عملدرآمد نافذ کیا گیا تھا، وہ سب منسوخ کردئے جائیں یہاں تک کہ کیتھولکوں کو بھی جبری عبادات کی قید سے آزاد کردیا جائے خواہ اور تمام اقسام کی پابندیاں ان پر عاید رہیں، پارلیمنٹ کی میعاد تین برس کی کردی جائے اور حقوق انتخاب اور حلقوں کی زیادہ مناسب تقسیم کے ذریعہ سے پارلیمنٹ کی اصلاح کی جائے محصولات پر ازسرنو نظر کی جائے، قانونی کارروائیوں میں آسانی پیدا کی جائے، اور بے شمار سیاسی، تجارتی اور عدالتی امتیازات کو اٹھا دیا جائے۔ بقول مسٹر ہچیسن آئرٹن کو یقین تھا کہ "چارلس پر یہ اثر ڈالا جاسکتا ہے کہ جب وہ اپنی مرضی پر آزادانہ نہیں چل سکتا تو اپنی رعایا کی بہبودی عامہ کو منظور کرے"، لیکن چارلس کی نظر نہ تو اس عظیم الشان قرارداد کی اعتدال پسندی پر تھی نہ اس کی عاقلانہ تدبیر پر بلکہ وہ اس نازک وقت میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح ایک فریق کو دوسرے فریق سے لڑادے۔ اور اس کو یقین تھا کہ اسے جس قدر فوج کی ضرورت ہے خود فوج کو اس سے زیادہ اس کی

ضرورت ہے"۔ آئرٹن نے جب اپنی تجاویز پر زور دیا تو اس نے
کہا کہ "تم میرے بغیر کچھ نہیں کرسکتے، اگر میں تمہاری تائید چھوڑدوں
تو تمہارا کام ابتر ہوجائے،،۔ آئرٹن نے سکون کے ساتھ اس کا
یہ جواب دیا کہ "حضور یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اور پارلیمنٹ کے
درمیان حَکَم بن جائیں اور ہمارا یہ منشا ہے کہ ہم پارلیمنٹ اور
حضور کے درمیان حَکَم ہوں"۔ لیکن بادشاہ کی کارروائی کی
حقیقت بہت جلد کھل گئی۔ اہل لندن کا ایک غول دارالعوام
میں گھس گیا، اور اراکین کو مجبور کیا کہ گیارہ خارج شدہ
ارکان کو واپس بلالیں۔ تقریباً چودہ امرا اور سو ارکان دارالعوام
بھاگ کر فوج میں آگئے اور جو ارکان وسٹ منسٹر میں رہ گئے
تھے وہ فوج سے علانیہ مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے اور چارلس
کو لندن میں واپس آنے کی دعوت دی۔ لیکن لشکرگاہ میں اس
خبر کے پہنچتے ہی فوج نے پھر کوچ کردیا۔ کرامویل نے اطمینان
کے ساتھ کہا کہ "دو روز میں شہر ہمارے قبضے میں آجائے گا"
سپاہی فاتحانہ طور پر لندن میں داخل ہوے اور مفرور ارکان
کو واپس لائے۔ سابق کے گیارہ ارکان پھر خارج کئے گئے اور
فوج کے سرداروں نے بادشاہ سے گفت وشنود جاری کردی۔ لیکن
اس کے لیت ولعل اور سازشوں نے سپاہیوں کو بھڑکا دیا
تھا اور ان کے غصہ کی وجہ سے لمحہ بہ لمحہ کام کی دشواری
بڑھتی جاتی تھی مگر کرامویل نے اب اپنا سارا وزن آئرٹن
کی طرف ڈال دیا تھا اور اسے قوی امید تھی کہ معاملات

۶ اگسٹ

روبراہ ہوجائیں گے۔ وہ ایک مستحفظ خیال کا شخص اور اس سے
بڑھکر یہ کہ کچھ کر گذرنے والا آدمی تھا؛ وہ سمجھا تھا کہ منصب شاہی
کے ساقط کروے نے سے کس قدر سیاسی دشواریاں پیش آئیں گی
اور اس لئے باوجود بادشاہ کے لیت ولعل کے وہ اس سے گفتگو
کرنے پر مصر تھا لیکن اس معاملہ میں کرامویل بالکل تنہا تھا، پارلیمنٹ
نے آئرٹن کی تجاویز پر صلح کرنے سے انکار کردیا تھا؛ چارلس اب
بھی حیلہ وحوالہ میں لگا ہوا تھا، فوج میں بےچینی وشکوک بڑھتے
جاتے تھے؛ وسیع اصلاحات، دارالامرا کی برطرفی، اور نئے دارالعوام
کے لئے ہر طرف سے شور مچ رہا تھا اور فوج کے وکلا نے افسروں
کی ایک مجلس اس غرض سے طلب کی تھی کہ خود عہدہ شاہی
کی برطرفی کے مسئلے پر غور کرے۔ کرامویل نے اس طوفان عام
کے مقابلے میں جیسی جرأت دکھائی ایسی جرأت کبھی اس سے ظاہر
نہیں ہوئی تھی، اس نے بحث کو روک دیا، مجلس کو ملتوی کرادیا
اور افسروں کو ان کی رجمنٹوں میں واپس کردیا لیکن یہ دباؤ زیادہ
دیر تک قائم نہیں رہ سکتا تھا اور چارلس اب تک اپنی چال بازی
میں لگا ہوا تھا؛ اس کی صداقت کی کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف
کرامویل اور آئرٹن سے گفت وشنود کرتا تھا اور عین اسی وقت
میں جبکہ یہ لوگ اپنی جانوں کو اس کے لئے خطرے میں ڈال
رہے تھے، وہ پارلیمنٹ سے بھی اسی قسم کے فریب آمیز معاملات
طے کرنے، لندن میں بدولی کے بڑھانے، حمایتِ شاہی میں ایک
جدید سورش کی تیار کرنے، اور اپنی طرفداری میں اہل اسکاٹلینڈ

کی مداخلت کی تدبیروں میں مشغول تھا۔ اس نے مسرت کے ساتھ لکھا تھا کہ "بہت جلد دونوں قوموں میں جنگ برپا ہو جائے گی"

بادشاہ کا فرار نومبر ۱۶۴۷ء

اس کی ان تجاویز کی کامیابی کے لئے جس شئے کی ضرورت تھی وہ خود اس کی آزادی تھی۔ فوج کے سرگروہ معاملات کے روبراہ آنیکی امید میں تھے کہ یکایک وہ یہہ معلوم کر کے حیرت زدہ ہو کر رہ گئے کہ انہیں برابر دھوکے دے گئے ہیں اور بادشاہ وہاں سے فرار ہو گیا ہے۔

دوسری خانہ جنگی

بادشاہ کے اس فرار سے عساکر جدید کا اضطراب وحشت سے مبدل ہو گیا، تمام سپاہ ویر میں جمع ہو گئی اور صرف کراموِیل ہی کی جرأت تھی جس نے اس موقع پر علانیہ بغاوت کو روک دیا۔ لیکن سپاہ میں جو جوش پھیل گیا تھا اس کے روکنے پر اب کراموِل بھی قادر نہیں تھا، بادشاہ کی دغا بازی کی وجہ سے اس کے پاس کوئی حیلہ کار باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے کہا کہ "بادشاہ ایک نہایت قابل و فہمیدہ شخص ہے مگر وہ اس قدر پر اسرار و دروغ گو ہے کہ اس پر اب اعتماد نہیں کیا جاسکتا" مگر اس کے فرار سے جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا وہ بہت جلد رفع ہو گیا۔ اس سے ایک عجیب غلطی یہ ہو گئی کہ اس نے ہیمپٹن کورٹ سے جزیرہ وائٹ کی راہ لی۔ شاید اسے کیرسبرک کیسل کے حکمراں کرنل ہیمنڈ سے ہمدردی کی توقع تھی، لیکن وہاں پہنچکر اسے معلوم ہوا کہ وہ پھر قیدی کا قیدی ہے۔ جب وہ اس کوشش میں ناکام رہا کہ نئی خانہ جنگی کا سرگروہ بن جائے تو وہ اپنے قید خانے کے اندر ہی سے اسکی

ترتیب وہی کی فکر کرنے لگا۔ اس نے پھر پارلیمنٹ سے حیلہ آمیز گفتگو شروع کردی مگر اس کے ساتھ ہی انگلستان پر حملہ آور ہونے کیلئے اہل اسکاٹلینڈ کے ساتھ ایک خفیہ معاہدے پر بھی دستخط کردئے "عہدو میثاق" کے عملاً معطل ہوجانے اور انگلستان میں مذہبی آزادی خواہ فریق کے غلبے کے باعث ٹوئیڈ کے پار خیالات میں سخت انقلاب پیدا ہوگیا تھا، اعتدال پسند فریق ڈیوک ہیملٹن کے گرد جمع ہوگیا۔ اور ارگائل اور دوسرے پرجوش مذہبی لوگوں کو انتخابات میں شکست دیدی۔ اور جب بادشاہ نے یہ منظور کرلیا کہ وہ انگلستان میں طریقہ پرسبٹیرین کو ازسر نو قائم کردے گا تو انہوں نے اسکی تائید کے لئے ایک فوج جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ انگلستان میں مذہبی و سیاسی تغیرات کے خوف سے تمام مستحفظ فریق طویل العہد پارلیمنٹ کے بہت سے ممتاز ارکان کی سرکردگی میں بادشاہ کی جانب مائل ہوتا جاتا تھا اسکاٹلینڈ کی خبر سے تقریباً ہر طرف دیوانہ وار شورشیں برپا ہوگئیں۔ لندن کو محض فوج کے ذریعہ سے محفوظ رکھا گیا۔ پارلیمنٹ کے پرانے افسروں نے جنوب ویلز میں شاہی علم بلند کردیا اور پمبروک پر اچانک قبضہ کرلیا۔ بیرک اور کارلائل کے قبضہ سے اہل اسکاٹلینڈ کے لئے حملے کا راستہ کھل گیا۔ کنٹ، اسکس اور ہارٹفرڈ بھی باغی ہو گئے، جو جہازات دہانہ ٹیمز میں موجود تھے انہوں نے اپنے ناخداؤں کو ساحل پر بھیجدیا، اور شاہی جھنڈا بلند کر کے ٹیمز کی ناکہ بندی کرلی۔ کرامویل نے اس وقت یہ آواز بلند کی کہ وہ پارلیمنٹ کے لئے

اب وقت آگیا ہے کہ وہ سلطنت کو بچالے اور خود تنہا حکومت
کرے۔ لیکن پارلیمنٹ نے اس نازک موقع سے صرف یہ فائدہ
اٹھایا کہ بڑے شوق سے اپنے کو قیام بادشاہی کا جانبدار ظاہر
کیا، بادشاہ سے جو گفت و شنود منقطع ہوگئی تھی اسے پھر جاری
کردیا، اور آزادی مذہب پر ایسی سخت ضرب لگانا چاہی کہ سابق
میں اس پر کبھی ایسی ضرب نہیں پڑی تھی۔ پرسبیٹریں ارکان پھر
آ آکر جمع ہوگئے، اور دو کلمات کفر و ارتداد کے دبانے کے لئے"
جس قانون کو وین اور کرامویل نے مدت سے روک رکھا تھا
وہ بڑی شاندار کثرت کے ساتھ منظور کیا گیا۔ اس خطرناک
قانون کا منشا یہ تھا کہ جو شخص عقیدہ تثلیث یا الوہیت مسیح سے انکار
کرے یا یہ کہے کہ انجیل خدا کا کلام نہیں ہے، یا حشر جسمانی نہیں ہوگا،
یا یوم جزا کی کوئی اصلیت نہیں ہے، اور بوقت استفسار اپنے اس
کفر سے توبہ نہ کرے اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ ان کبائر
کے علاوہ صغائر کی ایک طولانی فہرست بھی تیار کی گئی تھی۔ ازانجملہ
یہ کہ جو شخص یہ کہے کہ انسان کو بالطبع یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ
اپنی مرضی سے جس طرح چاہے خدا کی طرف رجوع کرے، مرنیکے
بعد ایک عالم برزخ ہے جہاں انسان گناہوں سے پاک
ہوسکتا ہے، مجسمات کی پرستش جائز ہے، بچوں کو اصطباغ
دینا ناروا ہے، یوم سبت کی حرمت لازمی نہیں ہے، کلیسا کی
حکومت عام پادریوں کے ذریعہ سے عیسویت کے خلاف یا ناجائز
ہے، وہ اگر اپنی خطاؤں سے باز آنے سے انکار کرے تو اُسے

ایوانہاے پارلیمنٹ اور فوج

قید کی سزا دی جائے گی۔ صاف ظاہر تھا کہ فرقہ پرسبیٹرین کو یہ اعتماد تھا کہ بادشاہ کو کامیابی ہوجائے گی تو وہ پھر اتحاد عبادت کی روش پر چلنے لگیں گے اور اگر چارلس آزاد ہوجاتا یا عساکرجدیدہ منتشر ہوجاتے تو ان کی اس امید کا برآنا غالباً ممکن تھا۔ لیکن چارلس کی طرف سے اطمینان تھا کہ وہ کیرسبرک میں مقید ہے، اور "عساکر جدیدہ" زور کے ساتھ اس خطرے کا مقابلہ کر رہے تھے جو اسے ہر طرف سے گھیرے ہوے تھا، ایسے وقت میں کہ ہر جانب سے امن کی توقع پیدا ہوگئی تھی بے سروپا طور پر جنگ کے پھر جاری کردے نے سے عام فوج کی طرح فیرفیکس اور کرامویل کے دل سے بھی یہ خیال نکل گیا تھا کہ بادشاہ سے کسی قسم کی مصالحت ممکن ہے۔ آخر پھر سپاہی وافسر ایک عزم پر متحد ہوگئے۔ باغیوں کے مقابلے کے لئے کوچ کرنے سے قبل شام کے وقت وہ سب دعا کے لئے جمع ہوے اور انہوں نے متفقہ طور پر صاف صاف عزم یہ قائم کیا کہ "اگر خدا ہمیں امن کے ساتھ واپس لایا تو ہم اُسے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس خونخوار شخص چارلس اسٹوارٹ سے اس تمام خونریزی ومصیبتوں کا جواب لیں گے جو اس نے اپنی انتہائی کوشش سے خدا کے مقصد اور اس غریب قوم کے خلاف برپا کی ہیں"۔ چند ہی روز کے اندر اندر فیرفیکس نے کنٹ کے باغیوں کو پامال کردیا، اور مشرقی صوبجات کے سرکشوں کو کولچسٹر کی دیواروں کے اندر محصور کرلیا۔ دوسری طرف کرامویل نے ویلز کے فتنہ پردازوں کو پیمبروک

میں بھگا دیا۔ لیکن ان دونوں شہروں نے بڑی استقامت دکھائی۔ لارڈ ہالینڈ کے تحت میں ایک بغاوت لندن کی نواح میں بھی ہوگئی تھی۔ یہ آسانی سے فرو ہوگئی مگر اب اہل اسکاٹلینڈ کی یورش کے روکنے کے لئے کوئی فوج باقی نہیں رہی تھی اور انہوں نے بیس ہزار سپاہی سرحد کے پار اُتار دئے تھے۔ خوش قسمتی سے اس نازک موقع پر پمبروک نے اطاعت قبول کرلی اور کرامویل کو آزادی مل گئی۔ وہ پانچ ہزار آدمیوں کو لئے ہوئے بہت جلد شمال کی طرف بڑھا۔ لیمبرٹ کی فوج کو جو اسکاٹلینڈی فوج کے آس پاس لگی ہوئی تھی، طلب کیا، اور یارکشائر کی پہاڑیوں کو قطع کرتا ہوا وادئ ربل میں پہنچ گیا۔ یہاں ڈیوک ہملٹن جسے شمال کے تین ہزار شاہ پرستوں سے تقویت مزید حاصل ہوگئی تھی، پریسٹن تک بڑھ آیا تھا۔ کرامویل کی فوج اب دس ہزار تک پہنچ گئی تھی اس نے اپنا سارا زور ڈیوک کی منتشر سپاہ پر ڈال دیا اور اہل اسکاٹلینڈ جب دریاے ربل کی طرف پسپا ہوئے تو ان پر بھی حملہ کردیا، اور ان کے ساتھ ہی ساتھ دریا سے پار اُتر کر ان کے ساقہ کو بہ مقام وِگن کاٹ ڈالا، ایک تنگ راستے سے انہیں وارنگٹن کی طرف ہٹا دیا۔ شکستہ حال حریف نے یہاں پر جگر ایک آخری مقابلہ کیا، لیکن اس کی پیدل سپاہ نے کرامویل کے آگے ہتیار ڈال دئے اور لیمبرٹ نے ہیملٹن اور اس کے سواروں کا تعاقب کر کے سب کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس فتح کے بعد ہی "عساکر جدیدہ" سرحد کے پار اُتر گئے اور

اسکاٹلینڈی حملہ

۱۷؍اگست ۱۶۴۸ء

ایرشائر اور مغرب کے کسانوں نے خروج کر کے اڈنبرا پر حملہ کردیا، شاہی فریق کو بھگا دیا اور ارگائل کو پھر با اقتدار بنا دیا۔ ان کا یہ خروج یورش "وہگیمور"، کے نام سے مشہور ہے، یہ پہلا موقع ہے جس میں، وہگ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (ممکن ہے کہ یہ لفظ وہگ، وہے کا مرادف ہو جس کے معنی چھاچھ کے ہیں اور طنزاً پر جوش اہل ایرشائر کے لئے استعمال ہوا ہو۔ ارگائل نے نجات دہندہ کے طور پر کرامویل کا خیر مقدم کیا، مگر یہ فاتح سپہ سالار ابھی اڈنبرا میں داخل ہی ہوا تھا کہ جنوب کی خبروں نے اسے واپس چلے جانے پر مجبور کردیا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ شاہ پرستوں کی اس بغاوت کو پارلیمنٹ نے جس نظر سے دیکھا تھا وہ فوج کے نقطۂ خیال سے بہت ہی مختلف تھی۔ پارلیمنٹ نے گیارہ خارج کئے ہوئے ارکان کو واپس بلا لیا تھا اور ارتداد کے خلاف قانون نافذ کردیا تھا۔ کرامویل ادھر پرلیسٹن کی فتح میں مشغول تھا، ادھر دارالامرا میں اس پر غدّاری کا جرم عاید کرنے کی بحث ہورہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آزاد خیالوں کی مخالفت کے باوجود پارلیمنٹ کی طرف سے پھر کمشنر جزیرہ وائٹ کو بھیجے گئے کہ بادشاہ سے صلح کی کارروائی مکمل کریں۔ شاہ پرست اور پریسبیٹرین دونوں نے چارلس پر زور دیا کہ اب جو آسان شرائط پیش ہوئے ہیں انہیں ضرور منظور کرلے مگر اسکاٹلینڈ سے امید منقطع ہونے کے ساتھ ہی اسے آئرلینڈ کی فوج کی مدد سے ایک نئی جنگ برپا کرنے کی توقع پیدا

بربادی

ہو گئی تھی پیامبروں نے دیکھ لیا کہ بیکار حیلہ وحوالہ میں چالیس روز گزر گئے۔ چارلس نے اپنے دوستوں کو لکھا تھا کہ "میرے منصوبوں میں کوئی فرق نہیں آیا ہے" لیکن اگست میں کولچسٹر نے فیرفیکس کی اطاعت قبول کر لی، اور کرامویل نے آرگائل سے معاہدہ کر لیا جس سے فوج کو آزادی مل گئی اور فوج کی رجمنٹوں نے بادشاہ کو عدالت میں لانے کے لئے درخواستیں دینا شروع کر دیں۔ افسروں کی مجلس کی طرف سے ایک تازہ مطالبہ پیش ہوا کہ ایک نئی پارلیمنٹ کا انتخاب، طریق انتخاب میں اصلاح کیجائے، تمام معاملات میں ایوانہائے پارلیمنٹ کی رائے غالب رہے، شاہی اگر قائم رکھی جائے تو بادشاہ کو پارلیمنٹ کا ایک منتخب کردہ کار فرما بنا دیا جائے جسے پارلیمنٹ کی کارروائیوں کو نامنظور کرنے کا اختیار نہ ہو۔ سب سے بڑھکر یہ کہ "جو شخص اس تمام مصیبت کا بانی مبانی ہے، اور جس کے حصول مقصد کے لئے اس کے فرمان، حکم اور اختیار سے یہ تمام جنگ وجدل اور یہ تکلیفیں پیش آئی ہیں اس پر خصوصیت کے ساتھ اس غداری، خوں ریزی اور تباہ کاری کا الزام عاید کیا جائے اور اس کا انصاف کیا جائے"، اس مطالبے نے ایوانہائے پارلیمنٹ کو مایوس کر دیا۔ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ بادشاہ کے شرائط کو جو درحقیقت کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے بطور بنیاد صلح کے قبول کر لیا۔ سپاہیوں نے اسے اپنی مخالفت کا اعلان سمجھا۔ چارلس کو پھر سواروں کے ایک دستے نے

فوج کے مطالبات

گرفتار کر کے ہرسٹ کیسل میں پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ ہی فیرفیکس نے ایک خط کے ذریعہ سے یہ مشتہر کر دیا کہ وہ لنڈن کیطرف بڑھ رہا ہے۔ سواروں نے ایوانہائے پارلیمنٹ کو گھیر لیا اور وین نے کہا کہ " اب ہم دیکھیں گے کہ کون بادشاہ کی طرف ہے اور کون رعایا کی طرف ہے " لیکن منصب شاہی اور کلیسا کے بچانے کا وفادارانہ خیال جس خطرے میں پڑ گیا تھا، اس کے مقابلے میں فوج کی ہیبت کمزور ثابت ہوئی اور ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ نے اب بھی بہت بڑی کثرت رائے سے یہ قرار دیا کہ چارلس نے جو شرائط پیش کئے ہیں انہیں قبول کر لینا چاہئے۔ دوسرے روز صبح کو کرنل پرائڈ دارالعوام کے دروازے پر آ موجود ہوا اور اس کے ہاتھ میں فریق غالب کے چالیس ارکان کی ایک فہرست تھی۔ افسروں کی مجلس نے ان کے اخراج کا فیصلہ کر لیا تھا اور ان میں سے جو شخص آتا وہ گرفتار کر کے حراست میں لے لیا جاتا۔ ایک رکن نے پوچھا کہ " تم کس حق سے ایسا کرتے ہو" ہیوپٹرز نے اس کا یہ جواب دیا کہ " ہم تلوار کے حق سے ایسا کرتے ہیں " دارالعوام اب بھی اپنی رائے پر قائم تھا لیکن جب دوسرے روز صبح کو چالیس ارکان اور خارج کر دیئے گئے تو باقی ارکان مغلوب ہو گئے۔ تلوار نے اپنا کام کر دکھایا اور جن دو بڑی طاقتوں نے یہ ناگوار جنگ شروع کی تھی دونوں یکایک غائب ہو گئیں نہ پارلیمنٹ ہی رہی اور نہ بادشاہی۔ ایکسو چالیس ارکان یعنے

دارالعوام کے حصہ کثیر کے خارج کر دینے سے دارالعوام کا صرف نام رہ گیا تھا۔ ارکان میں فوج کا ساتھ دینے والے جو لوگ باقی رہ گئے تھے، وہ ملک کے قائم مقام نہیں سمجھے جا سکتے تھے۔ ایک بازاری فقرہ ہر طرف یہ پھیل گیا تھا کہ "پارلیمنٹ تو رہی نہیں اس کی دم" رہ گئی ہے۔ بایں ہمہ دارالعوام کا ایک ہیولیٰ تو باقی رہ گیا تھا مگر دارالامرا بالکل ہی غائب ہو گیا۔ پرائڈ کی اس کاٹ چھانٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو ارکان باقی رہ گئے تھے انہوں نے چارلس پر مقدمہ چلانے کی تجویز کو منظور کر لیا، اور اس کے لئے ایک عدالت ڈیڑھ سو ماموررین خاص کی مقرر کی جن کا صدر ایک ممتاز قانون پیشہ جان براڈشا تھا۔ چند امرا جو باقی رہ گئے تھے انہوں نے اس حکم کو نامنظور کر دیا، اس پر دارالعوام کے مابقی ارکان نے ایک دوسری تحریک یہ منظور کی کہ "خدا کے زیر سایہ قوم ہی تمام منصفانہ طاقتوں کا سرچشمہ ہے، پارلیمنٹ انگلستان کے دارالعوام کا یہ جلسہ جسے قوم نے منتخب کیا ہے اور جو قوم کا قائم مقام ہے، اس ملک میں سب سے اعلیٰ طاقت ہے، اور دارالعوام کے جلسے میں جو امر منظور ہو جائے اور اسے وہ قانون قرار دے وہ قانون کی قوت حاصل کر لیتا ہے، اور بادشاہ اور دارالامرا اسے منظور نہ بھی کریں تو بھی وہ تمام قوم کا نافذ کیا ہوا سمجھا جائے گا"

بادشاہ کی موت

چارلس، براڈشا کی عدالت کے سامنے آیا مگر صرف اسلئے

کہ وہ اس عدالت کے جواز کو باطل قرار دے اور جواب دینے سے انکار کرے۔ مگر ججوں کے اطمینان کے لئے بتیس گواہوں کے اظہار لئے گئے اور پانچویں روز چارلس پر ستمگاری، بغاوت، قتل، اور دشمنی ملک کا الزام لگاکر اس کی نسبت موت کا حکم صادر کیا گیا۔ مقدمہ کے دوران میں عام اضطراب کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہر طرف سے "انصاف"، یا "خدا بادشاہ کو سلامت رکھے"، کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، مگر جب چارلس اپنی قتل گاہ کی طرف چلا ہے اس وقت سپاہیوں کے شور و غل کے سوا اور کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ براڈشا اور ججوں کے ساتھ بحث و تکرار میں اس نے اپنی جس وقعت کو فراموش کردیا، وہ موت کے وقت پھر عود کر آئی۔ زندگی میں اس سے جو کچھ بھی غلطیاں اور حماقتیں سرزد ہوئی ہوں مگر اس "قابل یادگار موقع پر اس سے کوئی ذلیل یا عامیانہ فعل نہیں صادر ہوا"، وہائٹ ہال کے ایوان دعوت کی ایک کھڑکی کے سامنے تختہ قتل نصب کیا گیا۔ بادشاہ جب اس تختے پر چڑھا ہے تو دو نقاب پوش جلاد اس کے انتظار میں کھڑے تھے، چھتیں تماشائیوں سے بھری ہوئی تھیں، اور نیچے سپاہیونکی ایک مضبوط جماعت صف بستہ کھڑی تھی پہلی ہی ضرب پر اسکا سر کٹ کر گر پڑا اور جلاد نے جب اس سر کو اٹھاکر دکھایا تو اس خاموش مجمع کی زبان سے رحم وخوف کے احساس کے ساتھ ایک آہ نکل گئی۔

جزو نہم

دولت عامہ

۱۶۴۹-۱۶۵۳

اسناد۔ رشورتھ کے مجموعۂ کاغذات کا سلسلہ بادشاہ کے مقدمہ مرافعہ تک آکر ختم ہو جاتا ہے۔ وہائٹ لاک اور لڈلو کے بیانات بدستور جاری رہتے ہیں، مگر انکے تکملہ کیلئے "تاریخ پارلیمنٹ" (Parliamentary History) اور "مقدمات سلطنت" (State Trials) کا دیکھنا بھی ضروری ہے مسٹر فارسٹر کی تصنیف "مدبران دولت عامہ" (Statesmen of the Commonwealth) میں وین اور مارٹن کی جداگانہ سوانح عمریاں موجود ہیں، اور مسٹر بسٹ نے اپنی "تاریخ دولت عامہ" (History of the Commonwealth) میں مجلس سلطنت کی پرزور حمایت کی ہے۔ آئرلینڈ کے معاملات کے لئے آرمنڈ کے کاغذات (مرتبہ کارٹ) اور کارلائل کے خطوط (Letters) میں کرامویل کے مراسلات دیکھنا چاہئیں۔ مسٹر کارلائل نے جنگ اسکاٹلینڈ کے حالات جہاں بیان کئے ہیں، وہ غالباً انکی تصنیف کا سب سے زیادہ قابل قدر حصہ ہے۔ ایم۔گیزو نے اپنی کتاب "جمہوریہ و کرامویل" (Republic & Cromwell Vol. I) میں اس دور کے غیر ملکی معاملات اور اس کی لڑائیوں

کی خوب ہی تشریح کی ہے، اور اس میں مستند کاغذات کا ایک بہت بڑا ضمیمہ بھی لگا دیا ہے۔ پڑھنے والوں کے لئے عموماً گیزو کے بیانات سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قرین انصاف ہیں۔ مسٹر ہیورتھ ڈکسن نے بلیک کی ایک سوانح عمری شایع کی ہے۔ (مسٹر بیسن کی سوانح عمری ملٹن (جلد چہارم و پنجم) جس سے اس دور کی کیفیت واضح ہوتی ہے، اس فہرست کے مرتب ہونے کے بعد شایع ہوی ہے۔ مدیر)

سلطنت

بادشاہ کی خبر موت نے تمام یورپ میں ایک نفرت خیز سنسنی پیدا کردی زار روس نے سفیر انگلستان کو ذلت کے ساتھ نکال دیا۔ جمہوریہ کے اعلان کے ساتھ ہی فرانس نے اپنے سفیر کو واپس بلالیا۔ ایک ایسی پروٹسٹنٹ سلطنت سے جس نے اپنے بادشاہ کو قتل کردیا ہو، ہر قسم کے تعلقات کے منقطع کرنے میں براعظم کی پروٹسٹنٹ سلطنتیں سب سے پیش پیش تھیں۔ ہیگ میں قتل کی خبر پہنچتے ہی ہالینڈ علانیہ مخالفت کرنے میں سب پر سبقت لیگیا۔ "اسٹیٹس جنرل،، (مجلس نیابتی) نے شہزادہ ویلز کی (جس نے چارلس دوم کا لقب اختیار کرلیا تھا) باقاعدہ باریابی حاصل کی، اور اُسے بادشاہ تسلیم کرلیا، اور انگریزی سفیروں کی باریابی سے انکار کردیا۔ ہالینڈ کا حکمران شہزادہ آرینج چارلس کا برادر نسبتی تھا، اُس نے چارلس کو مدد دی اور اُس کی ہمت افزای کی اور عوام نے اِس معاملے میں اپنے اظہار ہمدردی سے اپنے شہزادے کی

تائید کی انگریزی بیڑہ جسوقت پارلیمنٹ سے منحرف ہوا تھا اسیوقت
سے اُس کے گیارہ جہاز ہیگ میں پناہ گزیں تھے، ان جہازوں
کو ریوپرٹ کے تحت میں سفر کی اجازت دیدیگئی اور انہوں نے
انگریزی تاجروں کے لئے سمندر کو خطرناک بنا دیا؛ وطن سے قریب تر
خطرات اور بھی سخت تھے۔ اسکاٹلینڈ میں آرگائل اور اُس کے
رفقا نے چارلس دوم کو بادشاہ مشتہر کرکے ایک سفارت ہیگ
کو روانہ کردی تھی کہ وہ اسکاٹلینڈ میں آکر چارلس سے تخت نشین
ہونے کی درخواست کرے............ بغاوت کے وقت سے
آئرلینڈ میں متخاصم فریقوں نے جو ابتری برپا کر رکھی تھی اس میں
آرمنڈ نے جو اخیر تک بادشاہ کا جانب دار رہا تھا بالاخر یک گونہ
یکسوی پیدا کردی تھی۔ اوویِن رو اونیل کے زیر اثر آئرلینڈ کے
قدیم کیتھولک یعنی وطنی فریق، حلقہ انگریزی کے کیتھولک، حکومت
اساقفہ کے ماننے والے شاہ پرست، اور شمال کے پرسبیٹیرین حامیان
شاہی سب ایک حد تک متفق ہوگئے تھے، اور آرمنڈ نے چارلس
سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ فوراً اس ملک میں آجائے
جس کی تین چوتھائی آبادی اُس کی اعانت کے لئے آمادہ
ہے؛ قانونی قوت کا انحصار اب جن چند باقیماندہ ارکان پارلیمنٹ پر
رہگیا تھا، انہوں نے بھی اس بیرونی خطرے کی روک تھام میں
کچھ سرگرمی نہیں دکھائی۔ دارالعوام نے اپنے نئے کام کو تذبذب
و تاخیر کے ساتھ شروع کیا۔ بادشاہ کے قتل کے بعد کئی ہفتے
گذر گئے جب جاکر بادشاہی کو باقاعدہ منسوخ کیا گیا اور قوم

بادشاہی کی منسوخی

کی حکومت کے لئے دارالعوام کے اکتالیس ارکان کی ایک "مجلس سلطنت" منتخب کی گئی اور اسے اندرون ملک اور بیرون ملک میں کامل عاملانہ اختیارات عطا کئے گئے۔ دو مہینے اور گزر گئے جب جاکر وہ یادگار زمانہ قانون منظور ہوا کہ "انگلستان اور ان تمام اقطاع و ممالک کے باشندوں کی جو اس سے تعلق رکھتے ہیں ایک دولت عامہ یا آزاد سلطنت مرتب اور قائم کی جاتی ہے، اور آیندہ اُس کی حکمرانی ایک دولت عامہ یا آزاد سلطنت کی حیثیت سے اُسی قوم کے اعلیٰ اختیار سے ہوگی۔ یعنی قوم کے قائم مقاموں کی پارلیمنٹ اور جن عمال و وزرا کو یہ پارلیمنٹ قوم کے سود و بہبود کے لئے مقرر و نصب کرے وہی حکومت کریں گے، حکومت میں بادشاہ یا دارالامرا کی شرکت نہیں ہوگی"

اس نئی دولت عامہ کو جن خطرات کا اندیشہ تھا اُن میں سے بعض بظاہر جس قدر خطرناک معلوم ہوتے تھے حقیقۃً اسقدر خطرناک نہیں تھے۔ فرانس و اسپین میں رقابت قائم تھی اور اُن میں سے ہر ایک انگلستان کو اپنا دوست بنانا چاہتا تھا، اور اسطرح انگلستان، براعظم کی ان دو بڑی طاقتوں کی مخالفت سے بچ گیا۔ ہالینڈ کو فاسد ارادوں سے باز رکھنا اگر کلیتہ .... ممکن نہیں تھا تو نامہ و پیام کے ذریعہ سے اس میں تاخیر پیدا کردینا تو ممکن تھا۔ اسکاٹلینڈ اس امر پر مصر تھا کہ چارلس باضابطہ بادشاہ تسلیم کئے جانے کے قبل عہد و میثاق کو قبول کرے اور چارلس

جبتک ضرورت سے سخت مجبور نہو جائے اسے قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آئرلینڈ کا خطرہ زیادہ سخت تھا اس لئے بارہ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج اس جنگ کو پوری قوت کے ساتھ سرانجام دینے کے لئے علیحدہ کردیگئی تھی، مگر اصلی مشکلات خود اندرون ملک کے مشکلات تھے۔ چارلس کی موت سے شاہی طرفداروں میں ایک نیا جوش پیدا ہوگیا تھا اور کتاب "آئیکون بازیلیکے" کی اشاعت سے اس نئی وفاداری کا جوش اور بھی بڑھ گیا تھا۔ یہ کتاب درحقیقت ایک پرسبٹیرین پادری ڈاکٹر گاڈن کی جدت طبع کا نتیجہ تھی مگر عام یقین یہ تھا کہ بادشاہ نے اُسے اپنی قید کے آخری زمانے میں تصنیف کیا ہے۔ اس کتاب میں بڑی ہی خوبی سے اس شاہی "شہید" کی امیدوں، اس کی مصیبتوں اور اس کی پاکبازی کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ بغاوت کے گمان ہی پر نہایت بیدردی سے ڈیوک ہملٹن، لارڈ ہالینڈ اور لارڈ کیپل کو (جو ابتک ٹاور میں قید تھے) پھانسی دیدیگئی، مگر عام ناراضی کا اثر خود مجلس سلطنت پر بھی پڑ چکا تھا۔ پہلے اجلاس میں جب ارکان سے کہا گیا کہ وہ بادشاہ کے قتل اور دولت عامہ کے قیام کو درست سمجھنے کا حلف لیں تو اُس میں سے اکثر لوگوں نے اس قسم کا حلف اٹھانے سے انکار کردیا۔ آدھے ججوں نے اپنے عہدوں سے کنارہ کیا۔ تمام وظیفہ یاب پادریوں اور سرکاری عمال سے یہ خواہش کیگئی تھی کہ وہ جمہوریت کی وفاداری کا حلف لیں، ان میں سے

ہزارون نے اس سے انکار کردیا؛ ماہ مئی کے قبل یہ ہنو سکا کہ
مجلس سلطنت لندن میں دولت عامہ کا اعلان کردیتی اور اسوقت
بھی اہل شہر اس اعلان سے مکدر ہی رہے؛ لیکن فوج کا یہ خیال
نہیں تھا کہ وہ ایک خالص فوجی حکومت قائم کردے، نہ اُسکا
یہ منشا تھا کہ معاملات ملک کا انصرام اس مختصر سی جماعت کے
ہاتھ میں رہنے دے جو ابتک اپنے کو دارالعوام کہتی تھی، اور
جس میں مشکل سے سو رکن تھے اور اُنکی بھی اوسط حاضری
پچاس سے کچھ ہی اوپر ہوتی تھی۔"پرائڈ کے تنقیہ" کے ذریعہ
سے دارالعوام کو ایک سایۂ محض بنا دینے سے فوجکے خواب وخیال
میں بھی نہ تھا کہ یہی رہے سہے ارکان ایک مستقل مجلس کی
حیثیت سے قائم رہیں گے؛ درحقیقت اس کے عارضی قیام کے
لئے بھی فوج نے یہ شرط لگادی تھی کہ وہ ایک جدید پارلیمنٹ
کے لئے ایک مسودہ قانون تیار کرے۔ افسروں کی مجلس نے
اس بارے میں جو تجویز پیش کی تھی وہ اس اعتبار سے ابتک
دلچسپ سمجھی جاتی ہے کہ زمانہ مابعد میں پارلیمنٹ میں اصلاح
کرنے کی کوششیں اسی بنیاد پر کی گئیں۔ اس میں یہ صلاح
دیگئی تھی کہ موسم بہار میں پارلیمنٹ برطرف کردی جائے اور
ہر دوسرے سال ایک نئی پارلیمنٹ جمع ہوا کرے جس میں
چار سو رکن ہوا کریں اور ان کا انتخاب تمام مکاندار کیا کریں
اور شرط ملکیت کی حد ایسی مقرر کی جائے کہ غریب سے غریب
آدمی بھی اس میں شامل ہوسکے اور حلقوں کو ازسرنو اسطرح

تقسیم کیا جائے کہ تمام اہم مقامات کو نیابت کا حق حاصل ہوجائے۔
تنخواہ دار فوجی افسر اور ملکی عہدہ دار انتخاب سے خارج کردئے
گئے تھے، دارالعوام نے ظاہرا اس تجویز کے موافق ایک مسودہ
قانون مرتب کرنے کے لئے متواتر بحثیں بھی کیں مگر یہ شبہہ پیدا
ہوتا جاتا تھا کہ فی الحقیقت موجودہ دارالعوام خود اپنی برطرفی
نہیں چاہتا۔ اس سے ایک عام بددلی پھیل گئی اور جان للبرن
ایک دلیر و تند مزاج سپاہی اس بددلی کا نفس ناطقہ بن گیا، فوج
کے اضطراب نے بیکایک مئی کے مہینے میں ایک مہیب بغاوت
کی صورت اختیار کرلی، کرامویل نے مجلس سلطنت میں غصے کے
ساتھ یہ کہا کہ "تم ان لوگوں کو کاٹ کر رکھدو ورنہ وہ
تمہیں کو کاٹ کر رکھدیں گے"، اُس نے پچاس میل تک
سخت یلغار کرکے نصف شب میں ان باغی رقیبوں کو یکایک
جالیا اور بغاوت کا خاتمہ کردیا، لیکن کرامول جسطرح بدنظمی کے
مٹانے میں سخت تھا اسیطرح وہ فوج کے اس مطالبے میں سچے
دل سے شریک تھا کہ ایک نئی پارلیمنٹ منتخب ہونا چاہیئے!
اُس کا یقین تھا اور اُس نے باغیوں کے سامنے یہ اقرار
کیا تھا کہ دارالعوام نے اپنی برطرفی کی تجویز پیش کردی ہے،
لیکن خود دارالعوام کے اندر چند مدبّروں کا ایک گروہ ایسا
بن گیا تھا جو بڑی شدت سے اس امر پہ اڑا ہوا تھا کہ
دارالعوام اپنی حالت پہ قائم رہے۔ ہنری مارٹن نے حضرت موسیٰ
کے قصے کے پیرایہ میں دولت عامہ کی ایک پر مذاق تصویر

کھینچی ہے کہ وہ ایک نوزائیدہ اور نازک بچہ ہے اور وہ جس ماں نے اسے جنا ہے اس سے زیادہ کوئی اسکی پرورش کا اہل نہیں ہے،، لیکن اسوقت تک پارلیمنٹ نے اپنے ارادوں کو پوشیدہ رکھا تھا، اور اگرچہ ایک نئی مجلس نیابتی کے قانون کے منظور ہونے میں تاخیر ہو رہی تھی مگر کرامویل کو پارلیمنٹ کی طرف سے کچھ زیادہ شک نہیں تھا۔ اس اثنا میں آئرلینڈ میں شاہ پرستوں کو مسلسل کامیابیاں حاصل ہونے لگیں یہاں تک کہ صرف ڈبلن پارلیمنٹ کی فوج کے ہاتھ میں رہگیا تھا اور مجبوراً کرامویل کو آئرلینڈ جانا پڑا۔

اگست ۱۶۴۹ء

فتح آئرلینڈ

ایک طرف اسکاٹلینڈ سے جنگ کا اندیشہ تھا، دوسری طرف ہالینڈ سے بحری تصادم کا اندیشہ تھا۔ ایسی حالت میں لازمی تھا کہ آئرلینڈ میں فوج اپنا کام بہت جلد انجام کو پہنچا دے۔ کرامویل اور اُس کے سپاہیوں کے دل انتقام کے جوش سے بھی بھرے ہوئے تھے کیونکہ آئرلینڈ کے قتل عام کی نفرت ابتک انگریزوں کے دلوں میں تازہ تھی اور اس بغاوت کو بھی اسی قتل عام......... کا سلسلہ سمجھا جاتا تھا۔ کرامویل نے اس سرزمین پر پہنچ کر یہ کہا کہ "ہم بیگناہوں کے خون کا مواخذہ کرنے کے لئے آئے ہیں اور جو لوگ مسلح ہو کر ہمارے سامنے آئینگے انہیں سے ہم باز پرس کریں گے،، ڈبلن کے ایک حملے نے آرمنڈ کے محاصرے کو پہلے ہی توڑ دیا تھا۔ آرمنڈ نے یہ دیکھکر کہ

نئی فوج کے مقابلے میں وہ بالکل بے بس ہے اُس نے اپنی فوج کے بہترین حصے یعنی تین ہزار انگریزوں کو سر آرتھر ایسٹن کے تحت میں ڈروجیڈا کے اندر قلعہ بند کر دیا۔ کراموِیل نے ڈروجیڈا کو مسخر کر لیا اور اُس کے ہولناک مقاتل عام کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوا۔ قلعہ نشین فوج دلیری کے ساتھ لڑی اور پہلے حملے کو رد کر دیا مگر دوسرے حملے نے ایسٹن اور اس کی سپاہ کو مل ماؤنٹ کی طرف ہٹا دیا۔ کراموِیل اپنے ہیبتناک مراسلے میں لکھتا ہے کہ "ہمارے سپاہی جب اوپر کو چڑھے تو میں نے انہیں یہ حکم دیدیا تھا کہ سب کو تہِ تیغ کر ڈالیں، اور اس گرمی ہنگامہ میں ان سے یہ بھی کہدیا تھا کہ شہر میں جسے مسلح دیکھیں اُسے زندہ نہ چھوڑیں اور میرا خیال ہے کہ اس رات میں انہوں نے دو ہزار آدمیوں کو قتل کیا ہوگا"۔ کچھ لوگوں نے سنٹ پیٹر کے گرجا میں بھاگ کر پناہ لی، اُسکی نسبت کراموِیل لکھتا ہے کہ "میں نے حکم دیا کہ گرجا کے مینار میں آگ لگا دی جائے، اور ایک شخص کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "پناہ بخدا میں جلا" خود گرجا کے اندر ایک ہزار آدمیوں کے قریب قتل ہوئے اور میرا یقین ہے کہ فرائروں میں دو شخصوں کے سوا سب کے سر تن سے جدا ہوگئے تھے"۔ لیکن سپاہیوں کے علاوہ اور لوگوں کے قتل کئے جانے کی یہ ایک مستثنیٰ مثال تھی۔ بعد میں کراموِیل

نے اپنے دشمنوں سے دعوے کے ساتھ کہا تھا کہ "دو ہیرے ورود آئرلینڈ کے وقت سے ایک مثال بھی ایسی بتا دو کہ کوئی غیر مسلح شخص قتل یا تباہ ہوا ہو یا ملک سے نکالا گیا ہو،، لیکن طلب اطاعت پر جن سپاہیوں نے اطاعت سے انکار کیا اُن کے لئے رحم کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ سپاہیوں میں جو بچ رہے تھے جب وہ فاقہ کشی سے عاجز آکر "اطاعت پر مجبور ہوئے تو یکقلم تمام افسروں کے سر اڑادے گئے اور سپاہیوں میں ہر دسویں شخص کو قتل کیا گیا باقی کو جہاز میں سوار کر کے جزائر باربیڈوز بھیجدیا گیا،، یہ مراسلہ اِن الفاظ پر ختم ہوتا ہے کہ "میرا خیال یہ ہے کہ یہ کارروائی ان ذلیل وحشیوں کے لئے جنہوں نے بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں، خدا کا ایک منصفانہ حکم ہے اور اس سے آئندہ خونریزی رک جائے گی،، اس کے بعد ڈیری کی خلاصی اور السٹر کو خاموش کردینے کے لئے ایک دستہ فوج کافی تھا۔ کرامویل اب جنوب کیطرف پلٹا، وہاں ویکسفوڈ میں ویسا ہی سخت مقابلہ اور ویسا ہی مہیب قتل عام ہوا۔ راس کی نئی کامیابی سے وہ واٹرفرڈ میں پہنچ گیا، مگر شہر نے پامردی سے مقابلہ کیا۔ ادھر بیماری سے فوج کی تعداد کم ہوگئی۔ "بمشکل کوئی افسر ایسا وہاں ہوگا جو بیمار نہوا ہو اور خود سپہ سالار بھی مضمحل ہو گیا تھا۔ آخر موسم کی طوفان خیزی نے اُسے کارک کے سرمائی فرودگاہ

جانے پر مجبور کیا اور اس کا کام نا مکمل رہگیا تمام موسم
میں جاڑے سرما مضطربانہ حالت میں گزرا۔ پارلیمنٹ کا خیال اپنے بطرف
ہونے کی طرف سے یوماً فیوماً کم ہوتا جاتا تھا اور اس سے
جو بد دلی بڑھتی جاتی تھی، پارلیمنٹ نے مطابع کے احتساب کو
سخت کرکے اُسے روکنا چاہا اور جان لِلبرن پر بے نتیجہ مقدمہ
قایم کردیا جس کا کچھ حاصل ہنوا۔ ریوپرٹ کے جہازوں کی
دست برد سے انگریزی تجارت تباہ ہورہی تھی، اور اسکے جہازات
آئرلینڈ میں شاہ پرستوں کو تقویت دینے کے خیال سے
اب کنسیل میں آکر لنگر انداز ہوگئے تھے۔ مگر وین کی مستعدی
سے ایک بیڑہ پھر تیار ہوگیا تھا اور اُس کے مختلف حصے
بحرہاے برطانیہ، بحیرہ دوم، بحرلیوانٹ کو بھیجے جارہے تھے۔
کرنل بلیک جس نے دوران جنگ میں ٹانٹن کی مدافعت
میں بڑا نام پیدا کیا تھا ایک بیڑے کا امیرالبحر مقرر ہوا
اور اُس نے ریوپرٹ کو آئرلینڈ کے ساحل سے ہٹادیا اور
بالآخر اسے ٹیگس میں محصور کرلیا لیکن اہل اسکاٹلینڈ کے
خطرات کے سامنے وین کی ہمت بھی پست ہوگئی ڈبلن کے

چارلس اور اسکاٹ

سامنے آرمنڈ کی شکست کی خبر سنکر نوجوان بادشاہ کی زبان
سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ ”وہیں جاکر مرنا چاہیئے دوسری جگہ
زندہ رہنا میرے لئے باعث شرم ہے“ لیکن جب کرامویل
نے فتح پہ فتح حاصل کرنا شروع کی تو آئرلینڈ کی مہم کیطرف
سے اُس کا جوش سرد پڑگیا، اُس کے جنوبی مقبوضات میں

صرف جزیرہ جرزی اس کی وفاداری پر مستقل تھا۔ جب آئرلینڈ
سے امید منقطع ہوگئی تو اس جزیرے سے چارلس نے
اسکاٹلینڈ کے ساتھ پھر نامہ و پیام شروع کیا۔ اسمیں دوبارہ اسوجہ سے
تاخیر ہوگئی کہ مانٹروز نے یہ تجویز کی کہ جس حکومت سے چارلس گفتگو کررہا تھا
خود اس حکومت ہی پر حملہ کرنا چاہئے۔ لیکن موسم بہار میں مارکوئس کی ناکامی
اور اُس کے انتقال کے باعث چارلس کو مجبور ہوکر پریسبٹیرین
کے شرایط قبول کرلینا پڑے۔ ان معاملات کی خبر پاکر انگلستان
کے اکابر بہت سراسیمہ ہوگئے، کیونکہ اسکاٹلینڈ فوج تیار کررہا
تھا اور فیرفیکس اگرچہ اہل اسکاٹلینڈ کے انگلستان پر حملہ کرنے
کی صورت میں انگلستان کی محافظت کے لئے آمادہ تھا
مگر خود آگے بڑھکر اسکاٹلینڈ پر حملہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مجلس سلطنت
نے کرامویل کو آئرلینڈ سے واپس طلب کیا، مگر اس پر اضطراب
طاری نہیں تھا اور اُس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ابھی مغرب
میں اپنے کام کے پورا کرنے کے لئے اُس کے پاس
وقت موجود ہے۔ موسم سرما میں وہ مستعدی کے ساتھ ایک
نئی مہم تیار کرنے میں مشغول تھا، اور انگلستان کو وہ
اس وقت روانہ ہوا جب اُس نے کلانل کو مسخر کرلیا اور
ہیو اونیل کے مجمع اہل آئرلینڈ کو پوری طرح منہدم کردیا۔

کرامویل کے داخلہ لندن کے وقت ایک بہت بڑے
مجمع نے زور شور کے ساتھ اس کا استقبال کیا، اور
چارلس کے سواحل اسکاٹلینڈ پر اترنے کے ایک مہینے بعد

انگریزی فوج شمال کیطرف روانہ ہوگئی، جس وقت اس فوج نے ٹوئیڈ کو عبور کیا ہے اس میں پندرہ ہزار سپاہی تھے، لیکن کرامویل نے آئرلینڈ میں جیسے قتل عام کئے تھے اُس سے ہرطرف خوف چھا گیا تھا، جب وہ آگے بڑھا تو تمام ملک ویران ہوچکا تھا اور اُسے اپنی رسد کے لئے صرف اس بیڑے پر اعتماد کرنا پڑا جو اُس کے برابر برابر ساحل سے لگا ہوا چل رہا تھا، ڈیوڈ لسلی کی فوج کراموبل سے زیادہ تھی مگر اُس نے لڑنے سے انکار کردیا اور ایڈنبرا اور لیتھ کے خط پر مضبوطی کے ساتھ جم گیا؛ انگریزی فوج جب اسکی لشکرگاہ سے چکر کھاکر پٹلینڈز کی پہاڑیوں کی طرف بڑھ گئی تو اسکاٹلینڈی فوج نے صرف یہ کیا کہ اپنا رخ بدل دیا؛ کراموبل اب گھبراکر ڈنبار کی طرف پلٹا اور لسلی نے اس شہر کی قریب کی پہاڑیوں پر اپنی فوج جمادی اور کاکبرنپاتھ پر قبضہ کرکے ساحل کی طرف سے انگریزی فوج کی بازگشت کا راستہ بند کردیا؛ لسلی کا موقع ایسا تھا کہ اس پر حملہ کرنا قریب قریب ناممکن تھا، ادہر کرامول کے سپاہی بیماری و فاقہ کشی میں مبتلا تھے، اور وہ یہ عزم کرچکا تھا کہ اپنی فوجوں کو جہاز پر سوار کرادے۔ مگر اس اثنا میں شام کی تاریکی میں اس نے دیکھا کہ اسکاٹلینڈ کی لشکرگاہ میں کچھ حرکت پیدا ہوگئی ہے لسلی کے حزم و احتیاط پر واعظوں کا جوش غالب آگیا اور اس کی فوج بلندی سے نیچے

جولائی ۱۶۵۰ء

اتر کر پہاڑی اور اس چشمے کے درمیان والی نشیبی زمین پہ قائم ہوگئی جو انگریزی فوج کے سامنے واقع تھا لسلی کے سوار بقیہ حصہ فوج سے بہت آگے نکل آئے تھے وہ مسطح ہموار زمین پہ پہنچے ہی تھے کہ کراموبل نے اپنی پوری فوج کے ساتھ ان پہ حملہ کردیا سواروں نے جم کر مقابلہ کیا مگر آخر ہٹ گئے اور پیادہ فوج جو اُن کی مدد کے لئے آرہی تھی اسے بھی ابتری میں ڈال دیا۔ کراموبل نے یہ دیکھکر باآواز بلند کہنا شروع کیا کہ "وہ یہ لوگ بھاگے جارہے ہیں، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ بھاگ رہے ہیں" جب کُہر صاف ہوکر آفتاب نکلا تو کراموبل کی زبان سے یہ باوقار الفاظ نکلے کہ "وہ خداے تعالے اپنا جلوہ دکھاے اور اُس کے دشمن تباہ ہوں، جس طرح کہر چھٹ کر صاف ہوتی ہے اسیطرح خدا اُن لوگوں کو منتشر کردیگا،، ایک گھنٹے کے اندر اندر کامل فتح حاصل ہوگئی اور اسکاٹلینڈ کی فوج نے ہزیمت اٹھائی اُن کے دس ہزار آدمی قید ہوگئے اور تمام سامان اور توپیں گرفتار ہوگئیں۔ مخالف کی جانب تین ہزار قتل ہوے اور فاتحوں کا براے نام ہی کچھ نقصان ہوا۔ لسلی اس صورت سے اڈنبرا پہنچا کہ وہ بے فوج کا سپہ سالار تھا۔ جنگ ڈنبار کا اثر فوراً ہی برِاعظم کی سلطنتوں کے انداز سے محسوس ہونے لگا۔ اسپین نے سلطنت جمہوریہ کے تسلیم کرنے میں عجلت کی اور ہالینڈ نے اس سے اتحاد

کی خواہش ظاہر کی؛ لیکن کرامویل کو خود وطن کی روز افزوں بد دلی کی تشویش لاحق تھی کہ آئرٹن نے عام معافی کا جو مطالبہ کیا تھا، اور پارلیمنٹ کی برطرفی کا جو مسودہ قانون پیش تھا سب معلق تھے، فوج نے عدالتوں کی جس اصلاح پر زور دیا تھا وہ دارالعوام کے قانون پیشہ ارکان کے مزاحم ہونے سے نہ چل سکا۔ کرامویل نے ڈنبار سے لکھا تھا کہ "مظلوموں کی دادرسی کرو، قیدیوں کی آہ وزاری کو سنو، ہر پیشے کی خرابیوں کی اصلاح کرو، اگر کوئی شخص ایسا ہو جو بہت سے لوگوں کو مفلس کر کے چند آدمیوں کو دولتمند بنانا چاہتا ہو تو وہ دولت عامہ میں شریک ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا"، لیکن دارالعوام اس فکر میں تھا کہ کوئی بہت بڑی سیاسی کامیابی حاصل کر کے عام رائے کو اپنے قیام کا مؤید بنا لے۔

ہالینڈ سے قطع تعلق

اس نے خفیہ طور پر یہ عجیب و غریب تجویز منظور کی کہ انگلستان و ہالینڈ کے درمیان اتحاد قائم کر دے۔ کرامویل کی فتح کا فائدہ اٹھا کر اُس نے اولیور سنٹ جان کو ایک عالی شان سفارت کی سرکردگی میں ہیگ کو روانہ کر دیا؛ اہل ہالینڈ نے اتفاق باہمی اور عہد نامہ تجارتی کی جو تجویز پیش کی تھی کرامویل اسے مسترد کر چکا تھا کہ اُس کے بعد ہی اسے معلوم ہوا کہ خود انگلستان کی طرف سے اتحاد کی تجویز پیش ہوئی ہے۔ مگر اب اس تجویز سے خود اہل ہالینڈ نے فوراً ہی انکار کر دیا؛ سفرا غصے میں

بھرے ہوئے پارلیمنٹ میں واپس آئے اور انہوں نے اسکاٹلینڈ کی صورت معاملات کو اس ناکامی کی وجہ قرار دی کیونکہ چارلس وہاں ایک نئی مہم کی تیاری کر رہا تھا۔ اپنی شمالی مملکت میں آنے کے وقت سے چارلس کو پے درپے ذلتوں کا سامنا ہو رہا تھا، اُس نے عہد و میثاق سے اتفاق کرلیا تھا، وہ پادریوں کے وعظ اور اُن کی لعنت ملامت کو سنتا تھا، اس سے ایک اعلان پر دستخط لئے گئے تھے جس میں اُس نے اپنے باپ کے مظالم اور اپنی ماں کی بت پرستی کا اعتراف کیا تھا۔ یہ نوجوان بادشاہ اگرچہ نہایت سخت دل اور بے شرم تھا، مگر اس اعلان پر دستخط کرنے سے کچھ دیر کے لئے وہ بھی رک گیا۔ اس نے چلاکر کہا کہ "وہ اس کاغذ پر دستخط کرنے کے بعد میں پھر اپنی ماں کو کیا منہ دکھاؤں گا"، مگر آخر اُس نے دستخط کردئے۔ لیکن اس وقت تک بھی وہ محض نام کا باشادہ تھا۔ مجلس سلطنت و فوج سے اسے کوئی تعلق نہ تھا، اُس کے دوستوں کو ملک کی حکومت یا جنگ میں دخل نہیں تھا۔ لیکن ڈنبار کی فتح سے اسے فوراً ہی آزادی ملگئی۔ کرامویل نے اس فتح کے بعد لکھا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ "وہ اب بادشاہ خود اپنی قوت بازو سے کام لے گا"۔ نسلی کی ہزیمت سے ارگائل اور اُس کے تنگ خیال پرسبٹیرین متبعین کو زوال ہو گیا، وہ ڈیوک ہملٹن جو پرسٹن

میں گرفتار ہوگیا تھا اُس کا بھائی اور جانشین پھر بادشاہ
پرستوں کو لشکر گاہ میں لے آیا۔ اور چارلس نے مجلس سلطنت
میں شریک ہونے اور اسکون میں تاجپوشی کے لئے
اصرار کیا؛ کرامویل اڈنبرا پر حاوی ہوگیا تھا مگر اسٹرلنگ
پر حملہ کرنے میں ناکام رہا اس لئے وہ جاڑے اور
تمام موسم بہار میں اس انتظار میں پڑا رہا؛ ادہر اُس کی
مخالف قوم کی فوج آپس کے جھگڑوں سے ابتر ہورہی
تھی، اور زیادہ سخت اہل میثاق، قدیم شاہ پرستوں کی
فوج میں واپس آجانے سے رنج و غصہ کے ساتھ شاہی
فوج سے الگ ہوتے جاتے تھے؛ موسم گرما میں پھر سلسلہ
جنگ شروع ہوا اور لسلی نے پھر وہی محفوظ مقامات پر
قابض ہونے کا طریقہ اختیار کیا۔ کرامویل نے دیکھا کہ وہ
اہل اسکاٹلینڈ کے اسٹرلنگ کی لشکر گاہ پر حملہ نہیں کرسکتا
اس لئے اُس نے جنوب کی سڑک کو بالکل کھلا چھوڑ دیا
اور خود صوبہ فائف میں چلا گیا۔ یہ چال کارگر ثابت ہوئی
اور لسلی کے مشوروں کے برخلاف چارلس، انگلستان پر
حملہ کرنے پر آمادہ ہوگیا، اور بہت جلد پوری سرعت کے
ساتھ لینکاشائر کے اندر سے گزر کر سیورن پر بڑھ گیا۔
انگریزی سوار لیمبرٹ کی ماتحتی میں اُس کے عقب میں
لگے ہوئے تھے، اور انگریزی پیادہ سپاہ یارک اور کوونٹری
سے ہوکر بزودی تمام لندن کی شاہ راہ کے بند کرنے

کے لئے بڑھ رہی تھی، پارلیمنٹ کے پرغضب خوف کا کرامویل نے یہ جواب دیا کہ "جہاں تک ہماری سمجھ میں آیا ہم نے اچھا ہی کیا، ہم یہ جانتے تھے کہ اگر اس وقت اس معاملے کا کچھ فیصلہ نہوا تو دوسرا موسم سرما بھی جنگ میں گزارنا پڑیگا" کونٹری میں اسے چارلس کے موقع کا حال معلوم ہوا، اور وہ ایوشم کی طرف سے چکر کھاتا ہوا وورسٹر پر جاپڑا، جہاں شاہ اسکاٹلینڈ خیمہ زن تھا اُس نے اپنی آدھی فوج کو دریا کے پار اتار کر شہر کے دونوں طرف سے حملہ کردیا۔ یہ حملہ فتح ڈنبار کی سالگرہ کے روز ہوا تھا کرامویل بذات خاص فوج کے اگلے حصہ کا رہبر بنا اور اُس نے سب سے پہلے دشمن کی زمین پر قدم رکھا، چارلس جب گرجا کے مینار سے اتر کر مشرقی حصہ فوج میں آکر شامل ہوا تو کرامویل عجلت کے ساتھ دریائے سیورن سے پار ہو گیا اور بہت جلد آتشبازی کے اندر سے گزر گیا کرامویل نے پارلیمنٹ میں کہا کہ "چار پانچ گھنٹے تک یہ جنگ ایسی سخت ہوی کہ میں نے ایسی سخت جنگ کبھی نہیں دیکھی تھی" اہل اسکاٹلینڈ ہار جانے کے بعد شہر میں گھس گئے. پناہ کے وعدہ پر بھی انہوں نے گولیاں برسانا بند نہ کیں۔ جب اچھی طرح رات ہوگئی اس وقت یہ جنگ ختم ہوی۔ فاتحین کا نقصان حسب معمول برائے نام ہوا تھا۔ مفتوحین کے چھ ہزار آدمی کام آئے اور ان کا تمام سامان اور توپ خانہ

وورسٹر ۳ ستمبر ۱۶۵۱ء

ضایع ہوگیا۔ نسلی بھی قیدیوں میں داخل تھا۔ چارلس میدان جنگ سے بھاگ نکلا، اور مہینوں کی بادیہ پیمائی کے بعد فرانس پہنچا۔

کرامویل نے سنجیدگی کے ساتھ پارلیمنٹ سے کہا کہ جنگ ہالینڈ ،،جب بادشاہ مرچکا ہے اور اس کے بیٹے کو شکست ہوچکی ہے میں اسے ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک معقول بندوبست ہو جائے،، لیکن جنگ ٹینربی کے بعد جو انتظام تجویز ہوا تھا، جنگ وورسٹر کے بعد بھی اس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ موجودہ پارلیمنٹ کی برطرفی کے مسودہ کی منظوری پر کرامویل نے بذات خاص زور دیا۔ پھر بھی اس کی منظوری صرف دو رایوں کی زیادتی سے ہوی۔ اور یہ کامیابی بھی اس قرار داد کی وجہ سے ہوئی کہ موجودہ پارلیمنٹ کی میعاد تین برس اور بڑھا دیگئی۔ اندرونی معاملات بالکل معطل ہوگئے تھے۔ پارلیمنٹ نے قانونی و مذہبی اصلاحات وغیرہ کے لئے کمیٹیاں مقرر کیں مگر عملاً کچھ نہیں ہوا، جنگ کی ابتری سے جو کثیر التعداد کام پارلیمنٹ کے پاس جمع ہوگئے تھے، انہوں نے اسے پریشان کردیا تھا، جائداد اور املاک کی ضبطیاں، عارضی قبضے، ملکی و فوجی عہدوں کے تقررات، غرض سلطنت کا تمام نظم و نسق، پارلیمنٹ کو کرنا پڑا تھا۔ ایسے وقت بھی آئے جب پارلیمنٹ کو یہ حکم دینا پڑا کہ کئی کئی ہفتے تک ذاتی امور نہ پیش ہوں تاکہ امور عامہ کی کارروائی کچھ آگے بڑھ سکے۔ اس طریق عمل سے جس بدنامی کا پیدا ہونا لازمی

تھا، ان سے اس ابتری و پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ پارلیمنٹ کے ارکان پر تغلب و رشوت ستانی کے الزامات کی بھرمار ہو رہی تھی، اور ہیسلرگ کے سے بعض لوگوں پر واقعی یہ الزام تھا کہ انہوں نے اپنے اختیارات کو اپنے ذاتی نفع کے لئے استعمال کیا ہے۔ جیسا فوج کا خیال تھا، اس کا ایک ہی علاج تھا کہ قدیم پارلیمنٹ کے اس بقیہ حصے کے بجائے ایک جدید و کامل پارلیمنٹ قائم کی جائے، لیکن پارلیمنٹ خود اس کارروائی کو روکنا چاہتی تھی۔ وین نے اس میں ایک نئی مستعدی پیدا کر دی تھی۔ اس نے قانون معافی عام کو پندرہ مرتبہ رائے لینے کے بعد منظور کرا لیا۔ سر میتھیو ہیل کے تحت میں ایک مجلس عظمی (یعنی تمام ارکان دارالعوام کی کمیٹی) قانون کی اصلاح پر غور کرنے کے لئے مقرر ہوی۔ اسکاٹلینڈ کے ساتھ اتحاد پیدا کرنے کی کوشش پر بہت زور دیا گیا۔ آٹھ انگریزی کمشنروں نے اسکاٹلینڈ کے صوبجات وقصبات کے قائم مقاموں کی ایک عارضی مجلس، اڈنبرا میں منعقد کی اور باوجود سخت مخالفت کے اس تجویز کے موافق رائے حاصل کر لی۔ اس اتحاد کو قانونی شکل میں لانے کے لئے ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا اور دوسری پارلیمنٹ میں اسکاٹلینڈ کے قائم مقام بھی شامل کئے گئے لیکن وین کے حصول اغراض کے لئے یہ ضروری تھا کہ محض پارلیمنٹ کی مستعدی ہی کا اظہار نہ ہو بلکہ فوج کے

پارلیمنٹ کی مستعدی ۱۶۵۲

اثر سے بھی وہ آزاد ہو جائے۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ ایک بیڑہ ایسا تیار کیا جائے جو پارلیمنٹ کا جان نثار ہو اور سمندر پر عظیم الشان فتوحات حاصل کر کے ڈنبار اور وارسسٹر کی شان و شوکت کو ماند کردے۔ اس مقصد سے دیدہ و دانستہ ہالینڈ کے ساتھ مخاصمت پیدا کیجارہی تھی۔ ایک "قانون جہازرانی"، منظور ہوا کہ سوائے اس ملک کے جہاز کے جہاں کا مال ہو کسی غیر ملک کے جہاز میں کوئی مال انگلستان میں نہ آوے۔ اس سے اہل ہالینڈ کی جہازرانی کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ اس ذریعہ سے وہ بہت بڑی دولت پیدا کرتے تھے۔ ایک نئی بحث یہ پیدا ہوگئی کہ رودبار کے اندر جس قدر جہاز آویں سب انگلستان کی سلامی اتاریں۔ ڈوور کے سامنے دونوں بیڑوں کا آمنا سامنا ہوگیا اور بلیک نے یہ مطالبہ کیا کہ ہالینڈ کے جہاز اپنے جھنڈے نیچے کرلیں۔ اُس کے جواب میں ہالینڈ کے امیرالبحر فان ٹرامپ نے اپنی تمام توپوں کو فیر کا حکم دے دیا۔ ہالینڈ کی مجلس عامہ (پارلیمنٹ) نے اُسے ایک سوء اتفاق قرار دیا اور ٹرامپ کو واپس بلا لینے کا وعدہ کرلیا مگر اس گفت و شنود کے ہر قدم پر انگریزوں کے مطالبات بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ جنگ ناگزیر ہوگئی۔ فوج کی برطرفی کے لئے مسودہ قانون پیش ہوا مگر پارلیمنٹ کے نئے طرز عمل کے سمجھنے کے لئے فوج کو اس انتباہ کی ضرورت نہ تھی۔

جنگ ہالینڈ

یہ ظاہر تھا کہ جس وقت پارلیمنٹ نے خود اپنی برطرفی کا قانون منظور کیا تھا، اُس نے نئی پارلیمنٹ کے اجتماع کیلئے کوئی تجویز نہیں قرار دی تھی۔ ہالینڈ کے ساتھ اعلان جنگ ہوتے ہی، فوج نے خاموشی کی اس روش کو ترک کردیا جو اس نے دولت عامہ کے شروع ہونے کے وقت سے اختیار کر رکھی تھی اور صرف کلیسا و سلطنت کی اصلاح ہی کی درخواست نہیں کی بلکہ یہ بھی درخواست کی کہ دارالعوام صاف الفاظ میں یہ اعلان کردے کہ وہ جلد اپنا کام ختم کردیگا۔ اس درخواست سے مجبور ہوکر دارالعوام نے ایک "جدید مجلس نیابتی" کے مسودہ قانون پر بحث کی مگر اس بحث کے دوران میں موجودہ ارکان نے اپنا یہ عزم بھی ظاہر کردیا کہ وہ بغیر انتخاب کے آئندہ پارلیمنٹ میں شامل رہیں گے۔ اس دعوی سے افسران فوج کبیدہ ہوگئے اور انہوں نے پے درپے مشورے کرکے یہ مطالبہ کیا کہ دارالعوام فوراً برطرف کردیا جائے۔ دارالعوام بھی ایسی ہی ہٹ کے ساتھ اس سے انکار کرتا رہا۔ کرامویل نے اُن پر تنبیہ الفاظ میں فوج کے مطالبہ کی تائید کی کہ "فوج موجودہ پارلیمنٹ کے ارکان سے متنفر ہوتی جارہی ہے، کاش اُس کے ایسا کرنے کے وجوہ اسقدر قوی نہ ہوتے"، اُس نے کہا کہ "اس بددلی کے لئے صحیح وجہ موجود ہے۔ مکانات و اراضی کے حاصل کرنے میں ارکان

جیسی خود غرضانہ حرص سے کام لے رہے ہیں، اُن میں سے اکثر جس قسم کی نفرت انگیز زندگی بسر کرتے ہیں، ججوں کی حیثیت میں اُن سے جو طرفداریاں ظاہر ہوتی ہیں، ذاتی اغراض کے لئے عدالت کی معمولی کارروائیوں میں جسطرح دخل دیا جاتا ہے، قانون کی اصلاح میں جو تاخیر ہورہی ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ اپنے کو دائمی رکن بنانے کے جو خیالات ظاہر کررہے ہیں، یہ سب امور باعث نفرت و بددلی ہورہے ہیں۔" آخر میں اس نے اپنے حاوی خیال کو پیش نظر رکھکر یہ بھی کہدیا کہ "ایسی قسم کے لوگوں سے کیا توقع ہوسکتی ہے کہ وہ قوم کے معاملات کا بندوبست کریں گے"۔

پارلیمنٹ کے حصہ ماتبقی کا اخراج

واقعات جنگ کے باعث کچھ دنوں کے لئے یہ نازک موقع ٹل گیا۔ ایک خوفناک طوفان کی وجہ سے جزائر آرکنیز کے قریب دونوں بیڑے ایک دوسرے پر حملہ کرتے کرتے رہگئے۔ ڈی ریوٹر اور بلیک پھر رودبار میں آکر ایک دوسرے کے مقابل ہوگئے اور ایک سخت جنگ کے بعد ہالینڈ کے جہازات نے رات کی تاریکی میں راہ فرار اختیار کی۔ اسپین کے زوال کے بعد سے ہالینڈ کی بحری قوت دنیا میں سب سے بڑھی ہوئی تھی، اور اس ابتدائی شکست سے فوج کا جوش مردانگی بہت بڑھگیا۔ بیڑے کو قوی کرنے کے لئے بے انتہا کوششیں کی گیئں اور آزمودہ کار ٹراپ پھر امیرالبحر مقرر ہوا۔

وہ ہنٹر جنگی جہازوں کو لئے ہوئے رودبار میں نمودار ہوا۔ بلیک کے جہازوں کی تعداد اس سے نصف تھی مگر بلیک نے فوراً ہی اعلان جنگ کو قبول کرلیا اور یہ غیر مساویانہ جنگ شدت کے ساتھ رات تک جاری رہی۔ رات کے وقت انگریزی جہازات بحال تباہ ٹیمز میں واپس آگئے۔ ٹرامپ نے اپنے مستول کے سرے پر ایک جھاڑو باندھکر رودبار میں فاتحانہ گشت لگائی، اپنے مورد عنایت بیڑہ کی اس شکست سے دارالعوام کا حوصلہ پست ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں میں کچھ سمجھوتا ہوگیا تھا کیونکہ نئی مجلس نیابتی کا مسودہ قانون پھر پیش ہوگیا اور پارلیمنٹ نے یہ منظور کرلیا کہ وہ آیندہ نومبر میں برطرف ہو جائے گی۔ کرامویل نے اُس کے عوض میں فوج کے گھٹانے کے متعلق کچھ مخالفت نہیں کی؛ لیکن قسمت کے بدلنے سے دارالعوام کی ہمت پھر بڑھ گئی۔ بلیک کی سرگرم کوششوں نے اُسے چند ہی مہینے کے اندر اندر اس قابل بنادیا کہ وہ پھر سمندر میں روانہ ہو جائے۔ چار روز تک جہازات چلتے جاتے تھے اور جنگ ہو رہی تھی۔ آخر انگریزوں کی فتح پر اس جنگ کا خاتمہ ہوا مگر ٹرامپ اپنی بحری قابلیت کے باعث اپنے زیر حفاظت مال و اسباب کے جہازات کو بچالے گیا۔ دارالعوام نے فوراً ہی اپنی قوت کے قائم رکھنے پر اصرار شروع کردیا۔ اس مرتبہ انہوں نے صرف یہی نہیں چاہا کہ موجودہ اراکین نئی پارلیمنٹ میں قائم رہیں

۱۶۵۳ء

اور جن جگہوں کے وہ قائم مقام ہیں ان میں نئے انتخابات
ہوں بلکہ انہوں نے یہ بھی قرار دیا کہ وہ بطور نظرثانی
ہر انتخاب کی صحت کی جانچ کریں گے اور یہ بھی دیکھیں
گے کہ منتخب شدہ رکن دارالعوام کے رکن ہونیکی قابلیت
رکھتا ہے یا نہیں۔ دارالعوام کے سرگردہوں اور فوج کے
افسروں کے درمیان مشورے کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔
افسروں نے استقلال کے ساتھ صرف یہی مطالبہ نہیں کیا
کہ یہ دفعات خارج کردے جائیں بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا
کہ پارلیمنٹ فوراً برطرف ہوجائے اور نئے انتخابات کا انصرام
مجلس، سلطنت کے سپرد کردے ہیسلرگ نے اس کا یہ
دنداں شکن جواب دیا کہ "ہماری ذمہ داری کسی دوسرے
کی طرف منتقل نہیں ہوسکتی"۔ مجلس مشورہ اس شرط کے ساتھ
دوسری صبح تک کے لئے ملتوی ہوی کہ اس درمیان میں
کوئی قطعی کارروائی نہ کی جائے۔ مگر مجلس جب دوبارہ
جمع ہوئی تو اس کے سرگروہ اراکین غیر حاضر تھے اور
اس سے اس خبر کی تصدیق ہوگئی کہ وین دارالعوام پر
یہ زور دیرہا ہے کہ نئی مجلس نیابتی کا قانون جلد سے جلد
منظور کرلیا جائے، کرامول غصے سے چلا اٹھا کہ "یہ معمولی
ایمانداری کے بھی خلاف ہے"۔ وہائٹ ہال سے نکلکر
اس نے قرابین برداروں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لی
اور ان سے کہا کہ دارالعوام کے دروازے تک اسکے ساتھ

چیں۔ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اُس وقت وہ معمولی سفید لباس اور سفید اونی موزے پہنے ہوئے تھا۔ وہ بیٹھا ہوا وین کے پرجوش دلائل کو سنتا رہا، اور اپنے قریب بیٹھے ہوئے سنیٹ جان سے کہا کہ "میں اسوقت جس کام کے لئے آیا ہوں اُس سے دل کو سخت صدمہ ہے" وہ کچھ دیر اور خاموش رہا یہانتک کہ وین نے دارالعوام پر یہ زور دیا کہ وہ رسمی ضوابط کو ترک کر کے اس مسودہ کو فوراً منظور کرلے۔ اُس وقت کرامویل نے ہیریسن سے کہا کہ "اب وقت آگیا ہے"، ہیریسن نے جواب دیا کہ "اچھی طرح سوچ لیجئے یہ نہایت ہی خطرناک کام ہے" اس پر کرامویل اور پاؤ گھنٹے تک تقریریں سنا کیا۔ آخر جب یہ سوال ہوا کہ "یہ مسودہ قانون منظور ہوتا ہے"، اسوقت وہ اٹھا اور اُس نے خلاف معمول زور کے ساتھ پارلیمنٹ پر ناانصافی، خود غرضی اور تاخیر کے پرانے الزامات لگائے۔ اور آخر میں کہا کہ "اب تمہارا وقت آگیا ہے، خدا نے تمہارا خاتمہ کردیا"، بہت سے ارکان غصے میں بھرے ہوئے اعتراض کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے مگر کرامویل نے جواب دیا کہ "بس رہنے دیجئے ایسی باتیں بہت ہوچکی ہیں"۔ کمرے کے وسط میں جاکر اُس نے اپنی ٹوپی سر پر رکھی اور یہ الفاظ اُس کے زبان سے نکلے کہ "میں تم لوگوں کی اس بک بک کا خاتمہ

۲۰ اپریل ۱۶۵۳ء

پارلیمنٹ خارج کردی گئی

کئے دیتا ہوں" اُس کے بعد جو شور و غل مچا اس میں کرامویل کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ "تمہارا اب ذرا دیر کے لئے بھی یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے، تم اپنے سے بہتر آدمیوں کے لئے جگہ خالی کرو۔ تم لوگ اب پارلیمنٹ ہی نہیں رہے" اُس کے اشارے پر تیس سپاہی قرابینیں لئے ہوئے اندر آگئے اور پچاس ارکان جو وہاں موجود تھے سب دروازے پر جمع ہوگئے۔ ونٹورتھ جب کرامویل کے پاس سے ہوکر گزرا تو کرامویل نے اُسپر بدمست کا آوازہ کسا، مارٹن پر اس سے بھی سخت طنز کی، وین آخر تک بیخوف رہا۔ اُس نے کرامویل سے کہا کہ تمہارا یہ کام حق و عزت کے بالکل خلاف ہے" کرامویل اُس کی چالبازی سے سخت افروختہ تھا اُس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ "اخاہ! سرہیری وین اگر آپ چاہتے تو یہ جو کچھ ہوا، نہ ہوتا، مگر آپ تو ایک بازیگر ہیں، راست بازی کا آپ میں نام تک نہیں ہے، خدا مجھے سرہیری وین سے پناہ میں رکھے"، صدر دارالعوام نے اپنی جگہ سے ہٹنے سے انکار کردیا، اس پر ہیرکیسن نے کہا کہ "میں آپ کی مدد کرکے آپ کو نیچے اتارے دیتا ہوں"، کرامویل نے صدر کے عصا کو میز پر سے اٹھاکر کہا کہ "اس بازیچہ کو میں کیا کروں گا۔ اُسے بھی لیتے جاؤ" آخرکار دارالعوام کا دروازہ مقفل کردیا گیا اور

پارلیمنٹ کے منتشر ہونے کے چند گھنٹے بعد اس کی کارکن کمیٹی یعنی مجلس سلطنت بھی منتشر کر دی گئی۔ کرامویل نے خود ارکان مجلس کو بلا کر کہا کہ وہ الگ ہو جائیں۔ صدر مجلس جان براڈشا نے جواب دیا کہ "ہم سن چکے ہیں کہ آپ نے آج صبح دارالعوام میں کیا کیا ہے اور چند گھنٹوں کے اندر تمام انگلستان اسے سن لیگا، لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ پارلیمنٹ بند ہوگئی تو آپ غلطی میں ہیں، یقین رکھئے کہ خود پارلیمنٹ کے سوا دنیا میں کوئی اور طاقت ایسی نہیں ہے جو اسے برطرف کردے"۔

جزو دہم

طریقہ پیوریٹنی کا زوال

۱۶۵۳ — ۱۶۶۰

[اسناد۔ جن کتابون کا سابق میں ذکر ہو چکا ہے ان میں اکثر اس جزو کے لئے بھی کارآمد ہیں مگر اس دور کی اصلی تاریخی کیفیت کرامویل کی ان یادگار زمانہ تقریروں سے واضح ہوتی ہے جنہیں کارلائل نے کرامویل کے "خطوں اور تقریروں" کی جلد ثالث میں جمع کیا ہے۔ تھرلو کے مجموعہ سرکاری کاغذات سے مستند تحریروں کا ایک بڑا ذخیرہ مہیا ہو جاتا ہے۔ پروٹکٹر (محافظ سلطنت) کی دوسری پارلیمنٹ کی بابت برٹن کا روزنامچہ موجود ہے۔ رجعت شاہی کے متعلق ایم۔ گیزو کی تصنیف "رچرڈ کرامویل و رجعتِ شاہی" ("Richard Cromwell & the restoration") لڈلو کا "تذکرہ" بیکسٹر کی خود اپنی سوانح عمری، اور خود کلیرنڈن کا تفصیلی و مستند ذاتی بیان سب کارآمد ہیں۔]

پیوریٹنوں کی عارضی تجلس (؟)

پارلیمنٹ اور مجلس شاہی کے منتشر ہو جانے کے بعد انگلستان میں کوئی حکومت باقی نہیں رہی تھی کیونکہ ہر عہدہ دار

کے اختیار کا اسی جماعت کے ساتھ خاتمہ ہو گیا جس نے اسے اختیارات دئے تھے مگر کرامویل نے بہ حیثیت سپہ دار اعظم اپنا یہ فرض سمجھا کہ امنِ عامہ کا قائم رکھنا اس پر لازم ہے۔ تاہم انصاف کی بات یہ ہے کہ فوج یا اس کے سپہ سالار کے کسی فعل سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ انہیں کسی قسم کی فوجی خود مختارانہ حکومت قائم کرنے کا خیال تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے فعل کو کسی نوع سے کوئی انقلابی کام نہیں سمجھتے تھے۔ بیشک اِن کی کارروائی ضابطہ کے رو سے صحیح نہیں قرار دیجا سکتی تھی مگر "دولتِ عامہ" کے قائم ہونے کے بعد سے اِس وقت تک انہوں نے جو کچھ کیا تھا اس کا ماحصل یہی تھا کہ ملک کے حقوق نیابت و حکومت اختیاری سے کام لیا جائے۔ رائے عامہ بھی صاف طور پر فوج کے اس مطالبہ کے موافق تھی کہ قائمقامانِ ملک کی ایک مکمل و موثر جماعت قائم کیجائے، اور اس تجویز کے سب خلاف تھے کہ پارلیمنٹ سابق کے مابقی ارکان نصف انگلستان کو اس کے حقِ انتخاب سے محروم کر دیں۔ پس جب اس غلط کاری کے روکنے کا کوئی اور ذریعہ باقی نہیں رہا اِس وقت سپاہیوں نے یہ کیا کہ اِن خطا کاروں کو ایوان پارلیمنٹ سے نکال دیا۔ کرامویل نے جب ارکان کو ایوانِ دار العوام سے باہر نکالا ہے اِس وقت اِس نے یہ کہا تھا کہ "تمہاری ہی وجہ سے مجبور ہو کر میں نے یہ کام کیا ہے، ورنہ میں نے شب و روز خدا سے دعا کی ہے کہ مجھسے یہ کام لینے کے بجائے مجھے موت عطا کرے" اِس کارروائی

سے ارکانِ دارالعوام پر زیادتی ضرور ہوئی مگر اس سے ایک ایسی کارروائی کا روکنا مقصود تھا جس سے کل قوم کے آئینی حقوق تلف ہو جاتے تھے۔حق یہ ہے کہ معاملات عامہ کی حالتِ موجودہ سے ملک کے ہر گوشے میں لوگ دل برداشتہ ہوگئے تھے"۔ اور ارکان کے اخراج پر عام طمانیت نے مہر تصدیق لگادی تھی برسوں بعد"محافظ سلطنت" نے یہ کہا تھا کہ" ان کے خارج کئے جانے پر ایک کُتّے تک کو بھونکتے نہیں سنا"۔ ایک اندیشہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا اور جگہ بھی زور شمشیر کا استعمال اسی طرح پر کیا جائے مگر افسروں کے ایک اعلان سے یہ اندیشہ ایک بڑی حد تک رفع ہو گیا۔اس اعلان میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ "انہیں خود یہ فکر ہے کہ ایک دن کے لئے بھی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں نہ رکھیں"۔ اُن اختیارات کو فوجی اثر میں آنے دیں" اِس کے ساتھ ہی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ "مسلمہ قابلیت و دیانت کے لوگوں کی ایک حکومت مرتب کیجائیگی" اور ایک عارضی مجلس سلطنت کی نامزدگی سے ایک حد تک اس وعدے کو پورا بھی کیا گیا۔اِس مجلس میں آٹھ فوجی اور چار ملکی اعلیٰ عہدہ دار شامل تھے اور کرامویل ان کا صدر تھا۔وین سے بھی اس میں شرکت کے لئے کہا گیا مگر اِس نے قبول نہ کیا۔یہ صاف ظاہر تھا کہ اس قسم کی جماعت کا پہلا کام یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ ایک نئی پارلیمنٹ طلب کرے اور اپنی امانت اس کے سپرد کردے لیکن پارلیمنٹ کی اصلاح کے متعلق جو مسودۂ قانون

پیش تھا وہ پارلیمنٹ کے اخراج کے ساتھ باطل ہوگیا، اور مجلس پرانی تقسیم
حلقہ جات کے موافق پارلیمنٹ کا طلب کرنا پسند نہیں کرتی تھی مگر اسکے
ساتھ ہی وہ اس سے بھی جھجکتی تھی کہ وہ خود اپنے اختیار سے ایسے
اہم اصولی تغیر کی ذمہ داری اپنے سر لیلے اسی دشواری کی وجہ سے یہ صورت اختیار
کی گئی کہ نظام سلطنت کی تجدید کیلئے ایک عارضی مجلس ملکی طلب کیجائے کرامویل نے کئی
برس بعد اس بدبخت مجلس کا قصہ نہایت دلنشین صفای کے ساتھ
یوں بیان کیا تھا کہ "میں اپنی کمزوری و بیوقوفی کا ایک قصہ
سناتا ہوں، اور یہ اعتراف کرتا ہوں کہ یہ میری ہی سادہ لوحی
کا نتیجہ تھا۔ اس وقت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جو لوگ ہمارے
ہم رائے ہیں اور لڑائیوں میں ساتھ لڑنے کی وجہ سے سب
یکدل ہیں وہ بالیقین معاملات کو صحیح طور پر سمجھینگے اور حسب خواہش
کام کرینگے تمام لوگ وثوق کے ساتھ یہی سمجھتے تھے اور میرا بھی
یہی خیال تھا مگر الزام سب سے زیادہ مجھی پر ہے" مجلس سلطنت
نے جماعتی کلیساؤں کی بنائی ہوئی فہرست سے چنکر ایک سو
پچپن "وفادار، خداترس، بے طمع" لوگوں کا انتخاب کیا تھا ان میں
زیادہ تر ایشلی کوپر کے مانند اعلیٰ خاندان و صاحب جائیداد اشخاص تھے۔
اور اہل قصبات کا تناسب وہی تھا جو سابقہ پارلیمنٹوں میں تھا ان
اہل قصبات میں ایک تاجر چرم پریز گاڈ بیر بونز نامی تھا اسی کے
نام سے لوگوں نے مزاحاً اس جماعت کا نام بھی بیر بونز پارلیمنٹ
رکھدیا مگر جن حالات میں اس پارلیمنٹ کے ارکان کا انتخاب ہوا تھا
ان کا اثر ان کی طبیعتوں پر بہت برا پڑا۔ ان کے اجتماع کا

خیر مقدم کرتے ہوئے کرامویل تک اپنی فصیح البیانی کے زور میں عجب جوش میں آگیا تھا اس نے کہا کہ "قوم کو یقین کر لینا چاہئے کہ جس طرح خدا ترس لوگوں نے لڑ کر انہیں شاہی غلامی سے نجات دلائی ہے اسی طرح اب یہ خدا ترس اشخاص خوف خدا کے ساتھ ان پر حکومت کرینگے۔ تم لوگ اپنے طلب کئے جانے پر شکر گزار ہو کیونکہ یہ طلب خدا کی جانب سے ہے۔ درحقیقت یہ حیرت انگیز امر ہے اور پہلے سے اس کی کوئی تجویز نہیں ہوئی تھی۔ کبھی اس سے قبل کوئی اعلیٰ طاقت ایسی نہیں ہوئی ہے جو اس درجہ خدا کی ماننے والی ہو اور جسے خود خدا اس درجہ دوست رکھتا ہو۔" مجلس نے اپنی عارضی کارروائیوں میں اس سے بھی زیادہ جوش کا اظہار کیا۔ کرامویل اور مجلس سلطنت نے اپنے اختیارات اسے تفویض کر دئے تھے اور اس لئے ملک میں یہی ایک اعلیٰ طاقت ہوگئی تھی۔ لیکن جس حکم کے ذریعہ سے یہ عارضی مجلس ملکی طلب کی گئی تھی اس میں یہ شرط لگادی گئی تھی کہ وہ پندرہ ماہ کے اندر اپنے اختیارات ایک دوسری مجلس کو سپرد کر دیگی جو اس کی ہدایات کے موافق منتخب ہوئی ہو۔ درحقیقت اس مجلس کا کام ایک ایسے نظام کا مرتب کرنا تھا جس سے حقیقی قومی بنیاد پر ایک پارلیمنٹ کے لئے راستہ صاف ہو جائے۔ لیکن اس عارضی مجلس نے اپنے فرض کے نہایت وسیع معنی لئے اور دلیرانہ تمام نظام سلطنت کی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ کلیسا اور قوم کی ضروریات پر غور کرنے

کے لئے کمیٹیاں مقرر ہوگئیں۔ کفایت شعاری و دیانت داری کا جو خیال اس مجلس پر غالب تھا اس کا اظہار اِس طرح ہوا کہ سرکاری عمال پر جو کثیر رقم صرف ہو رہی تھی اور محصولوں میں جو غیر مساوات جاری تھی انکی اصلاح کیگئی۔ اِس نے حیرت انگیز قوت کے ساتھ بہت سی ایسی اصلاحوں کا کام شروع کر دیا جن کے لئے انگلستان کو زمانہ حال تک انتظار کرنا پڑا ہے۔ "لانگ پارلیمنٹ" کورٹ آف چنسری (عدالت حق رسی) میں (جہاں تیس ہزار مقدمات غیر منفصل پڑے ہوئے تھے) کسی قسم کی اصلاح کرنے سے گریز کرتی رہی تھی مگر اس مجلس عارضی نے اس کی بھی موقوفی کی تجویز کر دی۔ لانگ پارلیمنٹ کے زمانے میں بسرکردگی سر میتھیو ہیل ایک کام یہ شروع ہوا تھا کہ تمام قوانین کو ایک ضابطے کی صورت میں مرتب کر دیا جائے، اس کام کے انجام کو پہنچانے پر اب پھر زور دیا گیا۔ قانون پیشہ طبقہ ایسی دلیرانہ کارروائیوں سے متوحش ہو گیا اور اس توحش میں پادری بھی اِس کے ساتھ شریک ہوگئے کیونکہ پادریوں کو یہ اندیشہ تھا کہ دائرۂ مذہبی سے خارج شادیوں کے تسلیم کئے جانے، اور عشر کے بجائے اپنی مرضی کے موافق چندہ دینے کی تجویز سے اِن کی دولت و ثروت آفت میں پڑ جائیگی۔ صاحب جائداد اشخاص بھی اِس تجویز کے مخالف ہوگئے کہ تقررات کے اختیارات حلقۂ مذہبی کے باہر والے لوگوں سے نکال لئے جائیں مجلس عارضی اس کی موید تھی مگر زمینداروں کا گروہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ آئندہ کی

ضبطی کا پیش خیمہ ہے۔ اس مجلس پر جسے طنزاً "بیر بونز پارلیمنٹ" کہا جاتا تھا، یہ الزام لگایا تھا کہ وہ اس فکر میں ہے کہ جائداد، کلیسا، اور قانون کو بالکل برباد کر دے، علوم سے اسے دشمنی ہے، اور وہ کورانہ و جاہلانہ خبط میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اس کی کارروائیوں کے متعلق جو عام بےچینی پیدا ہو گئی تھی کرامویل بھی اس میں شریک تھا۔ کرامویل کی طبیعت مدبروں کی سی نہیں بلکہ منتظموں کی سی تھی، وہ خیالات کا بندہ نہیں تھا، پیش بینی کی اس میں کمی تھی، قدامت پرستی کا مادّہ موجود تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ کچھ کر گزرنے والا شخص تھا۔ وہ کلیسا اور سلطنت میں اصلاح کی ضرورت کو تسلیم کرتا تھا مگر جس قسم کے انقلابی خیالات اس وقت ہوا میں گونج رہے تھے ان سے اسے مطلق ہمدردی نہیں تھی۔ وہ ایک ایسا انتظام چاہتا تھا جس سے تا حدِ امکان قدیم صورت معاملات میں ابتری نہ پیدا ہو۔ جنگ کے شور و شغب میں اگر بادشاہت منسوخ کر دیگئی تھی تو طویل العہد پارلیمنٹ کے تجربے نے یہ خیال بھی اس کے دل میں جما دیا تھا کہ ملکی آزادی کی شرط لازمی ہے کہ مجلس وضع قانون کے علاوہ ایک عاملانہ قوت قائم کیجائے۔ اس نے اپنی تلوار کے زور سے "آزادی ضمیر" کو فتحیاب کر دیا تھا اور وہ اسکے قائم رکھنے کا پُرجوش حامی تھا۔ مگر اب تک اسکی رائے تھی کہ ایک باضابطہ کلیسا ہونا چاہیے کلیسا کے انتظامی حلقے ہونے چاہئیں اور عشر کو پادریوں کی تنخواہوں میں صرف کرنا چاہیے امور معاشرت میں اس کا میلان بالکل وہی تھا جو اس کے

طبقے کے اور لوگوں کا تھا۔ اس نے بعد کی ایک پارلیمنٹ میں یہ کہا تھا کہ "میں نسلاً ایک جنٹلمین (شریف خاندان) شخص ہوں اور میرا خیال ہے کہ امرا، شرفا اور متوسط الحال اشخاص کا جو معاشرتی نظام قدیم سے قائم ہے وہ قوم کے لئے مفید اور بہت ہی مفید ہے"۔ اسے اس اصول مساوات سے نفرت تھی جو سب کو برابر کر دینا چاہتا تھا۔ وہ دلچسپ سادگی کے ساتھ یہ پوچھتا ہے کہ "اس کا منشا کیا ہے؟ یہی کہ کاشتکار دولت و ثروت میں زمیندار کے ہم رتبہ ہو جائے، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوا بھی تو یہ صورت زیادہ دنوں تک قائم نہ رہیگی۔ جو لوگ اس اصول کے حامی ہیں، جب خود ان کی باری آئے گی تو وہی سب سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ جائداد و اغراض مخصوصہ کی تعریفیں کرنے لگیں گے"۔

پس مجلس عارضی کی یہ خیالی اصلاحات کرامویل جیسے کارداں شخص کے لئے اسیقدر خلاف طبیعت تھیں جسقدر وہ ان اہل قانون اور پادریوں کے ناگوار خاطر تھیں جو ان اصلاحات کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ کرامویل کا قول تھا کہ "ان لوگوں کے دلوں میں اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ سب کاموں کو اُلٹ دو"۔ لیکن خود مجلس کے اندرونی منافشات کے باعث اسے اس پریشانی سے نجات ملگئی۔ جس دن عشر کے خلاف فیصلہ ہوا ہے" اس کے دوسرے روز پرانے خیال کے ارکان نے

اچانک ایک تجویز یہ منظور کرادی کہ "یہ پارلیمنٹ جس طرح سے مرتب ہوئی ہے، اس کے لحاظ سے اب اس کا زائد نشست کرنا دولتِ عامہ کے مفاد کے خلاف ہے اور مناسب یہ ہے کہ سپہ دارِ اعظم سے جو اختیارات ہمیں حاصل ہوئے تھے ہم اسے واپس کر دیں۔ صدر نے ارکان کی کنارہ کشی کی منظوری کرامویل کے حوالہ کر دی اور اس کارروائی پر جب دوبارہ رائے لی گئی تو اکثر ارکان نے اس کی تائید کرکے اسے مستحکم کر دیا۔ اس مجلس عارضی کی برطرفی کے بعد معاملات نے پھر وہی صورت اختیار کرلی جو مجلس کے قیام کے قبل تھی اور یہ عام تشویش بدستور قائم رہی کہ تلوار کی حکومت کے بجائے کسی قسم کی قانونی حکومت قائم کرنا چاہئے۔ مجلس عارضی نے اپنے دورانِ قیام میں ایک نئی مجلس سلطنت نامزد کی تھی۔ اس جماعت نے فوراً ہی "توقیع حکومت" یا دستور العمل کے نام سے ایک قابل یادگار نظام سلطنت مرتب کیا، جسے افسروں کی مجلس نے بھی قبول کر لیا۔ ضرورت نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ جس کام سے وہ پہلے جھجکتے تھے اب اسی کام کو اختیار کریں یعنی بغیر کسی قانونی بنیاد کے حلقجات انتخاب میں تغیر و تبدل کریں اور انہیں حلقہائے انتخاب میں اصلاح کرکے ایک نئی پارلیمنٹ جمع کریں۔ اس پارلیمنٹ میں چار سو ارکان انگلستان کے لئے، تیس اسکاٹلینڈ اور تیس ہی آئرلینڈ کے لئے تجویز ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے ویران قصبوں کو جو جگہیں ابتک حاصل تھیں وہ بڑے علقوں

توقیع حکومت (دستور العمل حکومت)

اور زیادہ تر صوبوں کی طرف منتقل کر دیگئیں۔ ارکان کے انتخاب میں رائے دہی کے تمام مخصوص حقوق منسوخ کر دئے گئے اور رائے دہی کے لئے ایک عام اصول یہ قائم کر دیا گیا کہ دوسو پاونڈ کی جائداد منتقلہ یا غیر منتقلہ کا مالک ہونا چاہئے۔ کیتھولک اور "بداندیش" اس موقع پر رائے دہی کے حق سے خارج کر دے گئے تھے ("بداندیش" سے وہ لوگ مراد تھے جو بادشاہ کی طرف سے لڑے تھے)۔ آئین سلطنت کے رو سے چاہئے یہ تھا کہ حکومت کی تمام مزید ترتیب و تنظیم اسی پارلیمنٹ کے اوپر منحصر کر دی جاتی مگر دورانِ انتخاب میں بدنظمی کے خوف اور ایک انتظام مستقل کے شوق نے مجلس سلطنت کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ پروٹکٹر (محافظ سلطنت) کا عہدہ قبول کرلینے کے لئے کرامویل پر زور ڈالے اور اس طرح اپنے کام کو مکمل کر دے۔ کرامویل کا قول ہے کہ "ان لوگوں نے مجھسے کہا کہ اگر میں حکومت کا کام نہ سنبھالوں گا تو ان کاموں کا انتظام و انصرام دشوار ہو جائیگا اور مثل سابق کے خونریزی و ابتری پھر پیدا ہو جائے گی" اگر ہم کرامویل کے بیان کو تسلیم کریں تو یہ ماننا پڑیگا کہ اِس نے یہ عہدہ اُس وقت قبول کیا جب افسروں نے اِس امر پر زور دیا کہ درحقیقت اِس سے مقصود یہ ہے کہ سپہ دار اعظم کی حیثیت سے جو اختیارات اسے حاصل ہیں وہ محدود ہو جائیں اور اجتماع پارلیمنٹ کے وقت تک وہ بلا مشورہ مجلس سلطنت کے کوئی کام نہ کر سکے حقیقت بھی یہی ہے کہ اب "محافظ" کے اختیارات

بہت محدود رہگئے تھے۔مجلس سلطنت کے ارکان کو اگرچہ ابتداً اسی
نے نامزد کیا تھا مگر اب کوئی رکن بلا منظوری بقیہ ارکان کے علیحدہ
نہیں کیا جاسکتا تھا۔تمام غیر ملکی معاملات میں اِن کا مشورہ ضروری
تھا، صلح و جنگ کے لئے ان کی منظوری لازمی تھی۔ سلطنت کے بڑے
بڑے عہدوں کے تقرر اور فوجی و ملکی اختیارات کی تفویض کے
لئے ان کی رضامندی کی قید تھی۔آئندہ کے محافظانِ سلطنت کا
انتخاب بھی اِسی مجلس کے ہاتھ میں تھا۔مجلس سلطنت کے
انتظامی قیود کے ساتھ پارلیمنٹ کے سیاسی قیود بھی بڑھا دیے
گئے۔دو پارلیمنٹوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ تین برس کا وقفہ ہو سکتا تھا۔
پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر نہ قانون بن سکتے تھے اور نہ محصول
لگائے جاسکتے تھے اور پارلیمنٹ جس قانون کو منظور کرلے پروٹکٹر
(محافظ سلطنت) اگر اس کی منظوری سے انکار بھی کرے تو بھی
بیس روز گزر جانے پر اسے قابلِ نفاذ سمجھا جانا چاہیے تھا۔اِس
میں شک نہیں کہ یہ نیا نظام سلطنت عام پسند تھا۔ایک
صحیح پارلیمنٹ کے وعدے سے چند ماہ کے لئے موجودہ
حکومت کے قانونی نقائص پر پردہ پڑ گیا تھا اِس حکومت
کو عام طور پر عارضی حیثیت سے قبول کیا گیا تھا اور اِن کی
کارروائیوں کو قانونی قوت اس وقت حاصل ہو سکتی تھی جب
آئندہ پارلیمنٹ انہیں منظور کرلیتی' اور موسم خزاں میں جو پارلیمنٹ
وسٹ منسٹر میں جمع ہوئی اِس کے ارکان کی عام خواہش
یہ تھی کہ اس معاملہ کو اصولِ پارلیمنٹ کے موافق طے کر دیا جائے

۱۶۵۴ء کی پارلیمنٹ جس قدر یادگار ہے اور اس نے انگریزی قوم کی جس قدر صحیح نیابت کی یہ بات کسی دوسری پارلیمنٹ کو کم نصیب ہوئی ہے تاریخ انگلستان میں یہ پہلی پارلیمنٹ تھی جس میں اس زمانہ کی پارلیمنٹ کے مانند اسکاٹلینڈ و آئرلینڈ کے نمائندے انگلستان کے نمائندوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے اور بادشاہ کے فرمان پذیر و ویران قصبات کے قائم مقام غائب ہو گئے تھے، باوجودیکہ شاہ پرست اور کیتھولک رائے دہی سے خارج کر دئے گئے تھے اور چند حد سے بڑھے ہوئے جمہوریت پسند ارکان کے نام بھی مجلس شاہی نے از خود خارج کر دئے تھے، اسپر بھی یہ پارلیمنٹ اپنے قبل کی تمام پارلیمنٹوں کے مقابلے میں "آزاد پارلیمنٹ" کہے جانے کی سزاوار ہے۔ رائے دہندوں نے جس آزادی کے ساتھ اپنے حق کو استعمال کیا تھا اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ پرسبٹیرین ارکان بہت بڑی تعداد میں منتخب ہوئے تھے۔ طویل العہد پارلیمنٹ کے بہت سے ارکان بھی منتخب ہو گئے تھے۔ ہیسلرگ، بریڈشا اور ان کے ساتھ لارڈ ہربرٹ اور سر ہیری وین (اکبر) بھی دوبارہ پارلیمنٹ میں آ گئے تھے۔ اس پارلیمنٹ کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ حکومت کے معاملے پر غور کرے۔ ہیسلرگ اور اس کے ساتھ زیادہ پرجوش جمہوریت پسندوں نے مجلس سلطنت اور محافظ سلطنت دونوں کے قانونی جواز سے انکار کر دیا تھا اور ان کی حجت یہ تھی کہ طویل العہد پارلیمنٹ برطرف ہی نہیں ہوئی ہے لیکن اس دلیل کا اثر جس قدر عارضی انتظام پر پڑتا تھا اسی قدر

خود اس پارلیمنٹ پر بھی پڑتا تھا جس میں یہ لوگ بھی شریک تھے۔ پس اکثر ارکان نے صرف اس امر کو کافی سمجھا کہ نظام سلطنت اور پروٹکٹریٹ (محافظ سلطنت) کو عارضی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً ہی یہ کارروائی شروع کردی کہ اصول پارلیمنٹ پر حکومت قائم کیجائے توقیع حکومت نے نظام سلطنت کی بنا قرار دی گئی اور اس کے ایک ایک فقرے کو منظور کیا گیا۔ کرامویل کا بحیثیت محافظ کے قائم رہنا باتفاقِ عام منظور ہوا، مگر اس امر پر سخت مباحثہ ہوا کہ اسے نامنظوری قوانین یا پارلیمنٹ کے ہم رتبہ قانونسازی کا اختیار دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ ہیلرگ نے اس بحث میں سخت کلامی سے کام لیا مگر اس سے عام اعتدال میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن یکایک خود کرامویل نے درمیان میں دخل دیدیا۔ اس نے محافظ کے فرائض کو اگرچہ بادل ناخواستہ قبول کیا تھا مگر وہ سمجھتا تھا کہ اس منصب میں جو کچھ قانونی کمزوری ہے قوم کی منظوری عام نے ضرورت سے زیادہ اس کی تلافی کردی ہے۔ اس نے کہا کہ "خدائے تعالیٰ اور ان سلطنتوں کے تمام باشندے اس امر کے شاہد ہیں کہ میں اپنی خواہش سے اس جگہ پر نہیں آیا ہوں" اس کی حکومت کو شہر لندن نے، فوج نے اور ججوں کے موقر فیصلوں نے قبول کرلیا تھا، ہر ضلع نے اس کے پاس محضر بھیجے تھے خود ارکان پارلیمنٹ

اس کی طلب پر حاضر ہوئے تھے۔ ان وجوہ سے اس نے یہ سوال کیا کہ "کیا وجہ ہے کہ میں اس عنایت خداوندی کو کسی موروثی ادعا کے مقابلے میں کم سمجھوں!" وہ قوم کی اس رضامندی عام میں خدا کی مرضی کو مضمر سمجھتا اور اسے وہ گذشتہ بادشاہوں کے "حقوق خداداد" سے برتر خیال کرتا تھا۔

کرامویل کا نظم و نسق

لیکن کرامویل دارالعوام کی کارروائیوں کو جس تشویش سے دیکھ رہا تھا اس کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ اجتماع پارلیمنٹ سے قبل کے زمانے میں وہ اپنے جوش انتظام میں محض عارضی حکومت کی حد سے بہت آگے بڑھ گیا تھا اس کی مستقل انتظام کی خواہش کو صرف رائے عامہ ہی سے تقویت نہیں حاصل ہوگئی تھی بلکہ ہر روز کی شدید ضرورتیں بھی اس کے خیال کو قوی کرتی جاتی تھیں۔ "توقیع حکومت" میں یہ قرار پایا تھا کہ جبتک پارلیمنٹ اس معاملہ میں مزید احکام جاری کرے" اس وقت تک "محافظ" اپنے اختیار سے صرف عارضی قوانین نافذ کرسکے گا۔ کرامول نے معاً اس اختیار سے فائدہ اٹھاکر اپنی حیرت انگیز قوت عمل کو ثابت کردیا۔ اجتماع پارلیمنٹ کے قبل کے نو مہینے میں چونسٹھ قوانین نافذ ہوئے۔ ہالینڈ سے صلح ہوگئی کلیسا کا انتظام درست ہوگیا، اسکاٹلینڈ سے اتحاد مکمل ہوگیا۔ کرامویل کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان کارروائیوں پر یا جس اختیار سے یہ کارروائیاں عمل میں

آئی ہیں انپر اعتراض ہوگا۔ اسے اپنے کام پر اس درجہ وثوق
تھا کہ وہ پارلیمنٹ سے صرف ان کی تکمیل کی توقع رکھتا تھا۔
ارکان پارلیمنٹ کے پہلے ہی اجتماع کے موقع پر اس نے
کہا تھا کہ "تمہارے جمع ہونے کی بڑی غرض یہ ہے کہ
تم گزشتہ کا تدارک اور آئندہ کا انتظام کرو اگرچہ میں
خود بہت کچھ کر چکا ہوں مگر ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔"
اسے پرتگال سے صلح اور اسپین سے اتحاد کی ضرورت محسوس
ہوئی۔ تمام قوانین کو ایک ضابطے میں مرتب کرنیکے لئے
مسودات دارالعوام کے سامنے پیش کئے گئے۔ آئرلینڈ کی
نو آبادی و انتظام کی تکمیل ابھی باقی تھی پس کرامول کو
یہ پسند نہیں تھا کہ ان معاملات کو چھوڑ کر آئینی سوالات
کی بحث شروع کی جائے کیونکہ اس کا خیال تھا کہ خدا
کی مرضی یہ ہے کہ ان معاملات کا فیصلہ ہوجائے لیکن
اس سے بھی زیادہ اسے پارلیمنٹ کا یہ دعویٰ ناگوار
تھا کہ قانون سازی کا اختیار کلیتہً پارلیمنٹ ہی کو حاصل
رہے۔ اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ کرامویل کو طویل العہد پارلیمنٹ
کے تجربہ سے یہ یقین ہوگیا تھا کہ ایک ہی جماعت کے
ہاتھ میں قانون سازی و عاملانہ اختیارات کے جمع ہوجانے
سے آزادی عامہ کو کس قدر خطرہ پیش آجاتا ہے۔ اس کے خیال میں
پارلیمنٹ کے دوامی ہوجانے یا اسکے اختیارات سے عوام کو نقصان
پہنچ جانے کا تدارک صرف یوں ہی ہوسکتا تھا کہ حکومت کا کام

ایک شخص واحد اور پارلیمنٹ کے درمیان مشترک ہوجائے اس معاملہ میں اس کے دلائل کیسے ہی قوی ہوں مگر اس نے جس طرح اس مقصد کو پورا کیا وہ آزادی کے حق میں اور آخرکار طریق پیورٹین کے لئے مہلک ثابت ہوا اس نے اپنی تقریر کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا کہ "اگر خدا نے مجھے اس کام پر متعین کیا ہے اور قوم نے اس کی تصدیق کی ہے تو اب خدا اور قوم ہی اس کام کو میرے ہاتھ سے نکال سکتے ہیں۔ ورنہ کسی اور طرح میں اس سے دست بردار نہیں ہوں گا" اس کے ساتھ ہی اس نے یہ اعلان کردیا کہ "پارلیمنٹ کا کوئی رکن دارالعوام میں داخل نہ ہونے پائے گا جبتک اس اقرار پر دستخط نہ کردے کہ حکومت جس طرح ایک شخص واحد اور پارلیمنٹ کے درمیان مشترک قرار پاچکی ہے اس میں وہ تغیر نہیں کرے گا" کسی اسٹوارٹ بادشاہ نے اپنے کسی فعل سے نظام سلطنت کے قانون کی اس سے زیادہ دلیرانہ مخالفت نہیں کی تھی۔ یہ کام جس قدر خلاف قانون تھا اسی قدر بے ضرورت بھی تھا صرف سو ارکان نے اس قسم کا اقرار کرنے سے انکار کیا اور تین سو ارکان نے اس پر دستخط کردئے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ کرامویل جس اطمینان کا خواہاں تھا وہ بآسانی تمام پارلیمنٹ کی کثرت رائے سے بھی حاصل ہوسکتا تھا لیکن اس اقرار کے بعد جو ارکان دارالعوام میں رہ گئے تھے ان میں نظام سلطنت کے کام کے متعلق کسی قسم کا ضعف نہیں پیدا ہوا اور وہ پورے استقلال سے اپنا کام کرتے رہے انہوں نے

ریمنٹ
ا برطرفی

حکومت کے متعلق اپنا واحد حق خاموشی کے ساتھ اس طرح ثابت کیا کہ محافظ کے احکام پر نظر ثانی کرنے اور انہیں قانون کی صورت میں لانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کردی "توقیع حکومت" کو ایک مسودہ قانون کی صورت میں پیش کیا گیا اس پر بحث ہوئی اور کسی قدر ترمیم کے بعد تیسری مرتبہ پڑھا گیا۔ لیکن کرامویل نے پھر مداخلت کی۔ شاہ پرستوں میں دوبارہ کچھ حرکت پیدا ہوگئی تھی اور کرامول نے اسے پارلیمنٹ ہی کی مخالفانہ روش کی طرف منسوب کیا کہ اسی وجہ سے ان میں یہ نئی توقعات پیدا ہوگئی ہیں۔ وصول محصولات میں تاخیر ہوجانے سے فوج کی تنخواہیں رکی ہوئی تھیں اور فوج میں بددلی پیدا ہورہی تھی۔ محافظ نے کہا کہ "معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قوم میں امن و سکون پیدا کرنے کے بجائے مقابلے کے لئے میدان تیار کیا جارہا ہے۔ تم خود انصاف کرو کہ اس حکومت نے جو انتظامات کئے تھے ان پر بحث کرنے میں وقت صرف کرنا قوم کے حق میں کچھ مفید ہوسکتا ہے"، اس کے بعد اس نے غصہ اور ملامت کے ساتھ یہ اعلان کردیا کہ پارلیمنٹ برطرف کردی گئی ہے۔

نئی مطلق العنانی

۱۶۵۴ء کی پارلیمنٹ کی برطرفی کے ساتھ آئینی حکومت کی تمام ظاہرداریوں کا خاتمہ ہوگیا "محافظت سلطنت" کا جو طریقہ قائم کیا گیا تھا، اس نے خود اپنے ہی فعل سے قانونی تصدیق کے تمام موقعوں کو ضائع کردیا اور محض مطلق العنانی کی صورت اختیار کرلی۔ درحقیقت کرامویل نے ایک عہد

کیا تھا کہ ''وہ توقیع حکومت'' کی قیود کا پابند ہے اور اس ''توقیع'' میں جو خاص قید اِس کے اختیار پر لگائی گئی تھی وہ یہ تھی کہ وہ بغیر منظوری پارلیمنٹ کے محصول نہیں عاید کر سکتا مگر ضرورت کے عذر سے اس شرط کو معطل کر دیا تھا کرامویل نے وہ الفاظ استعمال کئے جو اسٹریفرڈ کی زبان سے موزوں معلوم ہوتے، اِس نے کہا کہ ''ضابطہ پر نمائشی عمل کرنے کے بجائے حقیقی طمانیت کو قوم زیادہ پسند کرے گی'' اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شاہ پرستوں کی بغاوت کا اندیشہ ضرور تھا مگر عام بد دلی کے باعث یہ خطرہ معاً دونا ہوگیا تھا۔ وہائٹ لاک کا بیان ہے کہ ''اس موقع پر بہت سے فہمیدہ ومعزز محبان وطن آزادی عامہ سے مایوس ہوکر بادشاہ کے واپس بلانے کی طرف مائل ہو چلے تھے''۔ عام آبادی میں یہ رجعت خیال اور بھی تیزی سے سرایت کرگئی، چیشایر کے ایک وقایع نویس نے وزیرِ سلطنت کو یہ لکھا تھا کہ ''ان صوبجات میں آپ کے ایک ہوا خواہ کے مقابلے میں چارلس اسٹوارٹ کے پانچ سو ہوا خواہ موجود ہیں'' لیکن فوج کے غلبہ کے سامنے یہ عام بد دلی بھی بے اثر رہی۔ شاہ پرستوں کی شورش کا سب سے زیادہ خطرناک مرکز یارکشائر معلوم ہوتا تھا مگر اس نے مطلق حرکت تک نہ کی، ڈیون ڈارسٹ اور نواح ویلز میں کچھ شورشیں ہوئیں مگر وہ بہت جلد دبا دی گئیں اور ان کے سرگروہ پھانسیوں پر لٹکا دیئے گئے۔ شورش اگرچہ آسانی سے دب گئی لیکن

حکومت پر ایک خوف طاری ہوگیا۔ جس کا ثبوت ان پُرزور کارروائیوں سے ملتا ہے جو قیام امن کے خیال سے کرامویل کو اختیار کرنا پڑیں۔ ملک کو دس فوجی حکومتوں میں تقسیم کردیا تھا اور ہر حصہ ایک میجر جنرل (امیرجیش) کے سپرد ہوا اور اسے یہ اختیار دیا گیا کہ تمام کیتھولکوں اور شاہ پرستوں کے ہتھیار ضبط کرلے اور مشتبہ لوگوں کو گرفتار کرلے۔ اس فوجی مطلق العنانی میجر جنرل کے قیام کے لئے روپیہ کی ضرورتیں یوں پوری کی گئیں کہ مجلس سلطنت نے ایک حکم جاری کردیا کہ جن لوگوں نے کسی زمانے میں بھی بادشاہ کی حمایت میں ہتیار اُٹھائے ہوں وہ اپنی اس شاہ پرستی کے جرمانے کے طور پر ہر سال اپنی آمدنی کا دسواں حصہ خزانے میں داخل کریں۔ یہ حکم قانون معافی عام کے بالکل خلاف تھا۔ "میجر جنرلوں" نے اپنی خودسری میں قدیم مطلق العنانی کی تدبیروں سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ نکالے ہوے پادری شورش کے بھڑکانے میں بہت پُرجوش تھے۔ اس کے انتقام کے طور پر ان کے لئے امامت و معلمی کا کام ممنوع قرار دیا گیا۔ مطابع پر ایک سخت احتساب قائم کردیا گیا وصول خاص "محافظ" کے حکم سے جو محصول عائد کئے گئے تھے ان کے وصول کرنے کے لئے اسباب منقولہ تک ضبط کیا جانے لگا۔ اور جب تلافی نقصان کے لئے ایک محصل پر عدالت میں مقدمہ دائر کیا گیا تو استغاثے کا وکیل ٹاور میں قید کردیا گیا۔

اسکاٹلینڈ و آئرلینڈ

پروٹکٹر نے اپنے منصبی اختیار کو اس شان اور ایسی دانائی
کے ساتھ استعمال کیا کہ اگر جبر کے لئے معافی ممکن ہے
تو شاید وہ بھی معاف کردیا جائے۔ طویل العہد پارلیمنٹ
نے جس قدر اہم کام انجام دینا چاہے تھے ان میں
سب سے بڑا کام یہ تھا کہ تینوں سلطنتوں کو متحد
کردیا جائے، اور سرہیری وین کی قابلیت و کوشش سے
اس پارلیمنٹ کے ختم ہوتے ہوتے اسکاٹلینڈ اور انگلستان
کا اتحاد پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا لیکن اس کا عمل میں
لانا کرامویل کے لئے باقی رہ گیا تھا۔ سپہ سالار منک
نے چار مہینے کی پرصعب جنگ کے بعد ہائیلینڈز میں ازسرِنو
سکون پیدا کردیا اور آٹھ ہزار فوج اور قلعوں کے ایک
سلسلے کی مدد سے سب سے زیادہ مفسد قبائل کو امن
قائم رکھنے پر مجبور کردیا تھا۔ اب اس کے جانشین جنرل ڈین
کی اعتدال پسندی و اصابت رائے سے ملک میں
ہر طرف اطمینان و سکون ہوگیا۔ پرسبٹیرین طریق میں اس سے
زائد کوئی مداخلت نہیں کی گئی کہ مذہبی مجلس عامہ بند کردی گئی
لیکن مذہبی آزادی کی پوری پوری حفاظت کی گئی بلکہ
ڈین نے ان مظلوموں تک کی حمایت میں کوشش کی
جنہیں اہل اسکاٹلینڈ اپنے تعصب کے باعث جادوگری کے
الزام میں طرح طرح کی عقوبت میں مبتلا رکھتے اور
زندہ جلا ڈالتے تھے۔ حکومت کی معدلت گستری اور

فوج کے حیرت انگیز انضباط کو غالی شاہ پرستوں تک نے تسلیم کرلیا تھا۔ برنٹ نے بعد میں کہا تھا کہ "اس آٹھ برس کے غصب کے زمانے کو ہم ہمیشہ بہت ہی امن و خوشحالی کا زمانہ سمجھتے رہے ہیں"، لیکن ان دونوں سلطنتوں کے ساتھ آئرلینڈ کو حقیقی طور پر متحد کرنے کے لئے زیادہ سخت کارروائیوں کی ضرورت تھی۔ آئرٹن نے فتح آئرلینڈ کا کام جاری رکھا تھا اور اس کے انتقال کے بعد جنرل لڈلو نے اسے تکمیل کو پہنچایا۔ جس بیرحمی کے ساتھ یہ کام شروع ہوا تھا وہی بیرحمی آخر تک قائم رہی۔ ہزاروں آدمی قحط اور تلوار کی نذر ہو گئے۔ اطاعت اختیار کرنے والے جہازوں میں بھر بھر کر جمیکا اور جزائر غرب الہند کو بھیجے جارہے تھے اور وہاں جبریہ مزدوری کے لئے فروخت کئے جاتے تھے۔ یتیم لڑکے لڑکیاں اور مقتولوں کی بیوائیں جزائر باربیڈوز میں زمینداروں کے ہاتھ فروخت کردی جاتی تھیں۔ شکست خوردہ کیتھولکوں میں چالیس ہزار سے زائد آدمیوں کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ دوسرے ممالک کی فوج میں بھرتی ہوکر چلے جائیں، چنانچہ انہوں نے فرانس و اسپین کے جھنڈوں کے نیچے پناہ لی۔ محافظ کے قابلترین چھوٹے بیٹے ہنری کرامول نے نوآبادی کا جو کام شروع کیا وہ تلوار کے کام سے بھی زیادہ مہیب ثابت ہوا۔ السٹر کی نو آبادی کو نمونہ قرار دیا گیا

حالانکہ یہی وہ مہلک کارروائی تھی جس نے آئرلینڈ کے اتحاد کی تمام امیدوں کو خاک میں ملاکر ہمیشہ کے لئے جنگ و بغاوت کا سلسلہ قائم کردیا تھا رعایا کے مفروضہ جرموں کے اعتبار سے انہیں مختلف درجوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔مناسب عدالتی کارروائی سے جن لوگوں پر قتل عام کی ذاتی شرکت ثابت ہوئی انھیں جلاوطنی یا قتل کی سزا دی گئی۔معمولی آدمیوں، کو عام طور پر معافی مل گئی مگر اس معافی کو زمینداروں تک وسعت نہیں دی گئی۔جن کیتھولک صاحبانِ جائداد نے پارلیمنٹ کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا انہوں نے اگرچہ جنگ میں کسی قسم کی شرکت بھی نہ کی ہو پھر بھی بطور سزا ان کی ثلث جائداد ضبط کرلی گئی جن لوگوں نے ہتھیار اُٹھائے تھے انکی تمام جائداد ضبط کرلی گئی اور وہ کناٹ کی طرف نکال دئے گئے اور وہاں مقامی قبائل کی زمینیں لیکران کو نئی جائدادیں دی گئیں اس انتظام جدید میں آئرلینڈ پر جو مصیبت نازل ہوئی ایسی مصیبت ازمنۂ موجودہ میں کسی قوم پر نازل نہیں ہوئی ہے۔جن تکلیف دہ روایات نے انگلستان و آئرلینڈ میں تفرقہ ڈال رکھا ہے ان میں پیورٹینوں کی خونریزی اور ضبطی جائداد کی یاد سب سے زیادہ آزار دہ ہے۔آئرلینڈ کے دہقان کے نزدیک بدترین لعنت کراموِل کا نام ہے۔محافظ کی یہ کارروائی اگرچہ

نہایت درجہ ظالمانہ تھی مگر جو غرض تھی وہ اس سے
حاصل ہوگئی۔ اہل ملک کی تمام آبادی بے بس اور پامال
ہوگئی، امن و انتظام قائم ہوگیا اور انگلستان واسکاٹ لینڈ
سے پروٹسٹنٹ آبادکاروں کی ایک کثیر تعداد کے آجانے سے
اُس تباہ شدہ ملک کو نئی خوش حالی حاصل ہوگئی۔ سب سے
بڑھکر یہ کہ اسکاٹلینڈ سے وضع قوانین کے متعلق جس قسم
کا اتحاد ہوگیا تھا ویسا ہی اتحاد اب آئرلینڈ سے بھی
ہوگیا اور اس ملک کے قائم مقاموں کو عام پارلیمنٹ
میں تیس جگہیں دی گئیں۔

انگلستان اور محمیت

انگلستان میں کرامویل نے شاہ پرستوں کے ساتھ
ان دشمنوں کا سا برتاؤ کیا جن سے صلح ناممکن سمجھ لی گئی ہو
لیکن اور ہر طرح اس نے اپنی تلافی و تدارک کے وعدے
کو اچھی طرح پورا کیا۔ مجلس عارضی نے جن انتظامی
اصطلاحات کی تجویز کی تھی ان میں سے بہت سی اصلاحیں
۱۶۵۴ء کی پارلیمنٹ سے پہلے ہی عمل میں آچکی تھیں
مگر دارالعوام کی برطرفی کے بعد اس معاملہ میں اور بھی
زیادہ مستعدی سے کام لیا گیا اور سو کے قریب
ہنگامی قوانین جاری کئے گئے جس سے حکومت کی
جفاکشی و کارگزاری ظاہر ہوتی ہے۔ کرامویل نے جن بیشمار
معاملات کی طرف توجہ کی ان میں پولیس، تفریحات عامہ
سڑکیں، مالیات، قید خانوں کی حالت، قرضے کی علت میں

قید کیا جانا، صرف چند معاملات ہیں۔ ایک ہنگامی قانون کی رو سے جس میں پچاس سے زیادہ دفعات تھے، عدالت حق رسی کی اصلاح کی گئی۔ حکومت اساقفہ کی شکست اور پریسبٹیرین طریقہ کی ناکامی سے کلیسا میں ایک ابتری برپا ہوگئی تھی اس ابتری کو متعدد عاقلانہ ومعتدلانہ کارروائیوں سے رفع کرکے پھر ایک انتظام قائم کردیا گیا۔ سرپرستی مذہبی کے حقوق میں کسی طرح کی دست اندازی نہیں کی گئی مگر ایک "مجلس تنقیح" اس غرض سے مقرر کی گئی کہ وہ اس امر کی جانچ کرے کہ پادری جن اوقاف پر مامور ہیں وہ اس کے اہل بھی ہیں یا نہیں۔ اس مجلس کے ارکان میں ایک چوتھائی اشخاص ایسے تھے جو طبقہ مذہبی میں داخل نہیں تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہر صوبے میں ناظموں اور پادریوں کی ایک مجلس کلیسا قائم کی گئی کہ وہ مذہبی معاملات کی نگرانی کرے اور اوباش اور ناکارہ پادریوں کی تفتیش کرکے انہیں خارج کردے۔ کرامویل کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس تجویز پر بہت ہی خوبی کے ساتھ عمل ہوا۔ بقول بیکسٹر اس کارروائی سے ملک میں "ایسے قابل و سنجیدہ واعظ مہیا ہوگئے جو پارسایانہ زندگی بسر کرتے اور رواداری کا برتاؤ کرتے تھے"۔ چونکہ مذہبی سرپرستوں کے حسب مرضی پریسبٹیرین اور آزاد خیال دونوں طریق کے پادری مقرر کیے جاسکتے تھے

اسلئے عملاً یہ مشکل حل ہوگئی کہ مذہبی وسیع الخیالی کی بنا پر
تمام پیوریٹینوں میں اتحاد ہوجانا چاہئے۔ اس نو ترتیب
کلیسا سے جو لوگ متفق نہیں تھے ان کے عقائد میں
مداخلت کرنے کے اختیارات تمام و کمال اس کلیسا سے
نکال لئے گئے تھے۔ کرامویل نے صرف حکومت اساقفہ کے
حامیوں سے سختی کا برتاؤ کیا کیونکہ وہ انہیں سیاسی طور پر
خطرناک سمجھتا تھا، ورنہ اور تمام اعتبار سے اس نے
آخر تک مذہبی آزادی کو قائم رکھا۔ اس نے کویکروں تک
سے ہمدردی کی اور انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا حالانکہ
تمام مسیحی فرقے انہیں مفسد و مرتد سمجھتے تھے۔ اڈورڈ اول
کے زمانے سے یہودی انگلستان سے خارج کردئے گئے
تھے، انہوں نے اب پھر اس ملک میں آنے کی درخواست
کی اور کرامویل نے ان کی درخواست کو علمائے مذہب
اور تاجروں کی ایک کمیشن کے روبرو اظہار رائے کے لئے
پیش کیا۔ کمیشن نے درخواست کو نامنظور کردیا، مگر کرامویل
نے اس نامنظوری کا کچھ خیال نہیں کیا اور چند یہودی
انگلستان میں آکر لندن و آکسفورڈ میں آباد ہو گئے۔ لوگوں
نے کرامویل کے اغماض کو اچھی طرح سمجھ لیا اسلئے
کسی نے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

کرامویل اور یورپ

کرامویل نے خارجی معاملات کو جس طریق پر انجام دیا
اس سے اس کی طبیعت کی کمزوری و قوت اس خوبی سے

واضح ہوجاتی ہے کہ کسی اور کارروائی سے یہ بات نہیں پیدا ہوسکتی۔ جس اثنا میں انگلستان اپنی آزادی کے لئے ایک سخت اور طولانی جدوجہد میں پھنسا ہوا تھا اسی دوران میں گردوپیش کی دنیا کی حالت بتمامہ بدل گئی تھی۔ جنگ سی سالہ ختم ہوچکی تھی گسٹاوس اور اس کے بعد کے سپہ سالاران سویڈن کے فتوحات کو رشلیو کی حکمت عملی اور فرانس کی مداخلت سے تائید حاصل ہوگئی تھی۔ جرمنی میں مذہب پروٹسٹنٹ کو خاندان آسٹریا کے تعصب دحرص سے اب کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا تھا۔ معاہدہ ویسٹفالیا کی رو سے قدیم و جدید مذہب والوں کے ممالک میں ایک حد فاصل قائم ہوگئی تھی درحقیقت اب یورپ اس عالی مرتبہ کیتھولک خاندان کے خوف سے بیفکر ہوگیا تھا جس نے چارلس پنجم کے وقت سے یورپ کی آزادی کو خطرے میں ڈال رکھا تھا۔ اس خاندان کی آسٹروی شاخ نے مغرب میں دست اندازی کا خواب دیکھنا چھوڑ دیا تھا، اسے ہنگری کو ترکوں کے قبضے سے نکال لینے اور خود آسٹریا کو ان کی دستبرد سے بچانے کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اسپین پر ایک عجیب طرح کی جمود کی حالت طاری تھی۔ یا تو وہ تمام یورپ پر چھا جانے کی کوشش میں تھا اور یا اب خود تیزی کے ساتھ فرانس کے چنگل میں پھنسا چلا جارہا

تھا۔ فرانس کا اگرچہ وہ دور دورہ نہیں رہا تھا جس کی دہشت لوئس چہار دہم کے عہد میں پیدا ہو گئی تھی مگر پھر بھی تمام یورپ میں اس کا اثر غالب تھا۔ مذہبی دشواریوں کے رفع ہوجانے کے بعد جو امن و انتظام قائم ہوگیا تھا اس سے اپنے منظم و زرخیز ملک میں فرانسیسی قوم کو اپنی خلقی محنت اور ذہانت کے ظاہر کرنے کا موقع ملگیا اس کے ساتھ ہی ہنری چہارم، رشلیو اور مازارین کے مرکزی انتظام کے باعث اس کی تمام دولت و قوت کلیتہً بادشاہ کے ہاتھ میں آگئی۔ ان تینوں مذکورہ بالا مدبروں کے تحت میں فرانس برابر اپنے حدود مملکت کے بڑھانے کی فکر میں لگا رہا اور اگرچہ ابھی تک اس کی تمنا صرف یہی تھی کہ وہ اسپین و شہنشاہی کے ان ممالک پر قابض ہوجائے جو اس کی سرحدوں کو پرینیز، آلپس اور رائن سے جدا کرتے تھے مگر ایک صاحب فراست مدبر اچھی طرح سمجھ سکتا تھا کہ یہ کارروائی تمام یورپ پر فوقیت حاصل کرنے کے لئے اس وسیع تر کوشش کی ابتدا تھی جسے مارلبرا کے تدابیر اور "اتحاد اعظم" کے فتوحات نے روک دیا۔ لیکن یورپ کے سیاسیات کے سمجھنے میں کرامویل نے اپنی قدامت پرستی اور وسعت نظر کی کمی کے باعث غلطی کی، اور اس کا مذہبی جوش بھی اس کا موید ہوگیا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اپنے گرد و پیش کی دنیا کے

کرامویل کی خارجی حکمت عملی

تغیرِ حالات کا اسے کچھ احساس ہی نہیں تھا۔ مازارین کے زمانے کے یورپ سے وہ ان امیدوں اور خیالوں کا متوقع تھا جو اس کی نوجوانی میں جنگ سی سالہ کے شروع ہوتے وقت تمام یورپ میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے نزدیک اسپین اب بھی کیتھولکوں کے اندرونی و بیرونی مقاصد کا سرچشمہ تھا۔ اس نے ۱۶۵۶ء کی پارلیمنٹ کے روبرو یہ کہا تھا کہ "میں جب سے پیدا ہوا ہوں اسی زمانے سے یہ دیکھ رہا ہوں کہ انگلستان کے طرفدارانِ پوپ کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان پر اسپین کا جادو چل گیا ہے اور وہ اسپین کے سوا فرانس یا اور کسی کیتھولک سلطنت کا کچھ خیال نہیں کرتے"۔ اسپین کے متعلق کرامویل کی وہی پرانی نفرت قائم تھی جو کسی زمانے میں تمام انگریزوں میں پائی جاتی تھی۔ جیمز اور چارلس کی حکمت عملی سے مجبور ہوکر اسپین نے جرمنی کی جد و جہد عظیم میں جو شرمناک کارروائی کی تھی اس سے کرامویل بدستور منغض تھا۔ اب طریق پیورٹنی کے کامیاب ہوجانے سے کرامویل کا جوشِ مذہبی اور بڑھ گیا جس سے یہ تنفر و تنغض اور قوی ہوگیا۔ اس کے امیرالبحر جب جزائر غرب الہند کو روانہ ہونے والے تھے تو اس نے انہیں لکھا تھا کہ "خدا خود تمہارے دشمنوں کے خلاف ہے اور اس رومن بابل کے بھی خلاف ہے جس کا سب سے بڑا ماتحت شاہِ اسپین ہے، بس اس لحاظ سے ہماری جنگ خدا کی

جنگ ہے۔" کرامویل درحقیقت یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ گستاوس
کے عہد میں سوئڈن نے جو حیثیت پیدا کرلی ہے وہی حیثیت
اب انگلستان کو حاصل ہوجائے گی یعنی وہ مذہب کیتھولک
کی دست درازیوں کے مقابلے میں ایک بہت بڑے پروٹسٹنٹ
اتحاد کا سرگروہ بن جائے گا۔ اس نے ۱۶۵۴ء کی پارلیمنٹ
میں کہا تھا کہ "تمہارے کندھوں پر تمام دنیا کے عیسائیوں
کے اغراض و مقاصد کا بار ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ
ہمارے دلوں پر یہ نقش ہوجائے کہ ہمیں اس مقصد
کے لئے پورے جوش سے کام لینا ہے۔"

اسپین سے جنگ

اس کشمکش میں لازمی طور پر پہلی ضرورت یہ تھی کہ
پروٹسٹنٹ سلطنتوں کو باہم متحد کرلیا جائے اور کرامویل نے
سب سے پہلی کوشش یہی کی کہ ہالینڈ کی مصیبت انگیز
و بے نتیجہ جنگ کو کسی نہ کسی طرح ختم کردے۔ اس جنگ
کی سختی ہر مقابلے کے بعد بڑھتی جاتی تھی لیکن انگریزی
جہازوں کی صف کو توڑتے وقت ہالینڈ کے امیرالبحر ٹرامپ
نے کاری زخم کھایا تھا اور اس سے ہالینڈ کی ہمتیں
پست ہوگئی تھیں۔ ٹرامپ کے جانشین ڈی روئٹر نے اپنی
تدبیر و جانفشانی سے ہالینڈ کی زوال پذیر قسمت کو عروج
دینے کی بہت کوششیں کیں مگر وہ بات نہ حاصل ہوئی۔
طویل العہد پارلیمنٹ کا یہ اصرار تھا کہ دونوں ملکوں
میں سیاسی اتحاد ہوجائے اور ہالینڈ صرف طویل العہد

پارلیمنٹ کے اخراج کی وجہ سے اس مشکل میں پڑنے سے بچ گیا۔ کراموئیل کی نئی حکمت عملی کا اثر یہ ہوا کہ دونوں ملکوں میں صلح ہوگئی۔ صوبجات متحدہ نے برطانوی سمندروں میں انگریزی جہازوں کی فوقیت کو تسلیم کرکے "قانون جہازرانی" کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔ اس کے ساتھ ہی ہالینڈ نے یہ بھی اقرار کیا کہ وہ خاندان آرنج کو با اختیار نہ ہونے دیگا۔ اس سے انگلستان کو اس خطرے سے نجات مل گئی کہ شاہان اسٹوارٹ کی واپسی کی کوشش میں ہالینڈ کی فوجیں ان کی مدد کریں گی۔ ہالینڈ سے صلح ہوجانے کے بعد ہی اسی قسم کے معاہدے سویڈن و ڈنمارک سے بھی ہوگئے اور جب سویڈن کا ایلچی اتحاد دوستانہ کے شرائط لیکر آیا تو کراموئیل نے کوشش کی کہ ہالینڈ برینڈنبرگ اور ڈنمارک کی پروٹسٹنٹ سلطنتوں کا ایک اتحاد قائم ہوجائے۔ وہ کم وبیش برابر اس کوشش میں لگا رہا مگر اسکی سعی بارور نہیں ہوئی اور اس نے یہ عزم کرلیا کہ وہ تن تنہا اپنی تجاویز کو عمل میں لانے کی فکر کرے اہل ہالینڈ کی شکست سے انگلستان دنیا میں سب سے بڑی بحری طاقت بن گیا تھا اور پارلیمنٹ کی برطرفی کے قبل دو بیڑے خفیہ احکام لئے ہوئے سمندر میں روانہ ہوچکے تھے۔ پہلا بیڑا بلیک کے تحت میں بحیرۂ روم میں پہنچا اور اس نے ٹسکنی سے انگریزی تجارت کے نقصان کا معاوضہ طلب کیا۔

١٦٥٤

الجزائر پر گولہ باری کی، اور اس بیڑے کو تباہ کر دیا جس کی مدد سے چارلس کے زمانے میں الجزائر کے قزاقوں نے انگریزوں پر حملہ کیا تھا۔ پیوریٹنوں کو یہ یقین تھا کہ بلیک کی توپوں کی آواز سینٹ انجیلو کے محل میں سنائی دیگی اور خود روما کراموِل کی عظمت کے سامنے سر جھکا دیگا لیکن یہ حملہ نہایت ہی ناکامیاب ثابت ہوا۔ اسپین کے خلاف اگرچہ باقاعدہ اعلانِ جنگ نہیں ہوا تھا مگر ان دونوں مہموں کا مقصود اصلی اسی سلطنت پر حملہ کرنا تھا۔ بلیک سواحل اسپین تک پہنچ گیا مگر امریکہ سے آنے والے خزانے کے جہازوں کو روکنے میں اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

دوسری مہم جو جزائر غرب الہند کو روانہ ہوئی تھی وہ بھی سنٹ ڈومنگو پر حملہ کرنے میں ناکام رہی، البتہ اس نے جزیرہ جیمیکا پر قبضہ کر لیا مگر جس قدر اتلاف جان و مال ہوا اس کے مقابلے میں یہ فتح حقیر سمجھی جاتی تھی۔ درحقیقت اس کی اعلیٰ اہمیت یہ تھی کہ اسپین نے جنوبی امریکہ پر جو اپنا ہی حق قائم رکھا تھا اس میں رخنہ پڑ گیا۔ ان مہموں کے سرگروہ واپس آنے پر ٹاور میں بھیجدئے گئے مگر کراموِل کو اسپین سے جنگ آزمائی کرنا پڑی اور طوعاً یا کرہاً وہ فرانس کے وزیر مازارین کے پنجے میں پھنس گیا۔

ستمبر ۱۶۵۵

کراموِل کو بدرجہ مجبوری فرانس کے ساتھ معاہدہ اتحاد پر

۱۶۵۵ کی پارلیمنٹ

دستخط کرنا پڑا اور ان لاحاصل مہمات کے مصارف کی وجہ سے اس کے لئے پھر پارلیمنٹ کا طلب کرنا ناگزیر ہوگیا لیکن سابق پارلیمنٹ کے مانند اس مرتبہ کرامویل نے آزادانہ انتخاب پر اعتماد نہیں کیا۔ عارضی قوانین کے بموجب آئرلینڈ و اسکاٹلینڈ سے جو ساٹھ ارکان آئے وہ محض حکومت کے نامزد کردہ تھے۔ اس امر کی پوری کوشش کی گئی کہ مجلس سلطنت کے زیادہ ممتاز ارکان کا انتخاب ہوجائے۔ یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ منتخب شدہ ارکان میں نصف ارکان ایسے تھے جو اپنے عہدے یا اور طرح کے منافع کی وجہ سے حکومت کے ساتھ تعلقات خاص رکھتے تھے۔ اس پہ بھی کرامویل کو اطمینان نہیں ہوا، دارالعوام میں داخل ہونے کے قبل ہر رکن سے مجلس سلطنت کی سند طلب کی گئی اور اس بنا پر منتخب شدہ ارکان میں سے ایک چہارم یعنی سو ارکان دارالعوام کی شرکت سے روک دئے گئے، ہیلرگ بھی انہیں میں شامل تھا، وجہ یہ قرار دی گئی تھی کہ یہ لوگ حکومت کے ہوا خواہ نہیں ہیں، یا ان کے مذہبی خیالات اچھے نہیں۔ لیکن دارالعوام نے اس مطلق العنان زیادتی کا جواب غیر معمولی اعتدال و دانشمندی سے دیا۔ اس نے اول سے اپنا یہ منشا ظاہر کردیا کہ وہ حکومت سے کسی طرح کی مزاحمت نہیں کرانا چاہتا۔ اس کے کاموں میں پہلا کام یہ تھا کہ اس نے کرامویل کی حفاظت کا انتظام کیا کیونکہ برابر اس کے قتل کی سازشیں

ہورہی تھیں۔ اس کی جنگی طرز عمل کی تائید کی اور اس جدّوجہد کے جاری رکھنے کے لئے ایسی وسیع رقمیں منظور کیں کہ سابق میں کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس وفادارانہ روش کی وجہ سے پارلیمنٹ کے اس اصرار کو تقویت حاصل ہوگئی کہ اس مطلق العنان طریق حکومت کو منظور نہ کیا جائے جس نے عملاً تمام انگلستان کو فوجی قانون کے تابع بنا دیا ہے۔ کرامویل نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت اپنی تقریر میں "فوجداروں" "جیوش" کی خود مختارانہ حکومت کی علانیہ تائید کی تھی۔ اس نے نہایت غضبناک طور پر یہ کہا تھا کہ "خرابیوں کے مٹانے اور مذہب کو ایک روش پہ قائم کرنے میں اس طریقے نے جو کام کیا ہے وہ گزشتہ پچاس برس میں انجام نہیں پایا ہے۔ احمقوں کے حسدو ملامت کے باوجود میں اس طریقے کو قائم رکھوں گا میں اور معاملات میں جس طرح ابتک سربکف رہا ہوں اسکے لئے بھی سربکف ہوں اور ضرورت ہوگی تو دکھا دوں گا کہ میں کیا کرتا ہوں" لیکن فوجداروں کی کارروائیوں کی تصدیق کے لئے پارلیمنٹ میں مسودہ قانون کے پیش ہوتے ہی ایک طولانی مباحثہ شروع ہوگیا اور دارالعوام کا اصلی میلان صاف عیاں ہوگیا۔ ارکان نے "محافظ" کی حکومت کے منظور کرنے کا ارادہ ظاہر کردیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی اپنا یہ عزم بھی ظاہر کردیا تھا کہ وہ حکومت کو دوبارہ

قانونی بنیاد پر لانا چاہتے ہیں۔ درحقیقت کرامویل کے اکثر دانشمند ہواخواہوں کا بھی یہی مقصد تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے کرامویل کے بیٹے ہنری کو لکھا تھا کہ "اس قانون کے منظور ہونے سے مجھے جس بات کا زیادہ خطرہ ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح اعلیحضرت کی حکومت کا مدار کار جبر و تشدد پر زیادہ ہو جائے گا اور اس، فطری بنیاد سے اسے اور زیادہ بعد ہو جائے گا جسے قوم بتوسط پارلیمنٹ اس خیال سے قائم کرنا چاہتی ہے کہ وہ بہ نسبت اس وقت کے ان سے اور زیادہ وابستہ ہو جائے"۔ یہ مسودۂ قانون نامنظور ہوگیا اور کرامویل نے منتظم میجر جنرلوں کے اختیارات واپس لے لئے اور گویا اس طرح قوم کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا۔

کرامویل کے حضور میں تاج شاہی کا پیش کیا جانا

لیکن تلوار کی حکومت علی الاطلاق کی یہ شکست قانونی اختیارات کی دلیرانہ کوششوں کا صرف پہلا قدم تھا۔ پارلیمنٹ کا کرامویل کے سامنے بادشاہ کا لقب پیش کرنا محض نمائش یا ذلیل خوشامد کے طور پر نہیں تھا بلکہ گزشتہ چند برس کے تجربے نے قوم کو بتادیا تھا کہ جن قدیم حالات میں اس کی آزادی نے نشو و نما حاصل کی ہے وہ کس درجہ قابل قدر ہیں۔ بادشاہ کے اختیارات نظام سلطنت کے نظائر سابقہ کی رو سے محدود تھے۔ استدلالاً یہ کہا جاتا تھا کہ "بادشاہ کے مخصوص اختیارات عدالت کے تابع ہیں اور اس کے

حدود ایسے ہی معین و مشخص ہیں جیسے زمین کے ایک ایکڑ
کی حدبندی یا کسی فرد واحد کے کسی مقبوضہ کی تشخیص۔ اس کے
خلاف "محافظ" تاریخ انگلستان میں ایک نیا شخص تھا اور
اس کے اختیارات کے محدود کرنے کے لئے روائتی ذرائع
موجود نہیں تھے۔ گلبن کا قول تھا کہ "بادشاہ کا منصب
فطرۃً قانون کے موافق ہے، قوم اسے سمجھتی ہے، اس کی
حیثیت قطعی ہے اور ازروئے قانون اس کے حدود اختیارات
معین و منضبط ہیں۔ "محافظ" کے عہدے کی یہ حالت نہیں
ہے۔ یہی خاص بنا تھی جس کی وجہ سے پارلیمنٹ نے اس
عہدے اور اس لقب کے لئے اس قدر اصرار سے کام لیا"
اصل یہ ہے کہ دارالعوام میں فوجی افسروں اور دارالعوام کے
اہل قانون کے درمیان "بادشاہ کے لقب کے پردے میں
امر مابہ النزاع یہ تھا کہ آئینی و قانونی حکومت دوبارہ بحال
ہوجائے یا نہ ہو۔ یہ تجویز بہت بڑی کثرت رائے سے
منظور ہوگئی مگر "محافظ" اور پارلیمنٹ کے باہمی مشوروں میں
ایک مہینے کا زمانہ گزر گیا۔ پھر بھی اس کا سلسلہ ختم ہونے پر مارچ ۱۶۵۷ء
نہ آیا۔ ان مشوروں کے دوران میں کرامویل کی معاملہ فہمی،
عام قومی احساس سے اس کی واقفیت، پیوریٹن جس سیاسی
و مذہبی آزادی کے لئے لڑے تھے اس کی صیانت وحفاظت
کی دلی خواہش، سب مبہم الفاظ میں ظاہر ہوتی رہتی تھی مگر
اس تمام اثنا میں وہ جس شے کو دیکھ رہا تھا وہ فوج کا

انداز تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی حکومت محض تلوار کے زور پر قائم ہے اور سپاہیوں کی بددلی اس عمارت کی بنیاد کو متزلزل کردے گی۔ وہ اسی حیص بیص میں پڑا رہا کہ ایک طرف وہ اس انتظام کے سیاسی فوائد کو دیکھتا تھا اور دوسری طرف فوج کے انداز سے وہ سمجھتا تھا کہ اس کا عمل میں آنا ممکن نہیں ہے۔ اس نے یہ کہدیا تھا کہ اس کے سپاہی محض معمولی سرباز نہیں ہیں بلکہ وہ متقی و خداترس اشخاص ہیں اور جبتک وہ باہم متحد رہیں گے کوئی دنیاوی و مادی طاقت انہیں مغلوب نہ کرسکے گی۔ وہ ان لوگوں کی عام آواز کو خدا کی آواز سمجھتا تھا اس نے بہت زور دیکر یہ کہا تھا کہ " یہ ایماندار و وفادار اشخاص ہیں، حکومت کے مہمات امور پر ثابت قدم ہیں اور اگرچہ ان کا یہ فعل قابل توصیف نہیں ہوسکتا کہ پارلیمنٹ ان کے متعلق جو کچھ طے کرے اسے وہ قبول نہ کریں تاہم یہ میرا فرض اور میرا ایمان ہے کہ میں پارلیمنٹ سے یہ درخواست کروں کہ ان پر ایسی سختی نہ کی جائے جسے وہ برداشت نہ کرسکیں۔ میں یہ خیال نہیں کرسکتا کہ کوئی کام جس سے انہیں بجا طور پر شکایت ہو خدا کو پسند آئے گا "۔ فوج کا رویہ بہت جلد ظاہر ہوگیا فوج کے سرگروہوں نے جس میں لیمبرٹ فلیٹوڈ اور ڈلسبرا بھی شامل تھے، اپنے استعفے کرامویل کے ہاتھ میں دیدئے۔

پارلیمنٹ میں ایک درخواست اس مضمون کی پیش ہوئی کہ "جس کام کے خلاف ہمنے اپنا خون بہایا ہے" یعنی بادشاہت سے پھر بحال نہ کیا جائے۔ کرامول نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس درخواست پر اگر بحث ہوگی تو فوج اور دارالعوام میں علانیہ مخالفت ہوجائے گی اس لئے اس نے اس بحث کی نوبت ہی نہ آنے دی اور پہلے ہی تاج کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس نے کہا کہ "میں بادشاہ کے لقب سے اس حکومت کو قبول نہیں کرسکتا اور اس اہم معاملے کے متعلق یہی میرا جواب ہے"۔

۸ مئی ۱۶۵۷ء

پارلیمنٹ کو اگرچہ اس جواب سے مایوسی ہوئی مگر اسنے محافظ سلطنت نہایت درجہ خودداری سے کام لیکر اپنے مقصد کے پورا کا باقاعدہ کرنے کے دوسرے ذرائع اختیار کئے۔ تاج کے ساتھ ہی اس نے اپنے عہدے پ ایک نئے نظام حکومت کے قبول کرنے کی شرط بھی لگادی منصب ہونا تھی۔ یہ نظام حکومت "توقیع حکومت" کی ایک ترمیم کی ہوئی صورت تھی جسے ۱۶۵۴ء کی پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا۔ کرامویل نے اس نظام حکومت کو پوری آمادگی کے ساتھ منظور کرلیا۔ اس نے یہ اعتراف کیا کہ "اس نظام حکومت میں جن امور کا انتظام کیا گیا ہے ان سے بندگانِ خدا کی آزادی ایسی محفوظ ہوجاتی ہے کہ اس سے قبل کبھی انکی آزادی اس درجہ محفوظ نہیں رہی تھی۔ بادشاہ کے لقب کو محافظ کے خطاب سے بدل کر یہ توقیع حکومت قانون بنا دیگئی

اور پارلیمنٹ کے محافظ کو اس کے عہدے پر باضابطہ نصب کرنا یہ معنی رکھتا تھا کہ کرامویل نے عملاً یہ تسلیم کرلیا تھا کہ اس کی سابقہ حکومت قانوناً جائز نہیں تھی۔ صدر دار العوام نے اپنے ایوان کی جانب سے کرامویل کو ردائے سلطنت پہنائی، ایک عصا اس کے ہاتھ میں دیا اور شمشیر عدل اس کی کمر سے باندھی۔ اس نئے قانونِ سلطنت کے بموجب کرامویل کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ خود اپنا جانشین نامزد کرے مگر پھر اس کے بعد اس عہدے کا تقرر انتخاب سے ہونا قرار پایا تھا۔ اس کے علاوہ اور تمام اعتبار سے قدیم نظامِ حکومت کی ہر شے جزواً و کلاً اپنی اپنی جگہ پر بحال کردیگی۔ پارلیمنٹ کے پھر دو ایوان قرار پائے اور "دوسرے ایوان" کے ستر ارکان کی نامزدگی پروٹکٹر کے اختیار میں دیدی گئی۔ دار العوام کو اس کا قدیمی حق مل گیا یعنی اپنے ارکان کے اوصاف کے متعلق وہی جس طرح چاہے فیصلہ کرے۔ مجلس سلطنت اور ملکی و فوجی عہدہ داروں کے انتخاب میں پارلیمنٹ کی طرف سے قیود عاید کئے گئے۔ محافظ کے لئے ایک مقررہ آمدنی منظور کی گئی اور یہ شرط کردی گئی کہ بغیر منظوری پارلیمنٹ کے کوئی رقم نہ وصول کی جائے۔ پیروان پوپ، حامیان اسقف، سوسینین (مخالفانِ تثلیث) اور منکران کتب آسمانی کے سوا اور تمام لوگوں کو عبادت کی آزادی دے دی گئی اور عقائد کی

۲۶ جون ۱۶۵۷ء

آزادی بلا استثنا سب کو عطا کردی گئی۔

کرامویل کی ظفرمندیاں

کرامول کے باقاعدہ اپنے عہدے پر نصب ہوجانے کے بعد پارلیمنٹ کے ملتوی ہوجانے سے اس کی طاقت اپنے انتہائے کمال کو پہنچ گئی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آخرالامر اس نے اپنی حکومت کو قانونی و فوجی بنیاد پر قائم کردیا ہے۔ غیرملکی کارروائیوں میں اس کی ابتدائی ناکامی موجودہ شان و شوکت کے سامنے بھلادی گئی۔ جس دن پارلیمنٹ جمع ہوئی ہے اس سے ایک دن پہلے بلیک کے ناخداؤں میں سے ایک ناخدا نے کسی نہ کسی طرح اسپین کے خزانے کے جہازوں میں سے چند جہازوں کو روک لیا، اور ۱۶۵۶ء کے اختتام کے قریب بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ "محافظ" کو یورپ میں پھر مذہبی جنگ کا شعلہ روشن کرنے میں، کامیابی ہوجائے گی۔ پیڈمنٹ کی وادیوں میں ڈیوک سیوائے اور اس کی پروٹسٹنٹ رعایا میں خلاف پیدا ہوگیا تھا اور کرامویل نے اسی سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہا۔ ڈیوک کی فوج نے نہایت بیرحمی سے باشندگان وِوڈ کا قتل عام کردیا تھا، اور اس سے تمام یورپ میں سخت برہمی ہوگئی تھی جس کا اثر ملٹن کی بہترین نظموں سے ابتک محسوس ہوتا ہے۔ ایک طرف یہ شاعر خدا سے دعا کررہا تھا کہ وہ ان شہداء کے خونِ ناحق کا بدلہ لے جنکی ہڈیاں آلپس کے سرد پہاڑوں پر منتشر پڑی ہیں، دوسری طرف کرامویل اس سے پہلے ہی

دنیاوی انتقام کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس خونِ ناحق کی تلافی کے لئے ایک انگریزی سفیر ڈیوک کے دربار میں متکبرانہ مطالبات کے ساتھ حاضر ہوا اگر ان مطالبات سے انکار کیا جاتا تو فوراً ہی جنگ شروع ہوجاتی کیونکہ سوئٹزرلینڈ کے پروٹسٹنٹ صوبوں کو رشوت دیکر ان سے یہ وعدہ لیلیا گیا تھا کہ سیوائے پر حملہ کرنے کے لئے دس ہزار فوج تیار رکھیں گے لیکن مازارین کی سیاسی پختہ کاری نے اس تدبیر کو چلنے نہ دیا اور اس نے ڈیوک کو مجبور کردیا کہ وہ کرامویل کے مطالبات کو منظور کرلے۔ اس ظاہری کامیابی سے انگلستان و بیرونجات سب ہی جگہ "محافظ" کو ناموری حاصل ہوگئی۔ ۱۶۵۷ء کے موسمِ بہار میں بلیک کو آخری اور سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ سانتاکروز کے مضبوط و مسلّم بندرگاہ میں اسپین کے وہ سونے چاندی سے بھرے ہوئے جہازات ریل گئے جن کی حفاظت کے لئے گیلین جہازات متعین تھے۔ بلیک بزور بندرگاہ میں گھس گیا اور تمام جہازوں کو یا جلا ڈالا یا غرق کردیا۔ اس بحری کامیابی کے بعد ہی خشکی پر بھی کامیابی نے "محافظ" کا ساتھ دیا۔ کرامویل مدت سے ڈنکرک کا مطالبہ کرتا رہا تھا، اور اسی مطالبہ کے منظور نہونے سے وہ فرانس کو مدد دینا قبول نہیں کرتا تھا لیکن آخر یہ مطالبہ منظور ہوگیا اور فلینڈرز پر حملہ کرنے میں ٹورین کی فرانسیسی فوج کے ساتھ پیورٹین فوج کا ایک دستہ بھی شامل ہوگیا۔ مارڈائک کی تسخیر میں اس دستہ نے جو کار نمایاں کیا

اس سے اس کی بہادری اور ثابت قدمی ضبط و ترتیب آشکارا
ہوگئی۔ ڈیونز کی فتح نے اور بھی ان کی بہادری کا سکہ جمادیا۔
اس فتح نے اہل فلینڈرز کو مجبور کردیا کہ وہ اپنے دروازے ۱۶۵۸ء
فرانسیسیوں کے لئے کھول دیں اور ڈنکرک کرامویل سے حوالہ
کردیں۔

کرامویل انتقال

انگلستان کے کسی حکمراں کو اس سے زیادہ ناموری کبھی
حاصل نہیں ہوئی تھی، لیکن اسی جاہ وجلال کے زمانے میں
موت "محافظ" کیلئے اپنا پنجہ پھیلارہی تھی۔ سال ماقبل میں پارلیمنٹ
کے اندر بے ساختہ اس کی زبان سے یہ نکل گیا تھا کہ "خدا علیم
ہے کہ اس حکومت کا بار اپنے سر لینے کے بجائے
مجھے یہ زیادہ پسند تھا کہ میں اپنے جنگل کے کنارے
رہتا اور بھیڑوں کا گلہ پالتا۔" اب اس بار کے ساتھ بیماری
کی کمزوری و پریشانی کا اضافہ بھی ہوگیا تھا۔ وہ ظاہرا
ایک پرزور اور جفاکش شخص معلوم ہوتا تھا مگر درحقیقت
اس کی صحت اس کی قوت عزم کا ساتھ نہیں دےسکتی تھی
اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کے فتوحات کے دوران میں وہ
پے درپے بخار میں مبتلا ہوچکا تھا اور گزشتہ سال بھی
اس پر بخارہ کے متواتر حملے ہوچکے تھے۔ چھ مہینے بعد پارلیمنٹ
کے دوبارہ کھلنے پر اس نے اپنی تقریر میں دو مرتبہ یہ کہا
کہ "مجھے کچھ کمزوری معلوم ہوتی ہے" عام خطرے کے احساس
سے اس کی حرارت مزاج میں کچھ اور تیزی آگئی تھی۔ روپے

جنوری سنہ ۱۶۵۸ء

کی منظوری نہیں ہوئی تھی، فوج کی تنخواہ بہت زیادہ چڑھ گئی تھی، اور اس کے ساتھ ہی نئے نظامِ سلطنت کے اجرا اور شاہ پرستوں کی تازہ سازشوں کے باعث فوج کا غصہ بڑھتا جارہا تھا۔ سال ماسبق میں جو ارکان دارالعوام سے خارج کردیئے گئے تھے وہ اس نئے نظامِ حکومت کی رو سے پھر اپنی جگہوں پر واپس آگئے تھے۔ دارالعوام کے مغالطہ آمیز و پر خصومت لب و لہجہ سے قوم کی طبیعت کا حال صاف عیاں تھا۔ روپئے کی منظوری میں اب بھی تاخیر ہورہی تھی۔ اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ کرامویل کی تجویز کے موافق پارلیمنٹ کا جو ایوان ثانی قائم ہوا تھا اس کے نامزدشدہ ارکان کو کرامویل نے لارڈ کے خطابات دیدیئے، اس سے دونوں ایوانوں کے درمیان مخالفت اور بھی بڑھ گئی اور ہیسلرگ اور دوسرے مخالفانِ حکومت نے اس شعلے کو اور بھی بھڑکایا۔ دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ نئے نظامِ حکومت کے رو سے ایوان ثانی کو صرف عدالتی اختیار حاصل ہے، قانون وضع کرنے کے اختیارات اسے حاصل نہیں ہیں۔ اس قسم کی بحث و تکرار نے کرامویل کی اس کوشش میں خلل ڈالدیا کہ انگلستان کی سیاسی زندگی کی قدیم صورتیں پھر بحال ہوجائیں۔ کرامویل کے دربار کا ایک صاحبِ نظر شخص لکھتا ہے کہ "پارلیمنٹ کے اس مناقشے

کے دوبارہ شروع ہوجانے سے کراموبل کا غصہ اور جوش آخر جنون کی حد کو پہنچ گیا۔ اور شاہ پرست فریق کی روز افزوں قوت اور بغاوت کے لئے ان کی نئی تیاریوں نے اس جنون کو اور بڑھادیا۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لئے چارلس اسپینی فوج کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ بذات خاص ساحل فلینڈرز پر آگیا تھا۔ دارالعوام کے مناقشات اور اس جدید طریقہ حکومت کی ظاہری ناپسندیدگی نے اس کی امیدوں کو بہت قوی کردیا تھا اسی مجبوری کی وجہ سے کراموبل کو قدم آگے بڑھانا پڑا۔ اس نے ایک فوری جوش کی حالت میں اپنی گاڑی طلب کی اور چند محافظوں کو ساتھ لیکر وسٹ منسٹر کی طرف روانہ ہوگیا۔ فلیٹوڈ نے اسے سمجھایا مگر اس نے اس کے معروضات پر کچھ التفات نہ کیا اور ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ کو اپنے روبرو طلب کرکے غصے سے بھری ہوئی تقریر میں ان لوگوں کو سرزنش کی، اور آخر میں یہ کہا کہ "میں اس پارلیمنٹ کو برطرف کرتا ہوں خدا ہمارے اور تمہارے درمیان انصاف کرے گا" یہ اگرچہ ایک مہلک غلطی تھی مگر بروقت اس سے سب کام درست ہوگئے اپنے مخالفین کی اس شکست سے فوج کا جوش ٹھنڈا پڑگیا، اور چند اشخاص جو اسٹک شا کی تھے وہ سب فوج کی ترتیب جدید کے وقت بہ لطائف الحیل خارج کردیئے گئے فہمند افسروں نے حلف اُٹھایا کہ موت و زیست میں "اعلیٰ حضرت" کا ساتھ دیں گے۔ صوبوں کی طرف سے کثرت

پارلیمنٹ کی برطرفی

کے ساتھ سپاس نامے آنے لگے جن سے شاہ پرستوں کی بغاوت کا خطرہ رفع ہوگیا۔ بیرونِ ملک سے پُراز اہمیت خبریں آنے لگیں، فلینڈرز کی فتحیابی اور ڈنکرک کی حوالگی سے کرامویل کے عظیم الشان کارنامے پر تصدیق کی مُہر لگ گئی لیکن بخار اندر ہی اندر اپنا کام کررہا تھا۔ کویکر فاکس نے اسے ہمپٹن کورٹ کے باغ میں گھوڑے پر سوار ہوجاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ "اس کے چہرے سے موت کے علامات ظاہر تھے وہ جب اپنے محافظین کے آگے آگے جارہا تھا تو دور سے دیکھکر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ موت نے اس پر اپنا پنجہ جمالیا ہے اور جب میں پاس آیا تو میں نے اسے گویا بالکل ہی مردہ سمجھ لیا"۔ اپنی ان کامیابیوں کے دوران میں کرامویل کا دل بہت پریشان تھا۔ اسے یہ خیال ہوگیا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکامیاب رہا۔ اسے مطلق العنان بننے کی مطلق خواہش نہیں تھی، نہ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ محض مطلق العنانی سے ہمیشہ کام چل سکتا ہے۔ وہ اس امید میں لگا ہوا تھا کہ ملک کو اپنا طرفدار بنالے، چنانچہ سابقہ پارلیمنٹ کے برطرف کرنے کے بعد ہی وہ دوسری پارلیمنٹ کے طلب کرنے کی کارروائی میں مشغول ہوگیا۔ مجلس سلطنت نے اس تجویز سے اختلاف کیا، جس سے کرامویل کو غصہ آگیا، اس نے اپنے گھر کے لوگوں سے رنج کے ساتھ یہ کہا کہ "میں خود اب اپنی تجویز پر

عمل کروں گا، مجھسے اب یہ نہیں ہوسکتا کہ میں چپ چاپ
بیٹھا رہوں اور ایماندار لوگوں، اور خود قوم کو برباد کرنے کا
گناہ اپنے سر لوں،، لیکن قبل اس کے کہ یہ تجویز عمل میں
آسکے اس کی طاقت نے یکایک جواب دیدیا۔ وہ صاف
دیکھ رہا تھا کہ انگلستان اس کے انتقال کے بعد کس ابتری
میں مبتلا ہوجائے گا اور اسلئے وہ مرنے پر آمادہ نہیں تھا،
اس نے اپنے اطبا سے بہت وثوق کے ساتھ کہا کہ ''یہ نہ سمجھو
کہ میں مرجاؤں گا۔ تم کہتے ہو کہ میرے حواس جاتے رہے ہیں
مگر ایسا نہیں ہے میں اصل حقیقت سے خوب واقف ہوں
اور اپنی حالت کو تمہارے جالینوس و بقراط سے زیادہ
قابل وثوق طور پر جانتا ہوں۔ گویا خود خدا ہماری دعاؤں کا
جواب دے رہا ہے،، درحقیقت اس کی صحت کے لئے دعائیں
ہورہی تھیں مگر موت کا وقت قریب آتا جاتا تھا، یہانتک
کہ خود کرامویل نے بھی سمجھ لیا کہ اب وقت آخر آگیا ہے۔
مرض الموت کی حالت میں اس کی زبان سے یہ نکلا کہ ''
خداوند تعالیٰ اور اس کے بندوں کی خدمت کے لئے اگر
میں زندہ رہتا تو بہتر تھا مگر اب میرا کام ختم ہوچکا ہے،
بہرحال خدا اپنے بندوں کا نگہبان ہے،،۔ اس کے انتقال
کے قبل ایک سخت طوفان آیا جس سے مکان کی چھتیں تک
اُڑگئیں اور جنگلوں میں بڑے بڑے درخت گرگئے، یہ گویا
اس کی پُرزور روح کے جسمِ خاکی سے پرواز کرنے کی تمہید تھی

اگست سنہ ۱۶۵۸ء

اس طوفان سے تین دن بعد ۳ ستمبر کو کرامویل نے خاموشی کے ساتھ جان، جان آفریں کے سپرد کی یہ وہی تاریخ تھی جس روز اُسے وارسٹر اور ڈنبار کی فتحیں حاصل ہوئی تھیں۔

طریقہ پیوریٹینی کا زوال

مرنے کے بعد بھی اس کا اثر لوگوں کے دلوں پر اسقدر تھا کہ محض اس ظن پر کہ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹے کی جانشینی کی وصیت کی ہے رچرڈ کرامویل بلا رد و کد "محافظ" بن گیا اور طرفدارانِ شاہی حیرت کے ساتھ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے ایسے لوگ بھی نئے "محافظ" کے مطیع ہو گئے جنہوں نے اس کے باپ کے تحکم سے روگردانی کی تھی۔ پرسبیٹرین پادریوں میں بیکسٹر بڑی نمود کا شخص تھا، اس نے اپنے اظہارِ اطاعت کے وقت جس طرح رچرڈ کے سامنے گفتگو کی اس سے اس قسم کے لوگوں کے خیالات کی اصلی کیفیت معلوم ہوجاتی ہے۔ اس نے کہا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ قوم آپکے اس بامن طریق پر عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لینے سے عام طور پر خوش ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ ہمارے گزشتہ خونریز ہنگاموں میں آپ نے کسی قسم کی شرکت نہیں کی، گویا خدا کی یہ خواہش تھی کہ آپ کے ہاتھ سے گزشتہ نقصانات کی تلافی ہو اور جس عبادتگاہ کی تکمیل کی عزت باوجود تمنائے دلی کے حضرت داودؑ کو اس وجہ سے نہ حاصل

ہوسکی کہ اُنہوں نے بہت خونریزی اور بہت جنگ کی تھی وہ آپ کے ہاتھ سے انجام کو پہنچے"۔ یہ نیا "محافظ" ایک کمزور و بیکار شخص تھا، اور قوم کا بیشتر حصہ اس امر کو پسند کرتا تھا کہ اس کا حکمراں ایک ایسا شخص ہو جو نہ سپاہی ہو نہ پیورٹین ہو اور نہ نئی نئی باتیں نکالے۔ رچرڈ کی نسبت یہ معلوم تھا کہ بالطبع ایک سُست و دنیادار آدمی ہے اور یہ بھی یقین تھا کہ وہ قدامت پرست بلکہ دل میں شاہ پرست ہے۔ اس کی مجلسِ سلطنت تک میں اس بازگشت خیال کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اس مجلس نے پہلا کام یہ کیا کہ کرامویل کی سب سے بڑی اصلاح کو پلٹ دیا اور قدیم اصولِ انتخاب کے موافق نئی پارلیمنٹ کو طلب کرنیکے احکام جاری کئے۔ اس کا اثر نئے دارالعوام کے انداز سے بہت ہی صاف عیاں ہوگیا۔ وین کے جمہوریت پسند پیروؤں کو خفیہ شاہ پرستوں سے پُرزور مدد مل گئی اور اُنہوں نے کرامویل کے طریق انتظام پر سختی کے ساتھ اعتراضات شروع کردئے۔ سب سے سخت حملہ سرایشلے کوپر نے کیا۔ کوپر ڈارسٹ شائر کا ایک معزز شخص تھا اور خانہ جنگی میں اولًا بادشاہ کی طرف سے لڑا پھر پارلیمنٹ کی طرف ہوگیا۔ کرامویل کی مجلس سلطنت کا رکن رہا اور کچھ ہی زمانہ قبل اس مجلس سے علیحدہ ہوگیا تھا اس نے نہایت درشتی و طعن و تشنیع کے ساتھ کہا کہ "اعلیحضرت متوفی نے اپنی زندگی میں دغا و جبر سے

رچرڈ کرامویل

تمہاری آزادی سلب کرلی تھی اور اپنے مرنے کے بعد بھی تمہیں غلامی میں پھنسا گئے"۔ سپاہیوں کے متعلق بھی اس نے اسی قسم کے سب دشنام سے کام لیا کہ "انہوں نے نہ صرف اپنے دشمنوں کو مغلوب کیا بلکہ اپنے ان آقاؤں کو بھی زیر کرلیا جنہوں نے انہیں نوکر رکھا اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں انہوں نے صرف اسکاٹلینڈ و آئرلینڈ ہی کو فتح نہیں کیا بلکہ باغی انگلستان کو بھی فتح کرلیا، اور اس کے اندر حکام و اہل قانون کے مفسد فریق، کو پامال کرڈالا"۔ فوج نے بھی جواب دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ وہ اسکے قبل ہی مطالبہ کرچکی تھی کہ نئے "محافظ" کی جگہ کوئی سپاہی اس کا جنرل مقرر کیا جائے۔ افسروں کی مجلس کا رویہ اس قدر تہدید آمیز ہوگیا تھا کہ دارالعوام نے ان تمام افسروں کی برطرفی کا حکم دیدیا جو پارلیمنٹ کے آزادانہ اجلاس میں دست اندازی و مداخلت سے باز رہنے کا قرار نہ کریں۔ رچرڈ نے افسروں کی مجلس کی برطرفی کا حکم دیا مگر انہوں نے اس کے جواب میں پارلیمنٹ کی برطرفی کا مطالبہ کیا اور رچرڈ کو مجبوراً اس مطالبے کو ماننا پڑا۔ تاہم فوج کا منشا اب بھی یہی تھا کہ ایک منضبط حکومت قائم ہوجائے۔ نئے محافظ کی کمزوری ظاہر ہوگئی تھی، فوج کے باقی حصے نے اسے بالائے طاق رکھکر یہ ارادہ کرلیا کہ جس دارالعوام کو اس نے ۱۶۵۳ء میں سینٹ اسٹیون سے نکالا تھا، اسی کے

لانگ پارلیمنٹ کی واپسی

بادشاہ کے قتل کے بعد مابقی ارکان کو پھر طلب کرے۔
جو ایک سو ساٹھ ارکان پارلیمنٹ میں شریک ہوتے رہے تھے
ان میں سے نوے ارکان نے واپس آکر انتظام ملک اپنے
ہاتھ میں لیا۔ لیکن جو ارکان ۱۶۴۸ء میں نکالے گئے تھے
ان کو بدستور خارج رکھنے سے یہ ثابت ہوگیا کہ قانونی
حکومت کے بحال کرنے کا دلی منشا نہیں ہے۔ دارالعوام
اور سپاہیوں میں بہت جلد مناقشہ برپا ہوگیا۔ وین کے
مشورے کے باوجود دارالعوام نے افسروں میں اصلاح
کرنے کی تجویز کردی اگرچہ ماہ اگست میں چشائر کے
شاہ پرستوں کی یورش سے متخاصمین کچھ دیر کے لئے
متحد ہوگئے مگر اس خطرے کے رفع ہوتے ہی پھر وہی
کشمکش شروع ہوگئی۔ درحقیقت لوگوں کے دلوں میں ایک نئی
امید پیدا ہوگئی تھی۔ نہ صرف قوم فوجی حکومت سے دل
برداشتہ تھی بلکہ خود فوج میں اختلاف کے آثار ظاہر
ہونے لگے تھے۔ فوج جبتک متحد تھی وہ ناقابل فتح تھی
مگر اب صورت معاملات دگرگوں ہورہی تھی۔ آئرلینڈ و اسکاٹلینڈ
کی فوجیں اپنے انگلستان کے رفیقوں کی روش پر معترض
تھیں اور اسکاٹلینڈ کی فوج کے سپہ سالار منک نے یہ دھمکی
دی تھی کہ میں لندن میں داخل ہوکر پارلیمنٹ کو فوج کے
اثر سے آزاد کرادوں گا۔ ان اختلافات کے باعث ہیلرگ
اور اس کے رفقا کی ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے فلیٹووڈ

فوج کے اندر اختلافات

اور لیمبرٹ کی برطرفی کا مطالبہ کردیا۔ فوج نے اس کا جواب یہ دیا کہ پھر پارلیمنٹ کو وسٹ منسٹر سے نکالدیا اور منک کی فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے لیمبرٹ کی سرکردگی میں شمال کو روانہ ہوگئی۔ آپس کی مراسلت کے باعث منک کو وقت مل گیا کہ اس نے اڈنبرا میں ایک عارضی مجلس ملکی جمع کرلی اور روپئے اور مزید سپاہیوں کی بھرتی سے اپنے کو مضبوط کرلیا۔ اس کی اس روش نے تمام انگلستان کو اُبھار دیا اور ملک کے خیال میں اس قدر جلد تغیر ہوگیا کہ فوج کو مجبور ہوکر مابقی ارکان پارلیمنٹ کو پھر بلانا پڑا لیکن منک جلد جلد بڑھتا ہوا کولڈسٹریم سے گزر کر سرحد کے اندر آگیا۔ "آزاد پارلیمنٹ" کے پُرشور مطالبہ نے تمام ملک میں ایک آگ سی لگادی تھی۔ نہ صرف فیرفیکس نے (جو مسلح ہوکر یارکشائر میں آگیا تھا) بلکہ ٹیمز کے جہازات اور لندن کی سڑکوں کے عوام الناس تک نے بھی شور مچانا شروع کردیا۔ منک ایک طرف مابقی ارکان پارلیمنٹ کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرتا جاتا تھا اور دوسری طرف ایک آزاد پارلیمنٹ کے لئے درخواستیں بھی قبول کرتا جاتا تھا۔ وہ بے روک ٹوک لندن میں داخل ہوگیا، فوج ابتک اپنے خیال پر مستحکم تھی مگر وہ منک کے اظہار وفاداری سے دھوکے میں آگئی اور جب منک نے کوشش کرکے اس کے مختلف دستوں کو ملک میں منتشر کردیا تو فوج کی قوت بالکل ٹوٹ گئی۔ ۱۶۶۰ء میں پرائڈ نے

عارضی مجلس ملکی

۲۵ اپریل

جن ارکان کو دارالعوام سے خارج کردیا تھا ان میں سے جو باقی رہ گئے تھے وہ ایشلے کوپر کے اشارے سے پھر بزور پارلیمنٹ میں داخل ہو گئے، اور فوراً ہی یہ تجویز منظور ہوگئی کہ موجودہ پارلیمنٹ برطرف کردی جائے اور ایک نئے دارالعوام کا انتخاب عمل میں آئے۔ نیا دارالعوام جو "عارضی مجلسِ ملکی" کے نام سے مشہور ہے اس نے جمع ہوتے ہی عہد ومیثاق کو قبول کرلیا جس سے پریسبیٹرین کی طرف اس کا میلان ظاہر ہوگیا اور اس کے سرگروہوں نے بادشاہ کے واپس بلانے کے لئے شرائط مرتب کرنا شروع کردیئے مگر اس اثنا میں یہ معلوم ہوا کہ منک پہلے ہی سے جلاوطن بادشاہ سے مراسلت کررہا ہے۔ اس صورت میں کسی قسم کی شرط کا عائد کرنا غیر ممکن تھا، چارلس نے اپنا ایک اعلان بریڈا سے شائع کیا اور اس میں اس نے عام معافی، مذہبی رواداری اور فوج کے مطمئن کرنے کا وعدہ کیا۔ اس اعلان سے قومی جوش کا چشمہ ابل پڑا اور "عارضی مجلسِ ملکی" نے باقاعدہ طور پر قدیم نظام حکومت کو ان الفاظ کے ساتھ بحال کردیا کہ "ملک کے قدیمی و اساسی قوانین کے بموجب حکومت بادشاہ، دارالامرا دارالعوام سے مرکب ہے، اور یہی ہونا بھی چاہیئے"۔ بادشاہ سے فوراً یہ درخواست کی گئی کہ وہ جلد تر اپنے ملک کو واپس آجائے۔

چارلس کی واپسی

۲۵ مئی

وہ ڈوور میں اُترا اور ایک مجمع عظیم کے نعرہائے مسرت کو سنتا ہوا وہائٹ ہال کو روانہ ہوا۔ اس موقع پر نئے بادشاہ نے اپنے طبعی طنز کے ساتھ ہنس ہنس کر یہ کہا کہ "یہ میری ہی غلطی ہے کہ میں اس سے قبل واپس نہ آیا کیونکہ کوئی شخص مجھے ایسا نہیں ملتا جو یہ نہ کہتا ہو کہ وہ ہر وقت میرے آنے کا آرزومند تھا"۔

ملٹن

لوگوں کو اب یقین ہوگیا تھا کہ اس زوال کے بعد پھر کبھی مذہب پیورٹین کو عروج حاصل نہیں ہوگا۔ سیاسی تجربے میں اسے قطعاً ناکامی ہوئی اور اس کی طرف سے ایک تنفر پیدا ہوگیا تھا۔ قومی زندگی کے مذہبی جزو کی حیثیت سے اس نے ایک ایسا سخت اخلاقی انقلاب پیدا کردیا تھا کہ انگلستان کو کبھی ایسے انقلاب سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ لیکن درحقیقت طریق پیورٹین مردہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس مصیبت و شکست سے اس کا انداز پر وقار ہوگیا تھا۔ مذہب پیورٹین کے زوال کے بعد سے اس کے اثر کی اصلی کیفیت جیسی کچھ ان مہتم بالشان کتابوں سے معلوم ہوتی ہے جو اس کے اعلیٰ ترین و شریف ترین اثر کو نسلاً بعد نسل منتقل کرتی آئی ہیں۔ ایسی کیفیت کسی اور ذریعہ سے نہیں معلوم ہوتی۔ اس زمانے سے اس وقت تک مذہبی کتابوں میں پیوریٹنی تمثیلی نظم "پلگرمس پروگرس" (سفر زائر) سے زیادہ کوئی کتاب عام پسند نہیں ہوئی ہے جس میں مذہب پیورٹین کو ایک قصے کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح انگریزی نظموں میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز نظم "پیریڈائز لاسٹ" (ہبوط از جنت) ہے اور وہ بھی ایک پیورٹین طریقہ کی مثنوی ہے۔ خانہ جنگی کے دوران میں ملٹن برابر پرسبیٹرین اور شاہ پرستوں کی مخاصمت میں پھنسا رہا اور ہمیشہ مذہب، ملک، معاشرت اور مطابع کی آزادی کی حمایت کرتا رہا اور اگرچہ کثرت مطالعہ کی وجہ سے اسی زمانے میں اس کی آنکھیں خراب ہوچکی تھیں مگر خانہ جنگی کے بعد وہ "محافظ" کے لاطینی معتمد کا کام انجام دیتا رہا۔ رجعت شاہی کے بعد

شاہ پرستوں کے نزدیک وہ سب سے زیادہ مبغوض شخص تھا کیونکہ اسی کی کتاب "حمایت قوم انگلشیہ" (Defence of the English People) نے بادشاہ کے قتل کو تمام یورپ میں بجا ثابت کردیا تھا۔ پارلیمنٹ نے حکم دیا تھا کہ اس کتاب کو ایک معمولی جلاد کے ہاتھ سے جلوادیا جائے۔ وہ کچھ زمانے تک قید بھی رہا اور جب رہا ہوا اس وقت بھی اسے برابر خطرہ لگا رہتا تھا کہ کوئی پُر جوش شاہی سپاہی اسے قتل نہ کرڈالے۔ اپنے فریق کی تباہی کے ساتھ ذاتی مصیبتوں نے اسے اور بھی مبتلائے آلام کردیا تھا۔ جس ساہو کار کے پاس اس کی جائداد کا بڑا حصہ محفوظ تھا اس کا دوالہ نکل گیا اور جو کچھ بچ رہا تھا، لندن کی آتش زدگی میں اس کا بھی بڑا حصہ تباہ ہوگیا۔ بڑھاپے میں وہ اور زیادہ غریب ہوگیا اور مجبور ہوکر اپنے کفاف کے لئے اپنا کتب خانہ اس نے فروخت کرڈالا۔ سیاسی خیالات میں وہ جن لوگوں کے سیاسی اصولوں سے متفق تھا۔ مذہبی خیالات میں ان سے بھی جدا تھا کیونکہ اس نے رفتہ رفتہ مذہب کی تمام مروجہ صورتوں سے الگ ہوکر آرمینس کا طریقہ اختیار کرلیا تھا اور کسی عبادتگاہ میں نہیں جاتا تھا۔ گھر کے اندر بھی اسے مسرت حاصل نہیں تھی۔ مدرسے کی تعلیمی اوداس زندگی اور مخالفوں کی بحث و جدال میں پڑکر جوانی کی لطافت و نزاکت سب اس سے پہلے ہی رخصت ہوچکی تھیں۔ بڑھاپے میں اسکے مزاج میں اور بھی سختی و درشتی آگئی۔ وہ اپنی لڑکیوں سے ان زبانوں کی کتابیں پڑھواکر سنتا تھا جنھیں وہ سمجھ نہیں سکتی تھیں

لڑکیاں اس مصیبت سے الگ دل برداشتہ تھیں لیکن اس تنہائی اور مصیبت نے ملٹن کی باطنی عظمت کو نمایاں کردیا۔ اس کی زندگی کے آخری زمانے میں ایک باوقار سادگی پیدا ہوگئی تھی وہ روزانہ صبح کو عبرانی زبان کی کتاب مقدس سے ایک باب سنتا، پھر کچھ دیر تک خود خاموشی کے ساتھ سوچا کرتا اس کے بعد دوپہر تک مطالعہ میں مشغول رہتا تھا۔ پھر ایک گھنٹہ ورزش کرتا۔ ایک گھنٹے تک ارغنول یارباب بجاتا اور پھر مطالعہ میں مشغول ہوجاتا۔ وہ اگرچہ ایک گوشہ نشین اور سب سے بیگانہ شخص تھا مگر ایک خاص خوبی اس میں ایسی تھی کہ رجعت شاہی کے بعد کے اہل علم نے اسکے مکان واقع برن ہل فیلڈز کو ایک زیارتگاہ بنالیا تھا۔ وہ عہد الزبتھ کے لوگوں میں آخری شخص تھا شیکسپیر اپنی اسٹریٹفرڈ کی خانہ نشینی کے زمانے میں جب اپنے ہم مذاق دوستوں سے ملنے کے لئے لندن جایا کرتا تھا تو بریڈ اسٹریٹ سے گزرتا تھا اور اس آمدورفت میں ملٹن نے غالباً اسے دیکھا ہوگا۔ ملٹن، ویبسٹر، مسنجر، ہیرک، کراشا کا ہمعصر تھا۔ اس کے ”کومس“ اور ”آرکیڈیس“ نے جانسن کے ظرافت آمیز قصوں کا مقابلہ کیا تھا۔ ان باتوں نے لوگوں کے دلوں میں اس کی ایک وقعت پیدا کردی تھی اور وہ اس نابینا شاعر سے ملنے کے لئے اس کے مکان پر آتے تھے۔ وہ سیاہ لباس پہنے ہوئے بیٹھا رہتا تھا، اس کے کمرے میں پرانے سبز رنگ کے مشجر کے پردے لٹکے رہتے تھے، اس کے خاموش و متین چہرے سے ابتک جوانی کا حسن ظاہر ہوتا تھا اور اس کے بھورے بھورے بال رخسارے کے دونوں جانب لٹکتے

اس کی شفاف آنکھوں سے اندھے پن کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی نثر کی تحریروں نے اسے نیکنام کیا ہو یا بدنام مگر اس پندرہ برس کے اندر چند غزلوں کے سوا اس نے نظم میں کچھ اور نہیں کہا تھا۔ اب اس بڑھاپے اور نابینائی کے زمانے میں جبکہ "کومس" کے اوباشوں کے انبوہ کے مثل بدکار لوگوں نے اسکے محبوب ترین مقاصد کو پامال کردیا تھا، اس نے اس طولانی نظم میں اپنا جوہر دکھانا چاہا جسے وہ برسوں سے دل ہی دل میں سونچ رہا تھا، اور اسی کو اس نے اپنی راحت کا ذریعہ سمجھا۔

سبٹ اٹلی کے سفر سے واپس آکر ملٹن نے یہ کہا کہ وہ "ایک ایسی نظم "پیریڈ ائز لاسٹ" (ہبوط از جنت) لکھنے کے خیال میں ہے، جو "جوش جوانی اور سرور مے سے نہیں پیدا ہو سکتی جیسے کہ ادنیٰ نظمیں معمولی طریقوں اور قافیہ پیماؤں کی زبانوں سے نکلا کرتی ہیں، نہ قوت حافظہ و خوش الحانی اس موقع پر کام دیسکتی ہے بلکہ یہ نظم صرف اس حی القائم کی مخلصانہ پرستش ہی سے وجود میں آسکتی جو گویائی و علم کی دولت کا عطا کرنے والا ہے اور وہی جسے چاہے اس کے لبوں کو اپنے فرشتوں کے ذریعے سے اپنی قربانگاہ کی مقدس آگ سے پاک کردے"، آخر اس کے لب بھی ایسی ہی آگ سے پاک ہو گئے۔

اس دار و گیر اور تنہائی کے زمانے میں وہ اپنی خاموش عزلتگاہ میں اپنے عظیم الشان کام پر غور کرتا رہا۔ رجعت شاہی کے سات برس بعد سنہ ۱۶۶۷ء "پیریڈائز لاسٹ" اور پھر چار برس بعد "پیریڈائز ریگینڈ" اور "سیمسن اگونسٹین" شائع ہوئے۔ اس آخری نظم کے پر شکوہ الفاظ سے پتہ چلتا ہے

کہ "سیمسن" کے پردے میں شاعر نے خود اپنے زوال کا خاکہ کھینچا ہے کہ "کیونکر وہ تاریکی و خطرے کے اندر بُرے وقت اور بُرے لوگوں میں پھنس گیا ہے"۔ یہ دونوں آخری نظمیں اگرچہ بہت بلند درجہ کی ہیں مگر سابق کی نظم کے سامنے وہ ماند پڑگئی ہیں۔ ملٹن نے اپنی ساری ذہانت "پیرڈائز لاسٹ" میں صرف کردی تھی "انسان کی اس پہلی نافرمانی اور شجر ممنوعہ کے پھل کھانے" کی داستان میں "جس سے یہ تمام مصیبت و موت نازل ہوئی"، عہد الیزبتھ کے شاعروں کی افسانہ پسندی، رفعت خیالی اور بلند پروازی، یونان و روما کے ادبیات کی خوبی و ترتیب، "کتاب مقدس" کی عظمت معنوی و شوکت الفاظ سب خوبیاں جمع ہوگئی ہیں۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ نظم کیسے متبائن اجزا سے مرکب ہے، اس وقت ہمیں اس شخص کی ذہانت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے جس نے ان متغائر اجزا کو ملاکر ایک شے واحد بنادیا۔ ملٹن کی نظم کی شان و دلفریبی میں عبرانی قصے کے خط وخال بالکل چھپ گئے ہیں۔ جینوا کے متعصبانہ خیالات کو "نشاۂ جدیدہ" کے شاندار لباس میں پوشیدہ کردیا ہے۔ اگر اسپنسر کی سی آزاد خیالی اور ابتدائی ناٹک نویسوں کی سی نقشہ کشی میں کمی رہگئی ہے تو ان باتوں کے بجائے اس نظم میں قدما کے شاندار ربط و ترتیب کی ایسی بلند مثال ملتی ہے کہ انگریزی زبان اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ مگر یہاں ہمیں "پیرڈائز لاسٹ" کی علمی حیثیت سے بحث نہیں ہے بلکہ ہم اس کی تاریخی حالت پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس کی تاریخی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ مذہب پیوریٹن کی ایک مثنوی ہے۔ اسکی

ترتیب ان مسائل پر رکھی گئی ہے جن کے لئے پیورٹین مصیبت و تاریکی کے وقت میں لڑرہے تھے۔گناہ و نجات،وربدی کے مقابلے میں نیکی کی عالمگیر جد وجہد پر اس نظم کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔پیورٹینوں نے محاسنِ اخلاق کے متعلق اس سختی سے توجہ کی تھی کہ گویا اخلاق کو مجسّم بنا دیا تھا۔اسی سلسلے میں ملٹن نے "گناہ" و "موت" کو زندہ و مجسّم کر کے دکھایا ہے۔پیورٹینوں نے تمام دنیا کی خرابیوں کے لئے ایک لفظ "گناہ" مقرر کرلیا تھا اور اپنے جوشِ تنفّر میں ان خرابیوں کو اس قدر بڑھا چڑھاکر دکھایا تھا کہ ان کا ایک مجسم بھوت بناکر کھڑا کردیا تھا۔ملٹن نے "شیطان" کی جو ہیئت قراردی ہے وہ اسی خیال کا نتیجہ ہے۔پیورٹینوں نے جس شان کے ساتھ اس طویل و متلوّن الحالات کشمکش میں انصاف، قانون اور اعلیٰ مقاصد کے لئے کوششیں کیں، مخاصمت کی ترقی کے ساتھ ان کے اخلاق میں جیسی بلندی آگئی، تمام مراحل میں نیکی و بدی کا جیسا قوی و مجسّم تصور انہوں نے پیدا کردیا، بیس برس تک لوگوں کی زندگی جس قسم کے بحث مباحثے، سازش اور جنگ و جدل میں گزری ان سب کا اثر "پیریڈائزلاسٹ" میں نمایاں ہے۔پیورٹینوں کی طبیعت کے اعلیٰ ترین و برترین اوصاف اس نظم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس نظم کی بلندی و برتری، اس کی پاکیزہ زبان، اس کے اعلیٰ خیالات، ایک خاص ترتیب و روانی کے ساتھ اپنے مقصد اعلیٰ کے حصول کی فکر، ان تمام امور سے پیورٹینوں کے اخلاق کا اثر ظاہر ہے۔خیالات کی انتہائی بلند پروازی کے موقع پر بھی ملٹن

اپنے وقار و خودداری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وہ جس بیان میں ہاتھ لگاتا ہے تیقن کے ساتھ اسے پیش کرتا ہے۔ وہ بہشت کے ذکر کو چھوڑ کر دوزخ کا ذکر کرنے لگے، یا شیطان کے ایوان شوریٰ سے نکل کر آدمؑ و حواؑ کی دلپذیر مشورتگاہ میں آجائے مگر کسی موقع پر بھی اس کے پائے استقامت کو لغزش نہیں ہوتی اور نہ وہ تذبذب میں پڑتا ہے۔ لیکن اس نظم سے جہاں پیورٹینوں کے اعلیٰ صفات ظاہر ہوتے ہیں وہیں ان کی خرابیاں بھی ہو بہو عیاں ہوجاتی ہیں۔ اس تمام نظم میں ہم حسرت کے ساتھ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس میں دل پر اثر کرنے والی قلبی ہمدردی نہیں پائی جاتی، عام بنی نوع انسان کے ساتھ وسعتِ اخلاق و نیک طینتی کا ثبوت اس سے نہیں ملتا، اسرار روحانی کے احساس کا اس میں پتہ نہیں ہے۔ شاعروں نے جن مضامین پر خامہ فرسائی کی ہے ان میں ملٹن کا مضمون سب سے زیادہ پُر اسرار اور مہیب مضمون ہے مگر شیکسپیر کی طرح وہ اپنے خیال کو غیر مرئی اشیا کے انکشاف حقیقت کی فکر میں پریشان نہیں کرتا۔ اس میں آئس کیلوس کے سے مبہم بیان کا کہیں ذکر نہیں ہے، انسان کی نافرمانی، اور اس کی سزا کی تجویز ایسی ہی صاف و غیر مبہم الفاظ میں بیان کی گئی ہے جیسے پیورٹینوں کے وعظ ہوا کرتے تھے، بقول پوپ ان موقعوں پر خداوند عالم بھی "مدرسہ کا واعظ" بنجاتا ہے۔ ملٹن نے جس طرح اپنی ابتدائی نظموں میں فطرت کی ترتیب و تزئین قرار دی تھی اسی طرح اس نے "پیرڈائز لاسٹ" میں بہشت و دوزخ کو ترتیب دیا ہے۔ اس کے قصے کے افراد عظّام، فرشتے،

ملائک مقرب، شیطان، بیلیل، سب عظیم الشان مگر ایک دوسرے سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ اسمیں امور انسانی کے ساتھ اس قسم کی عام ہمدردی بھی نہیں پائی جاتی ہے جس سے چاسر و شیکسپیر کا کلام اسقدر محبوب و مرغوب ہوگیا ہے مگر اسکے ساتھ ہی پیورٹین شخصیت جیسی ملٹن کے کلام سے عیاں ہے، ایسی کسی اور جگہ نہیں پائی جاتی۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اس میں گویا اپنی شخصیت کا حلول کردیتا ہے۔ اس کی نظم کے ایک ایک مصرع سے صاف اسی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس تمام نظم میں اخلاقی خوبیوں پر جس خشک مزاجی کے ساتھ وہ نظر ڈالتا ہے، جس قطع و بُرید کے ساتھ وہ حُسن کا نقشہ کھینچتا ہے وہ اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ حوّا کے حُسن کی جو حالت اس نے دکھائی ہے اسے کوئی فانی انسان ہرگز پسند نہیں کرسکتا۔ اس کے قصے کے افراد نے جس شان سے اپنے اندرونی جذبات کو دبایا ہے، اس سے خود ملٹن کی باطنی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرتِ آدمؑ نے بہشت سے نکالے جانے پر آہ تک نہ کی۔ شیطان اپنی مصیبتوں کو خاموشی و پامردی کے ساتھ برداشت کرتا رہا۔ یہی انتہائی خودداری ہے جس کی وجہ سے اس نظم میں مذاق کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ عام پیورٹینوں کی طرح ملٹن بھی اس وصف سے معرّا تھا، اگر کہیں اتفاقیہ کوئی مذاق آجاتا ہے تو اس سے نظم کی متانت غارت ہوجاتی ہے اور وہ بالکل بیجوڑ معلوم ہوتا ہے۔ عام انسانی ہمدردی کی اسی کمی نے ملٹن میں ناٹک نویسوں کی قابلیت نہیں پیدا ہونے دی۔ ہزاروں مختلف افراد کا خاکہ کھینچنا، ہر ایک کو اسی کے مخصوص الفاظ و افعال میں ظاہر کرنا، اپنی ہستی کو ان افراد کی ہستی میں فنا کردینا، وہ اوصاف ہیں جنمیں ملٹن کا درجہ تمام بلند پایہ شاعروں سے پست ہے۔

فوج کا منتشر کیا جانا

ملٹن کی نظم ایک تباہی کی داستان تھی "دلیا کی بادشاہت" کی امید جس طرح چشم زدن میں ہوا ہوگئی تھی وہ اس نظم کے نام ہی سے عیاں ہے "عساکر جدیدہ" جس پر پیورٹینوں کی قوت و امید کا مدار کار تھا، جب اس نے ہتیار ڈال دیئے تو گویا ایک مرتبہ پھر بہشت ہاتھ سے نکل گیا چارلس نے دارالصدر کو جاتے جاتے ان سپاہیوں کا معاینہ کیا تھا جو بلیک ہیتھ میں جمع ہوے تھے۔ ان سپاہیوں پر اپنے سپہ سالار کی بیوفائی، اپنے سرداروں کی ترک رفاقت، اور ایک مسلّح قوم کے اندر گھرے ہونے سے جیسی ہیبتناک خاموشی چھائی ہوئی تھی، اسے دیکھکر اس لاابالی بادشاہ کو بھی ایک اندیشہ پیدا ہوگیا تھا لیکن "عساکر جدیدہ" کے فتوحات میں کوئی فتح اس سے زیادہ شاندار نہیں تھی کہ انہوں نے خود اپنے اوپر فتح حاصل کرلی۔ جن کاشتکاروں اور سوداگروں نے رلوپرٹ کے سواروں کے ٹکڑے اُڑادیئے تھے، ووسٹر میں غیرملکیوں کی فوج کو منتشر کردیا تھا اور جو بادشاہ اب عیش کرنے کے لئے ملک میں آیا تھا اسے بے یار ومددگار ملک سے باہر نکال دیا تھا، سمندر پار کریسی اور ایجنکورٹ کے ناموں کو زندہ کردیا تھا، پارلیمنٹ پر حاوی ہوگئے تھے، ایک بادشاہ کو عدالت میں حاضر کرکے اس کا سر قلم کردیا تھا، انگلستان میں قوانین کی اشاعت کی تھی، کرامویل تک کو خوفزدہ بنا رکھا تھا، وہی کاشتکار و سوداگر آج راضی برضا ہوکر پھر اپنے قدیم مشغلوں میں مصروف ہوگئے اور اپنے آس پاس کے لوگوں میں اگر انہیں کوئی خاص امتیاز حاصل تھا تو یہی کہ وہ اوروں کی بہ نسبت زیادہ پرہیزگار وجفاکش تھے۔ ان کے ساتھ ہی مذہب پیورٹین نے بھی ہتیار ڈال دیئے۔ وہ اپنی مدت کی اس کوشش کو

ترک کرکے کہ وہ جبر و زور سے خدائی بادشاہت قائم کردے گا، پھر اپنے اس صحیح کام میں مشغول ہوگیا کہ لوگوں کے دلوں میں نکوکاری کی بادشاہت قائم کرنا چاہئے۔ درحقیقت اسی ظاہری زوال کے وقت سے اسکی اصلی فتح شروع ہوئی۔ رجعت شاہی کی ہنگامہ خیزی جب ختم ہوگئی تو لوگ فوراً ہی یہ محسوس کرنے لگے کہ مذہب پیورٹین میں جو کام حقیقتاً کرنے کے تھے ان میں سے کوئی کام بھی ہنوز برباد نہیں ہوا ہے۔ وہائٹ ہال کی عیش پرستی، درباریوں کی لامذہبی و عیاشی اور مدبروں کی تباہ کاریوں کے باوجود عام انگریز ویسے کے ویسے ہی رہے۔ وہ سنجیدگی، صداقت، پرہیزگاری مذہب پیورٹینا اور آزادی کی محبت میں بدستور ثابت قدم تھے۔ سنہ ۱۶۸۸ء کے انقلاب میں مذہب پیورٹین نے ملکی آزادی کے لئے وہ کام کردکھایا جسے وہ سنہ ۱۶۴۲ء کے انقلاب میں پورا نہ کرسکا تھا، ویسلی اور اٹھارویں صدی کی تجدید علوم کے ذریعے سے اس نے مذہبی اصلاح کے اس کام کو پورا کردیا جسے اس کی ابتدائی کوششوں نے سو برس پیچھے ہٹا دیا تھا۔ اس نے آہستگی و استقلال کے ساتھ انگریزی معاشرت، انگریزی ادبیات، اور انگریزی سیاسیات میں اپنی متانت و پاکیزگی کو دائر و سائر کردیا۔ رجعت شاہی کے وقت سے انگلستان کی اخلاقی و مذہبی ترقی کی تاریخ تمامتر مذہب پیورٹین کی تاریخ ہے۔

صحت نامہ

تاریخ اہل انگلستان، حصۂ سوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۲۱	انجیل نویسون کی	انجیل نویسوں کے
۴	۱۴	مگرالشاذ کالمعدوم	مگروہ الشاذ کالمعدوم
۶	حاشیہ	یبورٹیں لوگ	پیورٹین
۷	۲	ناولوں	ناوِلوں
؍؍	۱۵	کسان دوکاندار	کسان ودکاندار
۱۰	۱۸	زندگی کے	زندگی کی
۱۱	۱	ہیئت	ہیبت
؍؍	۴	محافظت	میت
۱۳	۲	کس حد	کسی حد
؍؍	۱۹	اصحاب درم	اصحاب ورع
۱۵	۱۹	اس کام	اسی کام
۲۳	۱۲	طرزکلیسا	طرزکے کلیسا
؍؍	۱۸	اوراس	اوراسی
۲۴	۸	اسقفی یاانفرادی	اسقفی ہویاانفرادی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳	۹	اس مختصر	اسی مختصر
۳۷	۷	اختیار کرلی تھی	اختیار کرلیا تھا
۳۹	۲۰	دونوں کے دونوں	دو کے دونوں
۴۳	۹	کا ہیلس	کا ہیلس
۴۷	۳	پایا گیا	پا گیا
۵۰	۲	اور جیمز	اور جیمز
۵۳	۵	مرکز ہوگئی	مرکز ہوگی
۵۶	۱۶	جنمیں	جنہیں
۵۷	۴	امن وآمان	امن وامان
۵۹	۱۹	تعاقب کے سبب سے	تعاقب کے دوران میں
۶۵	۱۲	جب غصہ	جیسا غصہ
۶۸	۱۷	عہدہ عہدہ	عہدہ
۷۲	۱۰	الکنر	الکٹر
۷۶	۱۵	اسپینونکی	اسپینیوں کی
۸۷	۴	انکے	رانکے
۹۰	۱۳	ندلیسکس	ڈلسکس
۹۱	۲	موجودہ	موجودالوقت
۱۱۶	۳	اصل	اصلی
۱۱۸	۱۷	میسچوسٹس	میساچوسٹس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۳	۱۹	بھی	یہی
۱۲۶	۱۷	دونوں کو	دونوں
۱۳۵	۱۹	اسوقت	اس وقت
۱۴۰	۱۲	وہ تحصیل	تحصیل
۱۴۴	۲۱	بادشاہ کے	بادشاہ کی
۱۴۷	۱۴	شلیو	رشلیو
۱۵۳	۵	پرسٹرین	پرسبٹیرین
۱۵۷	۱۲	"طبقات"	"طبقات" کو
۱۶۶	۱۱-۱۶	(تکمیل)	"تکمیل"
۱۸۲	۱۹	کسی طرح	کسی طرح کا
"	۲۰	اس گیارہ برس	ان گیارہ برسوں
۱۸۶	۱۵	ہمہ گری	ہمہ گیری
۱۸۸	۹	پرین	پرن
۱۹۳	حاشیہ	لعزیری	تعزیری
۱۹۵	۱۹	گیاس کا	گیا اس کا
۲۰۰	۲۰	فریق طریق کے	فریق کے
۲۰۴	۵	کمینوں کی مجلس	کمیونوں کی مجلس
۲۰۵	۶	خودمختار	(خودمختار)
۲۰۷	۱۴	ہیلرگ	ہیسلرگ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۰	۱۳	آلدرس	آلدرین
۲۱۱	۱۴	حامیان شاہی	(حامیان شاہی)
۲۱۳	۱۴	کوپسبر، ہائیڈ	کوپسپر اور ہائیڈ
۲۳۰	۷	پارلیمنٹ کی	پارلیمنٹ کی فوج
۲۵۶	۱	ممتاز	ممیز
۲۵۷	۲۱	کرلے نے	کرلینے
۲۶۱	۱۲	انکی اغراض	انکے اغراض
〃	۱۶	جائیں	جائیں گے
۲۶۵	۱۹	طلب	سلب
۲۹۰	۱۸	مجمع	مجتمع
۲۹۸	۱	اُن بس	اس سے
۳۰۰	۱۷	اُن پر تنبیہ	ان پر تنبیہ
۳۰۱	۱۹	فوج	قوم
۳۱۲	۷	چنسری	چینسری
۳۲۵	۱۷	کردیا۔ گیا وصول	کردیا گیا
۳۲۶	۱۲	مقسد	مفسد
۳۲۹	۱۴	اصطلات	اصلاحات
۳۳۳	۱۸	روک دیا	روک دیا تھا
۳۳۷	۱۶	قائم رکھا تھا	قائم کر رکھا تھا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳۸	۱۹	مزاحمت نہیں کرانا چاہتا	مزاحمت نہیں کرنا چاہتا
۳۳۹	۸	"جیوش"	(امرائے جیوش)
۳۴۳	۳	سے	اسے
۳۴۵	۸	ناخداول	ناخداؤں
۳۶۴	۷	میاں	عیاں
۳۶۶	۴	نکل گیا	نکل گئی

تمت

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 456879
Date 28-5-03
SRINAGAR

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.